بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی وتحقیقی سلسلہ

نمازِ عید، باجماعت اور تنہاء پڑھنے کا حکم

کرفیو، لاک ڈاؤن اور دوسرے اعذار کی حالت میں گھروں وغیرہ میں
عیدُ الفطر وعیدُ الاضحیٰ کی نماز سے متعلق احادیث وروایات اور آثار
محدثین، فقہاء ومجتہدین اور اصحابِ علم کے اقوال کی روشنی میں
مختلف حالات میں عورتوں، مریضوں اور معذوروں وغیرہ کو
گھروں وغیرہ میں نمازِ عید باجماعت اور بلا جماعت پڑھنے کا حکم

مؤلف
مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

نام کتاب: نمازِ عید، با جماعت اور تنہاء پڑھنے کا حکم

مصنِّف: مفتی محمد رضوان خان

صفحات: 205

فہرست

صفحہ نمبر	مضامین
8	تمہید (من جانبِ مؤلف)
23	نمازِ عید، باجماعت اور تنہاء پڑھنے کا حکم
//	سوال
24	جواب
32	(فصل نمبر1) احادیث وروایات اور آثار
//	عقبہ بن عامر کی حدیث
33	براء بن عازب کی حدیث
34	ابو عُمیر بن انس کی حدیث
36	قتادۃ کی حدیث
37	ربعی بن حراش کی حدیث
38	ابنِ عمر کی روایت

مغیرۃ بن شعبہ کی روایت	39
ابراہیم نخعی کی روایت	//
امام محمد بن حسن شیبانی کی روایت	40
مقدام بن معدی کرب کی روایت	45
امام بخاری کا حوالہ	47
امام طحاوی کا حوالہ	49
امام بیہقی کا حوالہ	//
امام ابنِ ابی شیبہ کا حوالہ	50
(فصل نمبر 2) **محدثین، فقہاء اور علماء کی عبارات وحوالہ جات**	59
''عمدۃُ القاری شرحُ البخاری'' کا حوالہ	//
''فتحُ الباری شرحُ البخاری'' کا حوالہ	63
''الکواکبُ الدراری شرحُ البخاری'' کا حوالہ	64
''منحۃُ الباری شرحُ البخاری'' کا حوالہ	65
''اللامعُ الصبیح بشرح الجامع الصحیح'' کا حوالہ	67
''ارشادُ الساری شرحُ البخاری'' کا حوالہ	68
''شرح صحیحُ البخاری لابنِ بطال'' کا حوالہ	69
''شرح صحیحُ البخاری لابنِ رجب'' کا حوالہ	70

	''التوضیح شرحُ الجامع الصحیح'' کا حوالہ	74
	''فیضُ الباری شرحُ البخاری'' کا حوالہ	80
	''المنتقیٰ شرح الموطأ'' کا حوالہ	83
	''المسالک شرح موطأ مالک'' کا حوالہ	85
	''المحلیٰ بالآثار'' کا حوالہ	86
	''نیلُ الاوطار'' کا حوالہ	87
	''مرعاۃ،شرح مشکاۃ'' کا حوالہ	89
	''مرقاۃ،شرح مشکاۃ'' کا حوالہ	91
	کتابُ الاصل اور الجامعُ الصغیر کا حوالہ	94
	''شرح مختصر الطحاوی'' کا حوالہ	101
	''التجرید للقدوری'' کا حوالہ	105
	''المبسوط للسرخسی'' کا حوالہ	107
	''المحیطُ البرھانی فی الفقہ النعمانی'' کا حوالہ	109
	دیگر کتبِ حنفیہ کا حوالہ	112
	''بدایۃُ المجتھد'' کا حوالہ	120
	''الفواکہُ الدوانی'' کا حوالہ	121
	''شرح مختصر خلیل'' کا حوالہ	//
	''المجموع شرح المھذب'' کا حوالہ	124

	"النجمُ الوهاج" کا حوالہ	125
	"الغررُ البهية" کا حوالہ	//
	"المغنی لابنِ قدامة" کا حوالہ	126
	"الشرحُ الکبير" کا حوالہ	129
	(فصل نمبر 3) بحالتِ موجودہ نمازِ عید سے متعلق چند فتاویٰ وآراء	131
	اللجنةُ الدائمة کا فتویٰ	//
	دائرةُ الافتاء اردن کا فتویٰ	132
	دیوانُ الافتاء جمہوریہ تونس کا فیصلہ	133
	أحمد المنزلاوی سعودی عرب کا حوالہ	134
	هيئةُ كبار العلماء بالأزهر کا حوالہ	135
	دارُ الإفتاء المصرية کا حوالہ	136
	وکيلُ الأزهر الشريف کا حوالہ	138
	الأمينُ العام للاتحاد العالمی لعلماء المسلمين کا حوالہ	139
	اکرم کساب (رکن اتحاد العالمی لعلماء المسلمین) کا حوالہ	140
	عبد اللّٰه بن شیخ محفوظ بن بیّہ کا حوالہ	142
	الدولُ العربية والاسلامية کا حوالہ	143
	دارُالعلوم دیوبند کا فتویٰ	149

	جامعۃ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کا فتویٰ	151
	ہندوستان کے بعض مفتیان کا فتویٰ	156
	جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا حوالہ	160
	مفتی خلیل الرحمٰن قاسمی کا حوالہ	162
	ڈاکٹر محمد نجیب سنبھلی قاسمی کا حوالہ	163
	چند علماءِ ہند کا متفقہ فیصلہ	//
	شریعت کونسل، جماعتِ اسلامی ہند کا فیصلہ	165
	مختلف تنظیموں کا فیصلہ	167
	مولانا مفتی اطہر شمسی کیرانہ کا حوالہ	168
	پروفیسر، محمد مشتاق تجاروی کا حوالہ	169
	مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کا حوالہ	172
	خلاصۃُ الکلام وحاصلُ المرام	178

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

ایک عرصہ سے دنیا بھر میں مخصوص کرونا وائرس کی وباء کے اثرات پائے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے کئی ممالک میں لاک ڈاؤن اور کرفیو وغیرہ کا سلسلہ موجود ہے، اور آئندہ بھی ماہ بماہ تک یہ سلسلہ جاری رہنے کے امکانات وخدشات ظاہر کیے جا رہے ہیں، جس کے اثرات عیدُ الفطر کے بعد، اللہ نہ کرے، عیدُ الاضحیٰ کے اوپر بھی پڑ سکتے ہیں، ورنہ کسی دوسرے وقت بھی کسی علاقے کے مسلمانوں کو اچانک کرفیو وغیرہ کی بناء پر اس طرح کی صورتِ حال سے سابقہ پڑ سکتا ہے، ویسے بھی ہر مسلمان کو قبل از وقت مسائل کا علم ہونا چاہئے۔

ملکِ پاکستان میں بھی ماہِ رمضان المبارک سے قبل اچانک لاک ڈاؤن ہونے کی وجہ سے مساجد میں، پنجگانہ نماز باجماعت، جمعہ کی نماز اور پھر تراویح کی نماز، گھروں وغیرہ میں اداء کرنے کے مسائل درپیش رہے۔

خاص طور پر ماہِ رمضان میں جو مسلمانوں کے لئے عبادت کا ایک اہم اور عظیم مہینہ شمار ہوتا ہے، مساجد میں اجتماعی عبادات کے حوالے سے مشکلات پیش آتی رہیں۔

جبکہ ہندوستان اور کئی دوسرے مسلم وغیر مسلم ممالک میں ہمارے یہاں سے بھی زیادہ سخت اور شدید لاک ڈاؤن اور کرفیو جیسی صورتِ حال موجود رہی، جس کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے، بعض غیر مسلم ممالک میں، جہاں مسلمانوں کی تعداد بہت کم ہے، ایسے مسلمان بھی موجود ہیں، جو اپنی رہائش گاہوں پر کسی دوسرے مسلمان کی رفاقت ومعیت کے بغیر محصور ومجبور ہیں، جن کو نہ تو نمازوں کے اوقات میں باہر نکلنے کی اجازت ہے، اور نہ ہی کسی مسلمان کو اپنے ساتھ شامل کر کے نماز باجماعت پر عمل کرنا ممکن ہے، ویسے بھی وہاں مساجد کی تعداد، ہمارے

یہاں کے مقابلے میں بہت کم ہے، اور بعض علاقوں میں مساجد بھی غیر معمولی فاصلہ پر واقع ہیں، جہاں پہنچنے کے لئے میل ہا میل کا سفر طے کرنا پڑتا ہے، جو موجودہ حالات میں نہ متوقع ہے، اور نہ وہاں نماز کے اجتماعات میں شمولیت کی عملی صورت ممکن ہے۔

اس غیر معمولی صورتِ حال میں بطورِ خاص، ہمارے ملک میں مختلف اہلِ علم حضرات کی طرف سے نماز باجماعت، نمازِ جمعہ، اور نمازِ عید کے سلسلہ میں طرح طرح کی آراء سامنے آتی رہیں، اور ایک ایسے معاشرہ میں کہ جہاں ہر طرح کے مفتیانِ کرام کی بہتات ہو، اور ہر قسم کا فتویٰ دینے اور اپنے مخالف کی رائے کی ہر طرح سے تردید ونکیر کرنے میں بھی جرائت وہمت کا غیر معمولی مزاج وماحول پایا جاتا ہو، ایسے میں عامۃُ المسلمین کو اپنے لئے راہِ عمل، متعین اور اس صورتِ حال کے نتیجے میں پیدا شُدہ اضطراب وتذبذب کو ختم کرنا مشکل مرحلہ بن جاتا ہے، اور لوگ مختلف فرقوں میں بٹ کر ایک دوسرے کے خلاف بحث ومباحثہ اور مجادلہ ومقابلہ کی فضاء پر اُتر آتے ہیں۔

اور بدقسمتی سے اس طرح کی صورتِ حال دوسرے ممالک کے مقابلے میں ہمارے ملکِ پاکستان میں کچھ زیادہ ہی ہے، جس کا اندازہ سوشل میڈیا سے لگایا جاسکتا ہے، اور اس طرز کو کسی طرح بھی سلف کے طریقے کے مطابق قرار نہیں دیا جاسکتا۔

یہی وجہ ہے کہ کئی ماہ سے، ہمارے یہاں اس طرح کا ایک بڑا طبقہ نماز باجماعت، اور جمعہ وعیدین، جیسے اہم مسائل کے سلسلے میں اضطراب وتذبذب، بلکہ تعصب وتشدد کے راستہ پر گامزن رہا۔

اور موجودہ زمانے کے المیات میں سے ایک المیہ یہ ہے کہ جس طرح مسلمانوں کے بہت سے سیاسی قائدین میں عوام ورعایا کی صحیح رہنمائی اور ان کے دنیاوی حقوق کی ادائیگی میں کمی کا غیر معمولی فقدان پایا جاتا ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کے بعض مذہبی ودینی مقتداؤں میں بھی مسلمانوں کو مذہبی ودینی اعتبار

سے صحیح رہنمائی اور ان کے دینی و مذہبی متنوع حقوق کی ادائیگی کی صلاحیتوں میں کمی کا غیر معمولی فقدان پایا جاتا ہے۔

اور جس طرح موجودہ زمانے میں ہمارے بہت سے سیاسی قائدین کا کردار سیاسی شعبوں میں ایک روایتی ورسمی حیثیت کا حامل ہوکر رہ گیا ہے، اور غیر معمولی حالات میں ان کے لیے صحیح فیصلے کرنا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح موجودہ زمانے میں ہمارے بعض مذہبی قائدین کا کردار بھی مذہبی شعبوں میں ایک طرح سے روایتی ورسمی حیثیت کا حامل ہوکر رہ گیا ہے، کہ وہ اس طرح کے غیر معمولی حالات میں بھی اپنے مخصوص ومشہور، روایتی مجتہد فیہ اقوال میں توسع اور گنجائش کے لیے آمادہ نہیں ہوتے کہ جب بین الاقوامی سطح پر پوری انسانیت کو غیر معمولی حالات درپیش ہوں، اور بلا امتیاز امتِ مسلمہ کے تمام مسالک وفرقوں کو ان کا سامنا ہو۔

پھر دوسرے حالات میں اس قسم کے مذہبی مقتداؤں سے توسع کی کیا توقع کی جاسکتی ہے۔

اور اس کا ایک اہم سبب یہ بے اعتدالی معلوم ومحسوس ہوئی، کہ جو اکابر ومشائخ اپنے زمانۂ شباب وصحت اور حالتِ چراغِ شب میں دین کی سُنہری خدمات وتحقیقات سرانجام دے کر اب پیرانہ سالی اور حالتِ ضعف میں اور ایک طرح سے چراغِ سحر ہیں، اصاغر کی طرف سے اب بھی تمام تر اہم مسائل کی تحقیق کی ذمہ داری ان ہی کے سر ڈالنے کی کوشش کی جاتی ہے، جو کہ ایک طرح سے ظلم ہے، جس کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اصاغر ونوجوان خود سے کوئی تحقیق کرنے کو اپنے اکابر ومشائخ کی شان میں بے ادبی خیال کرتے ہیں، جو کہ سراسر غلط اور سلف کے طرز اور طریقہ کے خلاف ہے، یا پھر ان اصاغر کی طرف سے خود سہولت پسندی، بلکہ کسل مندی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے، جو کہ ناانصافی ہے۔

حضراتِ اکابر ومشائخ کے صحیح ادب واحترام اور عقیدت ومحبت کا تقاضا یہ ہے کہ ان کی پیرانہ سالی، حالتِ ضُعف اور چراغِ سحر کی حالت میں ان پر غیر معمولی تحقیقات کا بوجھ ڈالنے اور ان سے خدمت لینے کے بجائے، ان کی خدمت کی جائے، اور ان کی بحالتِ شباب وصحت،

خدماتِ جلیلہ فی الدین اور محنتِ شاقہ لِلدّین کے طرزِ عمل میں ان کی اتباع و پیروی کی جائے، اور اپنے چراغِ شب کے زمانے میں، اعضاء وقویٰ کے مطابق اپنے حصہ کی ذمہ داریوں کو انجام دینے اور نباہنے کی کوشش کی جائے، اور اپنے حصہ کے کام کا بوجھ اُن اکابرو مشائخ کے سر نہ ڈالا جائے۔

اکابرو مشائخ کی شان میں خالی قصیدے پڑھ دینا تو کوئی مقصد و منصب نہیں۔

جبکہ ہمارا ایک مذہبی طبقہ تو موجودہ کرونا وائرس کے وباء ہونے کو سنجیدہ طریقہ پر تسلیم کرنے کے لئے بھی تیار نہیں، اگرچہ ہمارے حکمرانوں اور ڈاکٹروں وغیرہ کی طرف سے دنیاوی اغراض و مفادات کی خاطر بعض غیر حقیقی واقعات اور جھوٹے کیس بنانے، اور ظلم وستم کی داستانیں رقم کرنے کی بھی کمی نہیں، لیکن اس کے باوجود، اس وباء کے حقیقی وجود کی نفی کر دینا بھی درست طرزِ عمل نہیں، خواہ اس وباء کا سبب کچھ بھی ہو، احادیث میں تو طاعون کو بھی شیطان کا خفیہ چوکا قرار دیا گیا ہے، اور ساتھ ہی اس کی حفاظتی تدابیر سے بھی آگاہ کیا گیا ہے۔

موجودہ حالات سے متعلق بندہ متعدد مضامین لکھ چکا ہے، جن میں نمازِ عید سے متعلق ایک آنے والا مضمون بھی شامل ہے۔

بندہ نے بنیادی طور پر آنے والا یہ مضمون 29/رمضانُ المبارک/ 1441ھ، 23/مئی/2020ء، بروز ہفتہ، ظہر وعصر کے مابین بتعجیل قدرے اختصار کے ساتھ تحریر کیا تھا، جس میں بعض پہلوؤں کے اندر تشنگی پائی جاتی تھی، لیکن چونکہ دنیا کے مختلف ممالک میں اگلے دن عیدُ الفطر کا امکان تھا، اور عیدُ الفطر کے موقع پر مختلف ممالک میں سخت لاک ڈاؤن اور کرفیو کا سماں تھا، جہاں کسی فرد کو بھی اپنے یہاں سے نکلنے کی اجازت نہ تھی، اور وہاں کی مساجد بھی بیرونی افراد واشخاص کے لئے بند تھیں، جبکہ بہت سے لوگ یورپ وغیرہ میں ایسے مقامات پر تھے، جہاں ان کے ساتھ کوئی دوسرا مسلمان فرد، یا ایک سے زیادہ افراد موجود نہ

تھے، اور عامۃُ المسلمین کو نمازِ عید سے جو قلبی و ایمانی تعلق اور لگاؤ ہے، اس کے پیشِ نظر، ان کو نمازِ عید اداء کیے بغیر قلبی و ذہنی سکون کا حاصل ہونا مشکل تھا، جو اُن کے لئے سال بھر ذہنی تشویش میں مبتلا رہنے کا باعث بن سکتا تھا، اور اُن کی طرف سے اس سلسلہ میں پے در پے مختلف سوالات واستفسارات کیے جارہے تھے۔

ان حالات میں بندہ نے مختلف فقہائے کرام و مجتہدینِ عظام کے اقوال کی روشنی میں سرِ دَست ممکنہ حد تک توسع و گنجائش کی کوشش کی تھی، تاکہ جملہ مسلمانوں کے لیے اس ہمہ گیر واجتماعی نوعیت کی پریشانی کے وقت میں فقہائے کرام و مجتہدینِ عظام کے وسیع تر اقوال کی روشنی میں اپنی اپنی حسبِ حیثیت وحسبِ ضرورت عمل کی راہ پیدا ہو، اور فقہائے کرام و مجتہدینِ عظام کا اختلاف ''زحمت'' کے بجائے ''رحمت'' بن کر ظاہر ہو، جس کی شرعی وفقہی عبارات وتصریحات سے بھرپور تائید ہوتی ہے، اور بندہ نے اپنی بعض تالیفات ومضامین میں ان کو نقل بھی کردیا ہے، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

دوسری طرف گھروں وغیرہ میں، باجماعت اور بغیر جماعت، نمازِ عید کی ادائیگی درست ومعتبر، یا مباح وجائز ہونے میں توسع اور یُسر کا موقف، ہمارے یہاں اہلِ علم حضرات کے ایک خاص طبقہ کے لئے سخت وحشت کا باعث تھا، اور ان کی طرف سے اس سلسلہ میں عجیب وغریب انداز میں سخت شرائط پر مشتمل تحریری وزبانی آراء کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ جاری تھا، جس کو موجودہ حالات میں عملی جامہ پہنانا بھی عوام کے لئے مشکل تھا، اور یہ کوئی ہمارے یہاں کے اہلِ علم حضرات کے ایک مخصوص طبقہ کی طرف سے کوئی نئی بات نہیں، اس کا سلسلہ اور داستان، خاصی قدیم وطویل ہے، اور اس کا بندہ کے مضامین میں جابجا تذکرہ ہے۔

اس لئے ان کو آئینہ دکھانے کے لئے بندہ نے ان کے غیر معتدل طرزِ عمل کی نشاندہی بھی کی تھی، جس میں کوئی خاص بزرگ شخصیت ہدف نہیں تھی، اور اسی وقت سرِ دست اس مضمون کو ادارہ غفران کی ویب سائٹ وغیرہ کے ذریعہ سے نشر کردیا گیا تھا، تاکہ دنیا کے مختلف حصوں

میں موجود ومحصور افراد کو مختلف فقہائے کرام ومجتہدینِ عظام کے اقوال کی روشنی میں اپنے اپنے حالات کے مطابق، بروقت استفادہ کرنے میں سہولت حاصل ہو، اور متعدد اہلِ علم حضرات کی طرف سے سامنے آنے والی مختلف آراء کی حیثیت وحقیقت سے بھی ایک درجہ میں آگاہی حاصل ہوکر، عمل میں تذبذب اور کش مکش کی کیفیت کا خاتمہ ہو۔

اور خیال تھا کہ بعد میں وقت ملنے پر اس موضوع کے تشنہ طلب پہلوؤں پر کلام کرکے دوبارہ تفصیلی موقف کی اشاعت کی جائے گی، تاکہ بعض علمی وفقہی پہلو مزید منقح ہوں، اور آئندہ کے لئے ممکنہ متوقع حالات کے پیشِ نظر عیدُ الاضحیٰ، یا دوسرے کرفیو وغیرہ کے مواقع پر بھی اس مسئلہ سے عوام کو آگاہی حاصل ہو، اور ساتھ ہی علماء کو غور وفکر کرنے کا موقع بھی میسر ہو۔

پھر ابتدائی نشر واشاعت کے بعد جلد ہی معلوم ہوا کہ بعض اہلِ علم حضرات نے بندہ کے اس مضمون میں مذکور بعض الفاظ کو انتہائی غیر معیاری زبان اور اہلِ علم حضرات کی شان میں سخت تنقید پر مشتمل محسوس کیا، اور بعض نے اپنے تئیں یہ تأثر بھی حاصل کیا، اور اس کا ایک دوسرے کے ساتھ باہمی گفتگو میں اظہار بھی کیا کہ بندہ نے اس قسم کے الفاظ سے کسی خاص معروف ومقبول علمی شخصیت کو تنقیدِ ہدف بنایا ہے، اس سلسلہ میں ایک صاحبِ علم کی طرف سے بندہ کو اس قسم کے الفاظ سے بعض لوگوں کو ایہام ہونے کی وجہ سے ان میں نرمی پیدا کرنے کا خیر خواہانہ مشورہ بھی موصول ہوا، جس کو بحمد اللہ تعالیٰ بندہ نے کسی لیت ولعل اور حیل وحجت کے بغیر بطیبِ خاطر قبول ومنظور بھی کرلیا۔

اور اب نظرِ ثانی کے وقت اس قسم کے الفاظ میں نرمی ولچک پیدا کرنے اور ساتھ ہی بعض پہلوؤں کو منقح اور واضح کرنے کی ممکنہ کوشش بھی کی ہے۔

جس کے نتیجہ میں الفاظ میں نرمی کرنے کے باوجود بندہ کے بیان کردہ بنیادی اور اصل موقف اور اس کے اسباب وعوامل میں مزید قوت اور وُسعت ظاہر ہوئی۔

اور اس سے قبل جو کسی تالیف ومضمون میں بندہ نے نمازِ عید کی شرائط میں سختی کی طرف رُجحان

ظاہر کیا تھا، بندہ اس سے بھی رجوع کرتا ہے۔

بحمداللہ تعالیٰ وببرکتِ مشائخِ اعلیٰ نہ تو بندہ کو اپنے موقف کے صاف صاف کسی لاگ لپیٹ کے بغیر اظہار میں، کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف ہے، کیونکہ بحمداللہ تعالیٰ اصل مقصود رضائے خالق ہے، نہ کہ رضائے مخلوق، اور شاید یہ صاف گوئی اور عدمِ خِفاء ہی بعض لوگوں کے، بندہ سے خَفاء ہونے کا سبب بن جاتی ہے۔

اور نہ بندہ کو اپنے غیر معتدل وغیر معیاری الفاظ سے رجوع واصلاح کے اقرار میں کوئی عار ہے، کیونکہ وہ الفاظ نعوذ باللہ تعالیٰ کوئی قرآن وحدیث نہیں۔

اور نہ ہی بندہ کو اپنے کسی دینی موقف کے خطاء وتسامح پر مشتمل ہونے کا کسی بھی ذریعہ سے علم وآگاہی حاصل ہوجانے کے بعد اس کی نشرواشاعت اور اعلان واِعلام میں کوئی شرم ہے، کیونکہ یہ تو خطاء ونسیان سے مرکب، ایک انسان کی منصبی ذمہ داری اور فریضۂ الٰہی ہے۔

اور نہ ہی بندہ بالخصوص اپنے آپ کو اور بالعموم دوسرے اہلِ علم حضرات کو خطاء وتسامح سے مبرّاء سمجھتا، کیونکہ یہ پاکیزہ مقام تو انسانوں میں، انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے لیے مختص ہے۔

اور نہ ہی بندہ اپنی کسی قلبی خیانت کو اللہ جل جلالہٗ وعمَّ نوالہٗ سے مخفی رہنے کا نعوذ باللہ تعالیٰ عقیدہ رکھتا، بے شک کوئی کچھ بھی کہتا اور سمجھتا رہے، بندہ اپنی نیت وقصد اور مافی الضمیر کے متعلق اصل اور حقیقی محتسب، اللہ ربُّ العزت کی ذات کو ہی قرار دیتا ہے، اور اس راہ میں کسی دوسرے کی بے جا شرکت ومداخلت کی کوشش سے شرعاً وعقلاً متأثر نہیں ہوتا، کیونکہ ایک مؤمن وموحِّد کے ایمان وتوحید کا تقاضا یہی ہے۔

اور اس مرحلہ پر ذہن میں غیر اختیاری طور پر کسی کا بتلایا ہوا، یہ شعر بھی گردش کرنے لگا کہ:

تُندیِ بادِ مخالف سے نہ گھبرا، اے عقاب!

یہ تو چلتی ہے، تجھے اونچا اُڑانے کے لئے

لیکن یہ بات بار بار کے مشاہدہ سے معلوم ہوئی کہ ہمارے یہاں کا ایک طبقہ صرف الفاظ اور ایک دوسرے کی شان میں متصوَّر ومتخیَّل، بلکہ متوھَّم اونچ نیچ کی جنگ کو تو بہت اہمیت وشدت، بلکہ کراہت وطوالت دیتا ہے، اور اپنے زعم وگمان کے مطابق اس کو اپنی، یا اپنے مخصوص بزرگوں کی شان میں بڑی بے ادبی وگستاخی تصور کرتا ہے، اور بلا دلیل بدگمانی کا بھی ارتکاب کرتا ہے، مگر دلائلِ شرعیہ وفقہیہ کی روشنی میں علمی وفقہی تحقیق، اور اس میں اپنے اُن مشائخ واکابر کے طرزِ عمل کو نظر انداز کر دیتا ہے، جن کی نظر اس طرح کی ذاتی ونفسانی اونچ نیچ کے بجائے، شرعی وفقہی دلائل پر ہوتی ہے، اور وہ خود سے اپنے متعلقین ومعتقدین کو اپنی شان میں غلو ومبالغہ یا قصیدہ گوئی کی دعوت، بلکہ اجازت بھی نہیں دیتے۔

اگر الفاظ کی ہیر پھیر کر دینے سے ایک اہم اور ہمہ گیر شرعی ودینی مسئلہ کے حل وتحقیق میں مدد ملتی ہے، تو اس سے کون سا فرق پڑتا ہے، اور کس کی شان گھٹ جاتی ہے؟ بالخصوص مجھ جیسے بندہ کی، جس کی کوئی شان ہی نہ ہو۔

اصل بات تو کسی شرعی ودینی مسئلہ میں بنیادی موقف اور اس کے متعلق دلائلِ شرعیہ وفقہیہ کی ہے، جس کو طرزِ سلف کے مطابق ہر قسم کے تعصب وتحزُّب اور تشدُّد وجمود سے بچ کر خالص علمی وفقہی بنیادوں پر حل کرنا چاہئے، اور اس سلسلہ میں گروپ بندی اور گروہ بندی سے بچنا چاہئے، جس سے الحمدللہ تعالیٰ بندہ اپنے آپ کو نفور اور دُور پاتا ہے، اور دین کے معاملہ میں کسی خاص گروپ، یا گروہ کی بے جا حمایت کا روادار نہیں ہے، اور حق وصواب کی نعمت ودولت جہاں سے بھی دستیاب ہو، تعصب وتحزب اور تشدد وجمود سے بالاتر ہو کر، نعمتِ غیر مترقبہ اور متاعِ گم گشتہ سمجھتے ہوئے اس کو حاصل کرنے کا متمنی ومتلاشی، اور تعصب وتحزب اور تشدد وجمود کو دُور کرنے اور اعتدال کو اختیار و پیدا کرنے کے لئے ساعی وکوشاں ہے۔

مذکورہ حضرات کے اس جیسے طرزِ عمل سے اپنے الفاظ میں نرمی کرنے اور اپنے الفاظ سے رجوع کرنے کے باوجود، بندہ کو اپنی سابق شکایت وحکایت میں مزید قوت محسوس ہوئی کہ

بعض حضرات جمود وتشدُّ د اور تعصُّب وتحزُّ ب میں اس درجہ آگے بڑھ گئے ہیں کہ ان کی طرف سے کسی شرعی وفقہی مسئلہ میں دلائلِ شرعیہ وفقہیہ کے مقابلے میں ذاتی اور متوَہّم اونچ، نیچ اور الفاظ کی سختی ونرمی پر ہی سارا زور ہے، اور جمود وتشدد اور تعصب وتحزب سے متعلق جو شکایت، بلکہ حکایت ذکر ونقل کی گئی تھی، اس پر غور وفکر اور لب کشائی کے لئے آمادہ نہیں۔

اور بندہ کو اس بات، بلکہ اس حقیقت سے انکار نہیں کہ ہر شخص کو فطری طور پر اپنے مخصوص اکابر ومشائخِ عظام اور معزز اساتذۂ کرام سے جو غیر معمولی قلبی محبت وعقیدت ہوتی ہے، اور اس کے دل میں ان اشخاص وافراد کے متعلق جس قسم کے جذبات ہوتے ہیں، وہ جذبات ان اشخاص وافراد کی رائے کے مقابلے میں کسی دوسرے کی رائے سے اُنسیت وقبولیت پیدا کرنے، کی راہ میں طبعی طور پر حائل بننے میں مسابقت کرتے ہیں، لیکن اندریں حالات طبعی جذبات وکیفیات کے مقابلہ میں، عقل ونقل اور شرعی وفقہی دلائل کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اس قسم کے جذبات وکیفیات کی قدر کرتے ہوئے، ان کو اپنی جگہ برقرار رکھتے ہوئے، بلکہ ان کے ذریعہ حدودِ شریعت میں رہ کر اپنے اکابر ومشائخ سے جائز طریقہ پر استفادہ کرتے ہوئے، کسی شرعی وفقہی اور اجتہادی واختلافی رائے کے رَد وقبول اور صواب وخطاء اور راجح ومرجوح وغیرہ ہونے میں، ان جذبات وکیفیات کو حائل نہ ہونے دیا جائے، اور کسی شرعی وفقہی رائے میں مذکورہ اُمور کا مدار، محض اپنے طبعی جذبات وکیفیات کی کسوٹی پر نہ رکھا جائے۔

جس کے متعلق قرآن وسنت میں متعدد نصوص وارد ہیں، جن پر عمل درآمد کرنا، بلکہ ان کا اپنے آپ کو مصداق سمجھنا بھی آج تعصُّب وتحزُّ ب، تشدُّ د وجمود اور قحطُ الرجال کے دور میں ایک مشکل مرحلہ بن گیا ہے۔

سورہ نسآء میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوْا قَوَّامِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰى أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِيْنَ إِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ أَوْلٰى

بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰى أَنْ تَعْدِلُوْا وَإِنْ تَلْوُوْا أَوْ تُعْرِضُوْا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (سورة النساء، رقم الآية ١٣٥)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہوجاؤ تم قائم کرنے والے انصاف کو، گواہ بنو اللہ کے لئے، اگرچہ تمہارے خلاف ہو، یا والدین کے، اور اقرباء کے، اگر ہے، وہ غنی یا فقیر، تو اللہ ان دونوں کے مقابلہ میں اولیٰ (ومقدم) ہے، پس خواہش کی اتباع نہ کرو تم، عدل وانصاف کرنے میں، اور اگر تم زبان لپیٹو گے (یعنی غلط بیانی کرکے ناانصافی کرو گے) یا (عدل وانصاف سے) اعراض کرو گے، تو اللہ تمہارے اعمال سے خوب خبردار ہے (جس کا تم کو حساب دینا پڑے گا) (سورہ نساء)

اور سورہ مائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا كُوْنُوا قَوَّامِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلٰى أَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ٨)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہوجاؤ تم قائم کرنے والے اللہ کے لئے انصاف کے ساتھ گواہی کو، اور ہرگز آمادہ نہ کرے تم کو کسی قوم کی عداوت اس پر کہ تم عدل نہ کرو، تم عدل کرو، یہی زیادہ قریب ہے تقویٰ کے، اور ڈرو اللہ سے، بے شک اللہ خوب خبردار ہے، تمہارے اعمال سے (سورہ مائدہ)

اور سورہ مائدہ میں ہی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ (سورة المائدة، رقم الآية ٤٢)

ترجمہ: اور اگر فیصلہ کریں آپ، تو فیصلہ کریں، ان کے درمیان عدل (وانصاف) کے ساتھ، بے شک اللہ محبت رکھتا ہے، عدل (وانصاف) کرنے والوں سے

(سورہ مائدہ)

سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى (سورة الانعام، رقم الآية ١٥٢)

ترجمہ: اور جب کہو تم، تو انصاف کرو، اگرچہ ہو وہ رشتہ دار (سورہ انعام)

مفسرینِ عظام نے ''بالقسط'' کی تفسیر ''بالعدل'' کے ساتھ کی ہے۔ [1]

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَأَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقُلْتُ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ أَنْ يُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهُ؟ قَالَ: لَا، وَلٰكِنْ مِنَ الْعَصَبِيَّةِ أَنْ يَنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلْمِ (مسند أحمد، رقم الحديث ١٦٩٨٩) [2]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیا آدمی کا اپنی قوم (یعنی اپنی برادری یا خاندان وقبیلہ اور اکابر ومشائخ وغیرہ) سے محبت رکھنا بھی تعصّب میں داخل ہے؟

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں! بلکہ تعصب تو یہ ہے کہ آدمی اپنی قوم کی ظلم (یعنی ناحق چیز) پر مدد واعانت کرے (مسند احمد)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ان کا یہ ارشاد مروی ہے کہ:

قَالَ: مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ، فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِيْ رُدِّىَ، فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنَبِهِ (سنن أبى داود، رقم الحديث ٥١١٧، كتاب الادب،

---

[1] (يأيها الذين آمنوا كونوا قوامين) قائمين (بالقسط) بالعدل (شهداء) بالحق (تفسير الجلالين، سورة النساء، تحت رقم الآية ١٣٥)

يأمر تعالى عباده المؤمنين أن يكونوا قوامين بالقسط أى بالعدل، فلا يعدلوا عنه يمينا ولا شمالا، ولا تأخذهم فى الله لومة لائم ولا يصرفهم عنه صارف (تفسير ابنِ كثير، ج٢ ص٣٨٣، سورة النسآء)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن (حاشية مسند احمد)

باب فی العصبیه) [1]

ترجمہ: جس شخص نے اپنی قوم کی ناحق مدد کی تو وہ اس اونٹ کی طرح ہے، جو کنویں میں گر پڑا، اب وہ اپنی دم سے کھینچ کر نکالا جائے گا (ابوداؤد)

اس سے معلوم ہوا کہ اپنی قوم و جماعت یا مخصوص گروپ کی ناحق مدد و بے جا طرف داری، انسان کو دنیا و آخرت کے اندر مشکل میں پھنسانے کا سبب ہے، اور اس کا رات دن اپنی آنکھوں سے مشاہدہ ہوتا ہے، اور اس کے نقصانات کا رات دن مسلمان سامنا کرتے ہیں۔

علمی و فقہی دنیا میں بھی ایک دوسرے سے تعصب و تشدد کرنے والے حضرات مختلف قسم کی مشکلات میں پھنستے ہیں، اور آخرت کی مشکلات کا وبال الگ ہے، اللہ ربُّ العزت حفاظت فرمائے۔ آمین۔ [2]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: حُبُّكَ الشَّيْءَ يُعْمِي وَيُصِمُّ

(سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۵۱۳۰، کتاب الادب، ابواب النوم، باب فی الھوی)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیرا کسی چیز سے محبت کرنا اندھا اور بہرا بنا دیتا ہے (ابوداؤد)

اس حدیث کی سند کو بعض حضرات نے ضعیف قرار دیا ہے، البتہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ پر اس روایت کے موقوف ہونے کو صحیح قرار دیا ہے۔ [3]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: حدیث حسن (حاشية سنن ابی داؤد)

[2] (مثل الذی یعین قومه علی غیر الحق مثل بعیر تردی وهو یجر بذنبه) لفظ روایة أبی داود کمثل بعیر تردی فی بئر فهو ینزع منها بذنبه اه قال بعضهم :معنی الحدیث أنه قد وقع فی الإثم وهلک کالبعیر إذا تردی فی بئر فصار ینزع بذنبه ولا یقدر علی الخلاص (فیض القدیر للمناوی، تحت رقم الحدیث ۸۱۴۲)

[3] قال شعیب الارنؤوط:
صحیح موقوفاً، وهذا إسناد ضعیف لضعف أبی بکر بن عبد الله بن أبی مریم، وبقیة –وهو ابن الولید– وإن کان ضعیفاً قد توبع (حاشية سنن ابی داؤد، تحت رقم الحدیث ۵۱۳۰)

مطلب یہ ہے کہ جب انسان کو کسی سے محبت ہو جاتی ہے، تو عادتاً وہ اس کے تسامحات ومرجوحات اور لغزشوں وخطاؤں سے اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے، اور صواب وخطاء اور راجح ومرجوح وغیرہ کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔

تعصب میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ [1]

بہرحال بندہ اپنے سابق مضمون میں اس قسم کے تیز تنقیدی الفاظ سے رجوع کرتا ہے، جو کسی بزرگ کی شان میں بے ادبی پر مشتمل ہوں، اور اس قسم کے الفاظ سے جس کسی کو دل شکنی ودل آزاری محسوس ہوئی ہے، بندہ اس سے بطیبِ خاطر غیر مشروط معذرت بھی پیش کرتا ہے۔

لیکن ساتھ ہی یہ گزارش بھی کرتا ہے کہ اہلِ علم حضرات کے لئے متوَهَّم تخیلات اور الفاظ کی سختی ونرمی سے زیادہ، عبارت کے مقصود ومفہوم اور شرعی وفقہی دلائل پر نظر کا ہونا، زیادہ اہمیت کا حامل اور ان کی شانِ عالی ومنصبِ ذمہ داری کا تقاضا ہے۔

تاہم جن حضرات نے ایک پیاسے بندہ کو اس پُرفتن اور قحطُ الرجال کے دور میں ''الدین النصیحة'' اور ''المؤمن مرآة المؤمن'' کا مصداق بن کر براہِ راست خیر خواہانہ مشورہ سے سیراب کیا، اور ان کے مشورے سے مزید اُمور منقح ہوئے، ان کا بندہ نہایت ممنون

---

[1] "حبک الشیء یعمی ویصم."(حم تخ د) عن أبی الدرداء، والخرائطی فی اعتلال القلوب عن أبی برزة، وابن عساکر عن عبد الله بن أنیس.

(حبک الشیء) عام فی کل حیوان وجماد وعرض وجوهر .(یعمی) أی عن معائب ما یحبه أو عن کل شیء سواه إذا تمکن فی القلب(ویصم) عن سماع کل ما لیس فی معناه أی یصیره کالأعمی والأصم لا ینتفع بحاسته والحدیث تحذیر عن الإیغال فی المحبة لأی محبوب سوی ما یحبه الله ورسوله فإن تخصیصه معلوم من قاعدة الشرع .(حم تخ د) عن أبی الدرداء) قال الحافظ العراقی: إسناده ضعیف وقال الزرکشی: روی من طرق فی کل منها مقال وقال المصنف فی الدرر: الوقف به أشبه، (والخرائطی فی اعتلال القلوب عن أبی برزة)، (وابن عساکر عن عبد الله بن أنیس) قد أشار المصنف بتعدد طرقه ومخرجیه إلی دفع زعم الصغانی وضعه وقوله فیه ابن أبی مریم کذوب أبطله الحافظ العراقی بأنه لم یتهمه أحد بکذب(التنویر شرح الجامع الصغیر، ج۵ص ۳۲۴، ۳۲۵، تحت رقم الحدیث ۳۶۵۸،باب الحاء الموحدة)

ومشکور، بلکہ اُن سے مسرور ہے۔

فجزاهم اللّٰه تعالىٰ خير الجزاء، ووفقهم اللّٰه تعالىٰ لما يحب ويرضىٰ.

اور آئندہ کے لئے بھی لِلّٰہ فی اللّٰہ بندہ ہر قسم کے خیر خواہانہ مشوروں کو کھلے دل کے ساتھ سُننے اوران پر غور وفکر کرنے کے لئے آمادہ اور ایسے احباب کا جو یِندہ ہے، جس کے لئے بندہ کی طرف سے دعوتِ شیراز کا اِذنِ عام ہے۔

لیکن ساتھ ہی یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنا بھی ضروری ہے کہ ''مُشیر'' کی حیثیت ''فیصل وحَکَم'' کی نہیں ہوتی، البتہ ''مشیر'' کے مشورہ پر اخلاص ونیک نیتی کے ساتھ غور وفکر اور تدبّر وتشکر کرنا، صاحبِ معاملہ کی دیانتاً اور فیما بینهٗ وبين اللّٰه ذمہ داری ہوتی ہے، جس پر وہ عنداللہ جواب دہ ہے۔

اسی کے ساتھ جن حضراتِ گرامی اور کرم فرماؤں نے خیر خواہانہ مشورہ دینے کے بجائے، پیٹھ پیچھے مختلف قسم کی باتیں کیں، ان کی خدمت میں فی الحال بندہ قرآنی الفاظ کی حکایت میں یہ گزارش پیش کرتا ہے کہ:

فَسَتَذْكُرُوْنَ مَا أَقُوْلُ لَكُمْ وَأُفَوِّضُ أَمْرِیْ إِلَى اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ بَصِيْرٌ بِالْعِبَادِ (سورة الغافر، رقم الآية ۴۴)

اور آخرت کے اعتبار سے بندہ اُن کرم فرماؤں کو بھی ایک طرح سے اپنا خیر خواہ ہی شمار کرتا ہے، ممکن ہے کہ مجھ جیسے کمزور انسان کو ان کی اخلاص وتقوے پر مشتمل کچھ نیکیاں آخرت میں کام آجائیں، یا مذکورہ حضراتِ گرامی، اور کرم فرما حضرات، گناہ گار وخطاوار بندہ کے گناہوں اور خطاؤں کا بوجھ ہلکا کرنے میں، کسی طرح سے معاون بن جائیں۔

واللّٰه المستعان، وعليه التكلان.

مذکورہ نکات کو ذہن میں رکھ کر آنے والے مضمون کو ملاحظہ کرنا چاہئے۔

اور اُمتِ مسلمہ کو پیش آمدہ مسائل میں وسیع تر فقہائے کرام ومجتہدینِ عظام کے اقوال کی روشنی میں رہنمائی فراہم کرنی چاہیے۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کی تعصب وتحزب اور تشدد وجمود سے حفاظت فرمائے، اور اعتدال ومیانہ روی کو اختیار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ .

محمد رضوان خان

5 / شوال المکرّم / 1441ھ 28 / مئی / 2020 بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نمازِ عید، باجماعت اور تنہاء پڑھنے کا حکم

سوال

جناب مفتی صاحب!

آج کل ''کروناوائرس'' کی وجہ سے دنیا کے بیشتر ملکوں میں عید کے موقع پر''لاک ڈاؤن'' اور ''کرفیو'' کی فضاء موجود ہے، ایسی صورت میں جن لوگوں کو بڑے مجامع اور مساجد میں جانا مشکل ہو، ان کے لیے اپنے مقام پر رہتے ہوئے نمازِ عید کو، باجماعت یا بغیر جماعت کے پڑھنے کی مختلف ممالک اور مسالک کے، کئی اہلِ علم اور مفتیانِ کرام نے اجازت دی ہے، جن کی اخبارات اور ذرائع ابلاغ میں بھی اشاعت ہوئی۔

سعودی عرب کے مفتی اعظم عبدالعزیز آل الشیخ نے بھی اس بارے میں فتویٰ جاری کیا ہے۔

اور سعودی عرب کی فقہ کونسل کے فیصلے کے متعلق بھی 17 مئی 2020ھ کو یہ خبر منظرِ عام پر آئی کہ:

''کرونا وائرس کے بعد پیدا ہونے والے موجودہ حالات میں گھروں میں عید کی نماز ادا کرنا جائز ہے،اس بات کی روایت حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے نقل کی گئی ہے''۔

(https://urdu.alarabiya.net/ur/editor-selection/2020/05/17/)

اور ترکی وغیرہ ممالک کے حکمرانوں اور علمائے کرام نے بھی اس طرح کی آراء دی ہیں۔

لیکن ہمارے ملکِ پاکستان کے ایک مفتی صاحب نے فرمایا کہ:

''فقہ حنفی کے مطابق نمازِ عید کا بڑے مجامع کے علاوہ، گھروں وغیرہ میں پڑھنا درست نہیں، ہاں دوسرے فقہ کے مطابق درست ہے''۔

جبکہ اس قسم کے بیانات کی وجہ سے دنیا بھر کے بہت سے مسلمان، نمازِ عید کی برکتوں اور رحمتوں سے محروم ہوجائیں گے۔

اگر فقہ حنفی کے مطابق گھروں میں عید کی نماز درست نہ ہو، تو کیا موجودہ حالات میں لوگوں کو دوسرے فقہاء کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش نہیں ہوگی؟

آپ سے اس مسئلے کے بارے میں رہنمائی درکار ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب

شریعتِ مطہرہ کی تعلیمات دنیا کے سب علاقوں اور زمانوں کے لیے قابلِ عمل ہیں، جس سے کوئی علاقہ اور زمانہ خارج نہیں، البتہ شریعتِ مطہرہ کی طرف سے، تمام حالات میں یکساں طریقہ اور مخصوص شکل کو متعین نہیں کیا گیا، اور مجبوری ومعذوری والے حالات میں، شریعت کے اعمال واحکام کو انجام دینے کے طریقے مختلف ہیں، اور مجبوری کی صورت میں سنن ومستحبات کی خلاف ورزی میں کراہت وغیرہ بھی مرتفع ہوجایا کرتی ہے۔

اب ظاہر ہے کہ موجودہ ''لاک ڈاؤن'' اور ''کرفیو'' کے حالات میں ہی، سوال میں مذکور، اس طرح کے سوالات ابھر کر سامنے آ رہے ہیں، عام اور کھلے دنوں میں اس طرح کے مسائل پیش نہیں آتے، جس کی وجہ سے دوسرے عام دنوں میں نہ تو عوام کی طرف سے اس طرح کے سوالات کرنے کی ضرورت محسوس کی جاتی، اور نہ ہی اہلِ علم حضرات، عام حالات میں، اس طرح کے مسائل پر کلام وتحقیق اور بحث وتمحیص کی خاطر خواہ ضرورت سمجھتے۔

لہٰذا مخصوص اور عارضی حالات کے احکام بھی عارضی اور مخصوص ہی ہوں گے، اور ایسی صورت میں عام حالات والے احکام ومسائل کے انطباق کی کوشش، اور جستجو کرنا بھی مناسب نہ ہوگا۔

آج کل بعض اہلِ علم حضرات کا مزاج یہ بن گیا ہے کہ وہ مخصوص حالات میں بھی عام حالات سے متعلق بیان کردہ مسائل سے عدول کرنے اور ان میں گنجائش پر آمادہ نظر نہیں آتے، اور

پھر مخصوص حالات میں اس کے مطابق عملی شکل موجود نہ ہونے کی صورت میں طرح طرح کی مشکلات سے خود بھی دوچار ہوتے ہیں، اور اس کے نتیجے میں عوام بھی مشکلات، اور تذبذبات کا شکار ہوتے ہیں۔

ان حضرات سے ہماری گزارش ہے کہ اس قسم کے اجتماعی اور اہم مسائل پر تحقیق کے بغیر کوئی حکم صادر کر دینا، مناسب طریقہ نہیں، بلکہ ایسی صورت میں تو ہمارے نزدیک اگر کسی ایک مخصوص فقہ کے بجائے، اہل السنۃ والجماعۃ کے کسی دوسرے فقہی سلسلے سے متبادل صورت دستیاب ہو، اس کی طرف بھی عامۃ المسلمین کو رہنمائی کرنی چاہیے۔

ہمارے نزدیک موجودہ ''لاک ڈاؤن'' اور ''کرفیو'' کے حالات میں بھی، جس کو جس طرح سے بن پڑے، عیدین کی نماز کی متبادل صورتوں پر عمل کرنا چاہیے، جس کے متعلق ہماری طرف سے ''عید کے اہم مسائل'' کے عنوان سے تحریر کردہ مضمون میں روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

اور اب آپ کے مستقل سوال کرنے پر اس کی کچھ مزید تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

پہلے تو یہ ملحوظ رکھنا ضروری ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نمازِ عید کے واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہے، حنفیہ کا ایک قول نمازِ عید کے سنت ہونے کا ہے۔ [1]

لیکن بہت سے مشائخِ حنفیہ نے نمازِ عید کے واجب ہونے کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور عام کتبِ حنفیہ میں، اسی کے مطابق حکم مذکور ہے۔ [2]

---

[1] محمد عن یعقوب عن أبی حنیفة عیدان اجتمعا فی یوم واحد فالأول سنة والآخر فریضة ولا یترک واحد منهما (الجامع الصغیر، ۱۱۳، باب فی العیدین والصلاة بعرفات والتکبیر فی أیام التشریق)

[2] واشتبه المذهب فی صلاة العید أنها واجبة أم سنة فالمذکور فی الجامع الصغیر إنها سنة لأنه قال فی العیدین :یجتمعان فی یوم واحد فالأولی منهما سنة وروی الحسن عن أبی حنیفة رحمهما الله تعالی أنه تجب صلاة العید علی من تجب علیه صلاة الجمعة وقال فی الأصل :لا یصلی التطوع فی الجماعة ما خلا قیام رمضان وکسوف الشمس فهو دلیل علی أن صلاة العید واجبة.

والأظهر أنها سنة ولکنها من معالم الدین أخذها هدی وترکها ضلالة وإنما یکون الخروج فی العیدین علی أهل الأمصار دون أهل القری والسواد لما روینا لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع والمراد بالتشریق صلاة العید علی ما جاء فی الحدیث لا ذبح إلا بعد التشریق (المبسوط، لشمس الأئمة السرخسی، ج۲، ص۳۷، باب صلاة العیدین)

نیز متعدد مشائخِ حنفیہ نے عید کی نماز واجب ہونے کی شرائط کو، جمعہ کی نماز واجب ہونے کی شرائط کی طرح ہونے کی تصریح کی ہے۔

اور عید کی نماز صحیح ہونے کی شرائط کے بارے میں حنفیہ کے مابین تھوڑا بہت اختلاف ہے، لیکن مشائخِ حنفیہ نے اس میں بھی راجح اسی کو قرار دیا ہے کہ نمازِ عید کے صحیح ہونے کی شرائط بھی نمازِ جمعہ کی طرح ہیں، سوائے خطبہ کے۔

جبکہ بعض حضرات نے کچھ دیگر شرائط میں اختلاف بھی کیا ہے۔ [1]

---

[1] باب صلاة العيدين

الكلام فى صلاة العيدين فى مواضع وفى بيان أنها واجبة أم سنة وفى شرائط وجوبها وفى وقت أدائها وفى كيفية أدائها وفى بيان ما يستحب ويسن فى يوم عيد الأضحى والفطر

أما الأول وهو بيان أنها واجبة أم سنة فنقول اختلفت الروايات عن أصحابنا فى ظاهر الرواية دليل على أنها واجبة فإنه قال ولا يصلى نافلة فى جماعة إلا قيام رمضان وصلاة الكسوف فهذا دليل على أن صلاة العيد واجبة فإنها تقام بجماعة

وروى الحسن عن أبى حنيفة أنه قال وتجب صلاة العيد على أهل الأمصار كما تجب الجمعة

وذكر أبو الحسن الكرخى ههنا وقال وتجب صلاة العيد على من يجب عليه الجمعة

وذكر فى الجامع الصغير أنه سنة فإنه قال إذا اجتمع العيدان فى يوم واحد فالأول سنة

وذكر أبو موسى الضرير فى مختصره أنها فرض كفاية والأصح أنها واجبة

أما بيان شرائط وجوبها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة فهو شرط وجوب صلاة العيدين من الإمام والمصر والجماعة إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة(تحفة الفقهاء، ج ١، ص ١٦٦، باب صلاة العيدين)

(باب العيدين)

أى صلاة العيدين، ولا خفاء فى وجه المناسبة وسمى به لما أن لله -سبحانه وتعالى -فيه عوائد الإحسان إلى عباده أو؛ لأنه يعود ويتكرر أو؛ لأنه يعود بالفرح والسرور أو تفاؤلا بعوده على من أدركه كما سميت القافلة قافلة تفاؤلا بقفولها أى برجوعها وجمعه أعياد وكان حقه أعواد؛ لأنه من العود ولكن جمع بالياء للزومها فى الواحد أو للفرق بينه وبين عود الخشب فإنه يجمع على عيدان وعود اللهو فإنه يجمع على أعواد كما فى العينى، وكانت صلاة عيد الفطر فى السنة الأولى من الهجرة كما رواه أبو داود مسندا إلى أنس -رضى الله عنه -قال قدم رسول الله -صلى الله عليه وسلم -المدينة، ولهم يومان يلعبون فيهما فقال ما هذان اليومان؟ قالوا : كنا نلعب فيهما فى الجاهلية فقال رسول الله -صلى الله عليه وسلم :-إن الله قد أبدلكم بهما خيرا منهما يوم الأضحى ويوم الفطر (قوله تجب صلاة العيد على من تجب عليه الجمعة بشرائطها سوى الخطبة) تصريح

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عید کی نماز سنت ہونے کے قول کی بناء پر، عید کی نماز باجماعت کے سنت ہونے کا قول بھی مروی ہے، جس کی رو سے عید کی نماز کا جماعت کے ساتھ ہونا شرط نہیں ہے، البتہ اس کو سنت کی ادائیگی پر اداء کرنے کی شرط ہے۔

لیکن بایں ہمہ حنفیہ کے نزدیک بغیر جماعت کے نمازِ عید کا پڑھنا گناہ نہیں، وہ الگ بات ہے کہ یہ نمازِ عید کے حکم میں محسوب ہوگی، یا نہیں؟ جس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بوجوبها، وهو إحدى الروايتين عن أبى حنيفة، وهو الأصح كما فى الهداية والمختار كما فى الخلاصة، وهو قول الأكثرين كما فى المجتبى ويدل عليه من جهة الرواية قول محمد فى الأصل، ولا يصلى نافلة فى جماعة إلا قيام رمضان وصلاة الكسوف فإنه لم يستثن العيد فعلم أنه ليس من النوافل ومن جهة الدليل مواظبته -صلى الله عليه وسلم -عليها من غير ترک،

وفى رواية أخرى أنها سنة لقول محمد فى الجامع الصغير فى العيدين يجتمعان فى يوم واحد قال يشهدهما جميعا ولا يترک واحدا منهما والأولى منهما سنة والأخرى فريضة قال فى غاية البيان وهذا أظهر، ولم يعلله، وهو كذلک لوجهين أحدهما أن الجامع الصغير صنفه بعد الأصل فما فيه هو المعول عليه وثانيهما أنه صرح بالسنة بخلاف ما فى الأصل والظاهر أنه لا خلاف فى الحقيقة؛ لأن المراد من السنة السنة المؤكدة بدليل قوله، ولا يترک واحدا منهما وكما صرح به فى المبسوط، وقد ذكرنا مرارا أنها بمنزلة الواجب عندنا؛ ولهذا كان الأصح أنه يأثم بترک المؤكدة كالواجب، وفى المجتبى الأصح أنها سنة مؤكدة.

وأفاد أن جميع شرائط الجمعة وجوبا وصحة شرائط للعيد إلا الخطبة فإنها ليست بشرط حتى لو لم يخطب أصلا صح وأساء لترک السنة، ولو قدمها على الصلاة صحت وأساء ، ولا تعاد الصلاة.وبه اندفع ما فى السراج الوهاج من أن المملوک تجب عليه العيد إذا أذن له مولاه، ولا تجب عليه الجمعة؛ لأن الجمعة لها بدل، وهو الظهر، وليس كذلک العيد فإنه لا بدل له؛ لأن منافعه لا تصير مملوكة له بالإذن فحاله بعد الإذن كحاله قبله، وفى القنية صلاة العيد فى الرساتيق تكره كراهة تحريم اهـ؛ لأنه اشتغال بما لا يصح؛ لأن المصر شرط الصحة(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٢،ص ١٧٠،باب العيدين)

(قوله وبه اندفع ما فى السراج) أى بما أفاده المصنف أن جميع شرائط الجمعة وجوبا وصحة شرائط للعيد ومن جملتها الحرية فلا تجب العيد أيضا، وإن أذن له كالجمعة لكن قد نقل فى الجمعة عن السراج أن الجمعة تجب عليه وقال بعضهم يتخير(منحة الخالق،على البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٢،ص ١٧٠،باب العيدين)

[1] (قوله :بشرائطها) متعلق ب تجب الأول، والضمير للجمعة وشمل شرائط الوجوب وشرائط الصحة لكن شرائط الوجوب علمت من قوله على من تجب عليه الجمعة، فبقى المراد من قوله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور نمازِ عید کے درجہ وحکم کی تعیین میں اسی اختلاف کی وجہ سے مشائخِ حنفیہ نے نمازِ وتر کی طرح نمازِ عیدین میں بھی واجب وغیرہ کی تعیین کے بغیر ''مطلق عید کی نماز'' کی نیت کرنے کا حکم فرمایا ہے۔ [1]

جبکہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک عید کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے۔

اور حنابلہ کے نزدیک فرض علی الکفایہ ہے۔

لیکن جمہور فقہائے کرام کے نزدیک نمازِ عیدین کا تنہاء بغیر جماعت کے پڑھنا بھی فی الجملہ

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

بشرائطها القسم الثانى فقط، واستثنى من الثانى الخطبة، واستثنى فى الجوهرة من الأول المملوك إذا أذن لـه مولاه فإنه تلزمه العيد بخلاف الجمعة لأن لها بدلا وهو الظهر، وقال :وينبغى أن لا تجب عليه العيد أيضا لأن منافعه لا تصير مملوكة له بالأذان .اهـ .وجزم به فى البحر.

قلت :وفى إمامة البحر أن الجماعة فى العيد تسن على القول بسنيتها، وتجب على القول بوجوبها . اهـ .وظاهره أنها غير شرط على القول بالسنية لكن صرح بعده بأنها شرط لصحتها على كل من القولين أى فتكون شرطا لصحة الإتيان بها على وجه السنة وإلا كانت نفلا مطلقا تأمل لكن اعترض ط ما ذكره المصنف بأن الجمعة من شرائطها الجماعة التى هى جمع والواحد هنا مع الإمام كما فى النهر(رد المحتار على الدر المختار، ج٢،ص ١٦٦ ،باب العيدين)

[1] وأراد المصنف بالفرض الفرض العملى فيشمل الواجب فيدخل فيه قضاء ما شرع فيه من النفل، ثم أفسده والنذر والوتر وصلاة العيدين وركعتا الطواف فلا بد من التعيين لإسقاط الواجب عنه وقالوا :إنه لا ينوى فيه أنه واجب للاختلاف فيه وفى القنية من سجود التلاوة لا تجب نية التعيين فى السجدات .اهـ(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ١ ،ص٢٩٧ ،باب شروط الصلاة)

(قوله :وقالوا :إنه لا ينوى إلخ) أى لا يلزمه تعيين الوجوب لا أن المراد منعه من أن ينوى وجوبه؛ لأنه إن كان حنفيا ينبغى أن ينويه ليطابق اعتقاده وإن كان غيره لا تضره تلك النية، كذا ذكر المؤلف فى باب الوتر (منحة الخالق،على البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ١ ،ص٢٩٧ ،باب شروط الصلاة)

وكذا ينبغى أن ينوى صلاة الجمعة، وصلاة العيدين، وصلاة الجنازة، وصلاة الوتر؛ لأن التعيين يحصل بهذا وإن كان إماما فكذلك الجواب؛ لأنه منفرد فينوى ما ينوى المنفرد(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ١ ،ص ١٢٨ ،كتاب الصلاة،فصل شرائط أركان الصلاة)

وفى صلاة الجنازة ينوى الصلاة لله تعالى والدعاء للميت وفى العيدين ينوى صلاة العيد وفى الوتر ينوى صلاة الوتر .كذا فى الزاهدى وفى الغاية أنه لا ينوى فيه أنه واجب للاختلاف فيه .كذا فى التبيين(الفتاوى الهندية، ج ١ ،ص٦٦ ،الباب الثالث فى شروط الصلاة،الفصل الرابع فى النية)

جائز، بلکہ بعض کے نزدیک، سنت یا مستحب ہے، ناجائز وممنوع نہیں۔ [1]

اس تجزیہ سے اتنی بات ضرور معلوم ہوگئی کہ جملہ فقہائے کرام کے نزدیک نمازِ عید کا درجہ نمازِ جمعہ سے کمزور ہے۔

اور فقہائے کرام کی عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ وعیدین کی نمازوں میں مندرجہ ذیل چیزوں کے اعتبار سے فرق ہے۔

---

[1] فی حکم صلاة العیدین ووقتهما تفصیل فی المذاهب، فانظره تحت الخط .
الشافعیة قالوا :هی سنة عین مؤکدة لکل من یؤمر بالصلاة، وتسن جماعة لغیر الحاج، أما الحجاج فتسن لهم فرادی.
المالکیة قالوا :هی سنة عین مؤکدة تلی الوتر فی التأکد، یخاطب بها کل من تلزمه الجمعة بشرط وقوعها جماعة مع الإمام، وتندب لمن فاتته معه، وحینئذ یقرأ فیها سراً، کما تندب لمن لم تلزمه، کالعبید والصبیان؛ ویستثنی من ذلک الحاج، فلا یخاطب بها لقیام وقوفه بالمشعر الحرام مقامها، نعم تندب لأهل "منی "غیر الحجاج وحداناً لا جماعة، لئلا یؤدی ذلک إلی صلاة الحجاج معهم.
الحنفیة قالوا :صلاة العیدین واجبة فی الأصح علی من تجب علیه الجمع بشرائطها، سواء کانت شرائط وجوب أو شرائط صحة، إلا أنه یستثنی من شرائط الصحة الخطبة، فإنها تکون قبل الصلاة فی الجمعة وبعدها فی العید، ویستثنی أیضاً عدد الجماعة، فإن الجماعة فی صلاة العید تتحقق بواحد مع إمام، بخلاف الجمعة، وکذا الجماعة فإنها واجبة فی العید یأثم بترکها، وإن صحت الصلاة بخلافها فی الجمعة، فإنها لا تصح إلا بالجماعة، وقد ذکرنا معنی الواجب عند الحنفیة فی "واجبات الصلاة "وغیرها، فارجع إلیه.
الحنابلة قالوا :صلاة العید فرض کفایة علی کل من تلزمه صلاة الجمعة، فلا تقام إلا حیث تقام الجمعة ما عدا الخطبة، فإنها سنة فی العید، بخلافها فی الجمعة، فإنها شرط، وقد تکون صلاة العید سنة، وذلک فیمن فاتته الصلاة مع الإمام، فإنه یسن له أن یصلیها فی أی وقت شاء بالصفة الآتیة(الفقه علی المذاهب الأربعة،للجزیری، ج ۱، ص ۳۱۳،مباحث صلاة العیدین،حکم صلاة العیدین، ووقتهما)
الحنابلة قالوا :الجماعة شرط لصحتها کالجمعة، إلا أنه یسن لمن فاتته مع الإمام أن یقضیها فی أی وقت شاء علی صفتها المتقدمة.
الشافعیة قالوا :الجماعة فیها سنة لغیر الحاج، ویسن لمن فاتته مع الإمام أن یصلیها علی صفتها فی أی وقت شاء ، فإن کان فعله لها بعد الزوال فقضاء ، وإن کان قبله فأداء .
المالکیة قالوا :الجماعة شرط لکونها سنة، فلا تکون صلاة العیدین سنة إلا لمن أراد إیقاعها فی الجماعة، ومن فاتته مع ندب الإمام له فعلها إلی الزوال، ولا تقضی بعد الزوال(الفقه علی المذاهب الأربعة، للجزیری، ج ۱، ص ۳۱۶ و ۳۱۷، مباحث صلاة العیدین،حکم الجماعة وقضائها إذا فات وقتها)

(1)......نمازِ جمعہ اپنی متعلقہ شرائط کے ساتھ بالاتفاق فرض ہے، اور اس کی فرضیت قرآن وسنت اور اجماعِ امت سے ثابت ہے۔

برخلاف نمازِ عید کے، کہ اس کے فرض علی الکفایۃ، واجب اور سنت ہونے کے مابین بھی فقہائے کرام ومجتہدینِ عظام کا اختلاف ہے، حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز کا واجب ہونا، اگرچہ راجح ہے، لیکن ایک قول سنت ہونے کا بھی ہے۔

(2)......نمازِ جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے بالاجماع جماعت، شرط ہے۔

برخلاف نمازِ عید کے، کہ اس کی صحت کے لئے نماز باجماعت ہونا متفق علیہ نہیں، اور جماعت کے لئے افراد کی مخصوص تعداد میں بھی فقہائے کرام کے مابین اختلاف ہے۔

(3)......نمازِ جمعہ کے لئے اذان واقامت مشروع ومسنون ہے۔

برخلاف نمازِ عید کے، کہ اس کے لئے نہ اذان مشروع ہے، اور نہ اقامت مسنون ہے۔

(4)......نمازِ جمعہ کے لئے خطبہ ضروری ہے، اور نماز سے مقدم ہے، جس کے بغیر نمازِ جمعہ کی ادائیگی وصحت درست ومعتبر قرار نہیں پاتی۔

برخلاف نمازِ عید کے، کہ اس میں خطبہ سنت ہے، اور عندالجمھور نمازِ عید سے مؤخر ہے، اور اس کے بغیر نمازِ عید کی ادائیگی وصحت درست ومعتبر قرار پاجاتی ہے، بلکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک مخصوص صورتوں میں خطبہ کی ضرورت وسنت بھی برقرار نہیں رہتی۔

(5)......نمازِ جمعہ کی شرائطِ صحت وشرائطِ وجوب عندالحنفیہ علی التعیین منصوص ہیں، جبکہ نمازِ عید، بلکہ تکبیرِ تشریق کی اکثر شرائط کو جمعہ پر قیاس کیا گیا ہے، اور بعض شرائط میں کسی قدر اختلاف بھی رونما ہوا ہے۔

نیز جمعہ اور اُس کے بعد نمازِ عید کے لئے اِذنِ سلطان و اِذنِ عام اور مصر وغیرہ کی شرائط صرف عندالحنفیۃ معتبر ہیں۔

غیر حنفیہ ان میں سے کسی کو نہ جمعہ کے لئے شرط قرار دیتے، اور نہ عید کے لئے۔

(6)...... وقت گزرنے کے بعد جمعہ کی بالاتفاق قضاء نہیں، اور اس کے بجائے نمازِ ظہر کا حکم ہے۔

برخلاف نمازِ عید کے، کہ اس کی قضاء کے وجوب وعدمِ وجوب اور سنت و مستحب ہونے وغیرہ میں بھی اختلاف ہے، یہاں تک کہ اگلے اور تیسرے دن تک بھی قضاء کا قول موجود ہے، جس کو بعض حضرات نے اداء کا بھی نام دے دیا ہے۔

مذکورہ تمہید کو ذہن میں رکھ کر اب مسئلہ ھٰذا کی کچھ تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

(فصل نمبر 1)

احادیث وروایات اور آثار

پہلے مرحلہ میں چند احادیث وروایات اور آثار ذکر کیے جاتے ہیں۔

عقبہ بن عامر کی حدیث

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَوْمُ عَرَفَةَ، وَيَوْمُ النَّحْرِ، وَأَيَّامُ التَّشْرِيقِ عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ، وَهِيَ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ (سنن ابی داؤد، رقم الحدیث ۲۴۱۹) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عرفہ، اور قربانی کے دن، اور ایامِ تشریق، ہمارے اہلِ اسلام کی عید ہے، اور یہ (اہلِ اسلام کے لیے) کھانے اور پینے کے ایام ہیں (سنن ابی داؤد)

اسلام میں عید وتہوار کے اعتبار سے، جو درجہ ''عیدالاضحیٰ'' کا ہے، وہی ''عیدالفطر'' کے دن کا بھی ہے۔

مذکورہ حدیث میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایامِ عید کو، تمام اہلِ اسلام کی عید قرار دیا، اور اس کی نسبت، تمام اہلِ اسلام کی طرف فرمائی، جس سے معلوم ہوا کہ عید کے یہ ایام، تمام مسلمانوں کے حق میں عید کے شمار ہوتے ہیں، جس میں تمام اہلِ اسلام، مرد وعورت داخل ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں خواتین بھی عید کی نماز میں آ کر شریک ہوا کرتی تھیں، جس کا

---

[1] قال شعیب الارنؤوط:
اسنادہ صحیح (حاشیة سنن ابی داؤد)

احادیث میں ذکر آیا ہے۔

اور اسی وجہ سے فقہائے کرام نے عید کے دن بہت سے احکام میں مرد حضرات کے ساتھ، خواتین وغیرہ کو بھی شامل کیا ہے، اگرچہ دونوں کے احکام میں کچھ فرق بھی ہے، اور جمہور فقہائے کرام ومحدثینِ عظام نے مسافر، ومریض اور منفرد، نیز دیہاتی کے لیے بھی نمازِ عید کو مشروع قرار دیا ہے، جس کی بعض روایات وآثار سے بھی تائید ہوتی ہے۔

جس کی محدثینِ عظام وفقہائے کرام کے حوالوں سے تفصیل آگے آتی ہے۔

براء بن عازب کی حدیث

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ فِي يَوْمِ عِيدٍ " :أَوَّلُ مَا نَبْدَأُ يَوْمَنَا هَذَا أَنْ نُصَلِّيَ، ثُمَّ نَنْحَرَ، فَمَنْ فَعَلَ ذَلِكَ، فَقَدْ أَصَابَ سُنَّتَنَا، وَمَنْ تَعَجَّلَ، فَإِنَّمَا هُوَ لَحْمٌ قَدَّمَهُ لِأَهْلِهِ (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٥٩٠٦) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدُ الاضحیٰ کے دن فرمایا کہ اس دن ہم پہلا کام نماز پڑھنے کا کریں گے، پھر اس کے بعد قربانی کریں گے، پس جس نے یہ عمل کیا، تو اس نے ہماری سنت کو پالیا، اور جس نے قربانی کو پہلے کردیا، تو وہ گوشت ہے، جس کو اس نے اپنے گھر والوں کو کھانے کے لئے پہلے تیار کردیا (ابنِ حبان)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت کے مطابق عمل کرنے والے کو مصیب قرار دیا ہے۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول یا فعل سے نمازِ عید کے متعلق جو حکم ثابت ہو، اس کے مطابق

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشيه صحيح ابن حبان)

عمل کرنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق ''صواب'' ہوگا۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وفعل سے عید کے اپنے وقت سے مؤخر ہونے کی بعض صورتوں میں نمازِ عید کا اداء کرنا بھی ثابت ہے، وہ بھی مذکورہ حدیث کا مصداق ہوگا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

ابوعُمیر بن انس کی حدیث

حضرت ابوعمیر بن انس، رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے اپنے بعض چچا سے روایت کرتے ہیں کہ:

أن ركباً جاؤوا إلى النبى -صلَّى الله عليه وسلم -يشهدون أنهم رأوا الهلالَ بالأمسِ، فأمَرهُمْ أن يُفْطِرُوا وإذا أصبَحُوا يَغدُوا إلى مُصَلَّاهُم (سنن أبى داود، رقم الحديث ١١٥٧، باب إذا لم يخرج الإمام للعيد من يومه يخرج من الغد) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده صحيح .وقد صحح إسناده البيهقى 316 /3، وابنُ حزم 92 /5، وقال ابن المنذر فى "الأوسط :295 /4 "حديث ثابت، وقال الخطابى فى "معالم السنن " حديث صحيح، وكذلك قال ابن الملقن فى "البدر المنير 95 /5 "، وحسن إسناده الدارقطنى .(2203)وأخرجه ابن ماجه 1653))، والنسائى فى "الكبرى1768) ") من طريقين عن أبى بشر جعفر بن أبى وحشية، به.
وهو فى "مسند أحمد20579) ")، و"صحيح ابن حبان.(3456) "
قال الخطابى :وإلى هذا ذهب الأوزاعى وسفيان الثورى وأحمد بن حنبل وإسحاق فى الرجل لا يعلم بيوم الفطر إلا بعد الزوال.
وقال الشافعى :إن علموا بذلك قبل الزوال خرجوا وصلى الإمام بهم صلاة العيد، وإن لم يعلموا إلا بعد الزوال لم يصلوا يومهم ولا من الغد، لأنه عمل فى وقت إذا جاز ذلك الوقت لم يعمل فى غيره، وكذلك قال مالك وأبو ثور.
قلت (القائل الخطابى) :سنة رسول الله -صلَّى الله عليه وسلم -أولى وحديث أبى عمير صحيح فالمصير إليه واجب (حاشية سنن ابى داوٗد)

ترجمہ: کچھ سوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، جنہوں نے یہ گواہی دی کہ انہوں نے گزشتہ رات (عیدُ الفطر کا) چاند دیکھ لیا تھا، تو انہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ توڑنے کا حکم فرمایا، اور یہ حکم بھی فرمایا کہ اگلے دن صبح وہ عیدگاہ جائیں

(ابوداؤد)

اورایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ مجھ سے رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض انصار صحابہ نے، جو کہ میرے چچا تھے، یہ حدیث بیان کی کہ:

"غُمَّ عَلَيْنَا هِلَالُ شَوَّالٍ، فَأَصْبَحْنَا صِيَامًا، فَجَاءَ رَكْبٌ مِنْ آخِرِ النَّهَارِ، فَشَهِدُوا عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُمْ رَأَوُا الْهِلَالَ بِالْأَمْسِ، فَأَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الناس أَنْ يُفْطِرُوا مِنْ يَوْمِهِمْ، وَأَنْ يَخْرُجُوا لِعِيدِهِمْ مِنَ الْغَدِ (مسند أحمد، رقم الحديث ٢٠٥٨٤) [1]

ترجمہ: ہم پر شوال کا چاند اَبر آلود ہوگیا، تو ہم نے صبح کو روزہ رکھا، تو دن کے آخری حصہ میں کچھ سواروں نے آکر رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ گواہی دی کہ انہوں نے گزشتہ رات (عیدُ الفطر کا) چاند دیکھ لیا تھا۔

تو انہیں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ توڑنے کا حکم فرمایا۔

اور یہ حکم بھی فرمایا کہ اگلے دن صبح کو وہ اپنی عید کی نماز پڑھنے کے لئے نکلیں

(مسنداحمد)

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:
إسناده جيد، رجاله ثقات رجال الشيخين غير أبي عمير بن أنس.
وقد سلف الكلام عليه عند الحديث 20579
وأخرجه عبد الرزاق 7339، وابن أبي شيبة 3/67و14/88، وابن ماجه 1653، والبيهقي 3/316من طريق هشيم بن بشير، بهذا الإسناد.
وانظر 2057 (حاشية مسند احمد)

اس حدیث کو امام نسائی نے بھی اپنی سُنن میں روایت کیا ہے۔ [1]

قتادۃ کی حدیث

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّ عُمُومَةً لَهُ شَهِدُوا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رُؤْيَةِ الْهِلَالِ، فَأَمَرَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَخْرُجُوا لِعِيدِهِمْ من الغد (صحيح ابن حبان، رقم الحديث ٣٤٥٦، ذِكْرُ قَبُولِ شَهَادَةِ جَمَاعَةٍ عَلَى رُؤْيَةِ الْهِلَالِ لِلْعِيدِ) [2]

---

[1] أَخْبَرَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ :حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ :حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ :حَدَّثَنَا أَبُو بِشْرٍ، عَنْ أَبِي عُمَيْرِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ عُمُومَةٍ لَهُ، أَنَّ قَوْمًا رَأَوُا الْهِلَالَ، فَأَتَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُفْطِرُوا بَعْدَ مَا ارْتَفَعَ النَّهَارُ، وَأَنْ يَخْرُجُوا إِلَى الْعِيدِ مِنَ الْغَدِ(السنن الصغرى للنسائى، رقم الحديث ١٥٥٧)

[2] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، رجاله ثقات رجال الشيخين .وأخرجه البزار "972"، البيهقي 4/249من طريق يعقوب بن إبراهيم، بهذا الإسناد.

وقال البزار :أخطأ فيه سعيد بن عامر، وإنما رواه شعبة عن أبي بشر عن أبي عمير بن أنس "وهو أكبر أولاد أنس "أَنَّ عُمُومَةً لَهُ شَهِدُوا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى الله عليه وسلم.

وقال البيهقي :تفرد به سعيد بن عامر عن شعبة، وغلط فيه، إنما رواه شعبة عن أبي بشر.

وأخرجه على بن الجعد "1787"وأبو داود "1157"فى الصلاة :باب إذا لم يخرج الإمام للعيد من يومه يخرج من الغد، والبيهقي 4/50والدارقطني 2/170من طريق شعبة وعبد الرزاق "7339"، وابن أبي شيبة 3/67، وابن ماجه "1653"فى الصيام :باب ما جاء فى الشهادة على رؤية الهلال، من طريق هشيم بن بشير، والبيهقي 4/249من طريق أبي عوانة، ثلاثتهم عن أبي بشر جعفر بن أبي وحشية، عن أبي عمير عبد الله بن أنس بن مالك، عن عمومة له من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم.

قلت :وهذا سند قوى، رجاله رجال الشيخين غير أبي عمير بن أنس بن مالك، فقد روى له أصحاب السنن غير الترمذى وهو ثقة صحح حديثه غير واحد، وقال ابن سعد :كان ثقة قليل الحديث، وذكره المؤلف فى "الثقات"، وانفرد ابن عبد البر بتجهيله، ولم يتابع.

وقال البيهقي :هو إسناد حسن، وأبو عمير رواه عن عمومة له من أصحاب النبي صلى الله عليه وسلم، وأصحاب النبي صلى الله عليه وسلم كلهم ثقات، فسواء سموا أو لم يسموا (حاشية ابن حبان)

ترجمہ: انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے چچا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ گواہی دی کہ انہوں نے گزشتہ رات (عیدُ الفطر کا) چاند دیکھ لیا تھا، تو انہیں رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اگلے دن صبح کو اپنی عید کی نماز پڑھنے کے لئے نکلنے کا حکم فرمایا (ابن حبان)

ربعی بن حراش کی حدیث

حضرت ربعی بن حراش، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابۂ کرام سے روایت کرتے ہیں کہ:

اختلف الناسُ فی آخر یومٍ من رمضانَ، فقدم أعرابیانِ فشهدا عندَ النبیِّ -صلَّی الله علیه وسلم -بالله لأهلَّا الهِلال أمسِ عشیةً، فأمرَ رسولُ الله -صلَّی الله علیه وسلم -الناسَ أن یُفْطِرُوا، زاد خلف فی حدیثه :وأن یَغْدُوا إلی مُصَلَّاهُم (سنن أبی داود، رقم الحدیث ۲۳۳۹، باب شهادة رجلین علی رؤیة هلال شوال) [1]

---

[1] قال شعیب الارنؤوط: إسناده صحیح، وإبهام صحابیه لا یضر، لأن الصحابة کلهم عدول، قال الإمام البیهقی :وأصحاب النبی -صلَّی الله علیه وسلم -کلهم ثقات، سواء سموا أم لم یسموا .
مسدَد :هو ابن مسرهد الأسَدی، وأبو عوانة :هو الوضاح بن عبد الله الیشکری، ومنصور :هو ابن المعتمر السُّلمی.
وأخرجه الدارقطنی فی "سننه2202) ")، والبیهقی فی "الکبری 248 /2 "من طریق أبی عوانة، بهذا الإسناد .وقال الدارقطنی :هذا إسناد حسن ثابت.
وأخرجه عبد الرزاق فی "مصنفه7335) ") و 7337))، وأحمد فی "مسنده18824) ") و 23069))، وابن الجارود 396))، والطبرانی فی "الکبیر662) /17 ")، والدارقطنی 2199)) و 2200)) و 2201))، والبیهقی 248 /4من طریق سفیان الثوری، والدارقطنی 2194)) من طریق عَبیدة بن حُمید، کلاهما عن منصور، به وقال الدارقطنی من طریق عَبیدة :هذا صحیح.
وأخرجه الطبرانی 663) /17)، والحاکم 297 /1، والبیهقی 248 /4من طریق إسحاق بن إسماعیل الطالقانی، عن سفیان بن عیینة، عن منصور، عن ربعی بن حراش، عن أبی مسعود ...فذکر الحدیث.
وانظر تمام تخریجه فی "مسند أحمد(18824) "(حاشیة ابو داوُد)

ترجمہ: رمضان کے آخری دن میں لوگوں کا اختلاف ہوگیا، تو دو دیہاتیوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر گواہی دی کہ انہوں نے گزشتہ رات (عیدُ الفطر کا) چاند دیکھ لیا تھا، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزہ توڑنے کا حکم دیا، اور خلف نے اپنی حدیث میں یہ بھی زیادہ روایت کیا کہ اگلے دن صبح کو عیدگاہ جانے کا بھی حکم فرمایا (ابوداؤد)

مذکورہ روایات سے معلوم ہوا کہ نمازِ عید کا اصل وقت گزرنے کے بعد اس کو بعد میں پڑھنے کا فی الجملہ ثبوت ہے، خواہ اس کو اداء کا نام دیا جائے، یا قضاء کا۔

اور وقت کے اندر نمازِ عید کی ادائیگی کی اہمیت، وقت گزرنے کے بعد سے زیادہ ہے، جس کا جمہور فقہائے کرام نے پورا لحاظ فرمایا ہے، یہاں تک کہ اگر مثلاً تیسویں دن روزہ رکھنے کے بعد، زوالِ شمس سے پہلے اُس دن کا یومِ عید ہونا معلوم ہوجائے، اور نمازِ عید کے لئے اجتماع ممکن ہو، تو اگلے دن کے بجائے اُسی دن نمازِ عید پڑھنے کا حکم ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

ابنِ عمر کی روایت

حضرت حفص نے، حجاج سے اور انہوں نے زہری سے روایت کیا ہے کہ:

شهد عند ابن عمر أنهم رأوا الهلال ، فقال :اخرجوا إلى عيدكم من الغد ، وقد مضى من النهار ما شاء الله (مُصنف ابن أبى شيبة، رقم الرواية ٩٥٥٦ ، فى القوم يشهدون على رؤية الهلال أنهم رأوه فى اليوم الماضى ، ما يصنع ؟)

ترجمہ: حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے پاس لوگوں نے چاند دیکھنے کی گواہی دی، تو انہوں نے فرمایا کہ تم اگلے دن اپنی عید کی نماز کے لئے نکلو، اور اس وقت دن کا جتنا اللہ نے چاہا، وقت گزر چکا تھا (ابن ابی شیبہ)

مغیرۃ بن شعبہ کی روایت

ابنِ نمیر نے ابویعفور سے، اورانہوں نے اپنے والد سے روایت کیا ہے کہ:

رئی ھلال رمضان والمغیرة بن شعبة علی الکوفة ، فلم یخرج حتی کان من الغد ، فخرج فخطب الناس علی بعیر ، ثم انصرف

(مُصنف ابن أبی شیبة، رقم الروایة ۹۵۵۵ ، فی القوم یشھدون علی رؤیة الھلال أنھم رأوہ فی الیوم الماضی ، ما یصنع ؟)

ترجمہ: رمضان کا چاند دیکھا جاچکا تھا، اور مغیرہ بن شعبہ کوفہ میں تھے، تو وہ اگلے دن ہی نکلے، پھر (نمازِ عید کے بعد) لوگوں کو اپنے اونٹ پر بیٹھ کر خطبہ دیا، اور پھر واپس تشریف لائے (ابن ابی شیبہ)

ابراہیم نخعی کی روایت

امام محمد نے، امام ابوحنیفہ سے، انہوں نے حماد سے روایت کیا ہے کہ:

عن إبراھیم فی قوم شھدوا أنھم رأوا ھلال شوال فقال حماد: سألت إبراھیم عن ذلک، فقال :إن جاء وا صدر النھار فلیفطروا ولیخرجوا، وإن جاء وا آخر النھار، فلا یخرجوا ولا یفطروا حتی الغد قال محمد :وبہ نأخذ، إلا فی خصلة واحدة، یفطرون ویخرجون من الغد إذا جاء وا من العشی .وھو قول أبی حنیفة رضی اللہ عنہ (کتابُ الآثار لمحمد بن الحسن، رقم الروایة ۲۰۵)

ترجمہ: حضرت ابراہیم نخعی نے ان لوگوں کے بارے میں جنہوں نے شوال کا چاند دیکھنے کی گواہی دی، یہ فرمایا کہ اگر وہ لوگ دن کے شروع حصہ میں گواہی دیں، تو لوگوں کو چاہیئے کہ روزہ توڑ دیں، اور عید کی نماز کے لئے نکلیں، اور اگر وہ

دن کے آخری حصہ میں گواہی دیں، تو وہ نہ نکلیں، اور روزہ نہ توڑیں، اگلے دن تک۔

امام محمد نے فرمایا کہ ہم اسی کو لیتے ہیں، مگر ایک خصلت میں نہیں لیتے، اور ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ روزہ توڑ دیں گے، اور اگلے دن عید کی نماز کے لئے نکلیں گے، جبکہ شام کے وقت میں گواہی حاصل ہو، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے

(کتاب الآثار)

امام محمد بن حسن شیبانی کی روایت

امام محمد نے کتاب الحجہ علیٰ اہل المدینہ میں فرمایا کہ:

قَالَ ابو حنيفَة رَضِى الله عَنهُ اذا صَامَ النَّاس يَوْم الْفطر وهم يظنون انه من شهر رَمَضَان فَجَاءَهُمْ ثَبت بَان هِلَال شهر رَمَضَان قد رؤى قبل ان يَصُومُوا بِيَوْم وان يومهم ذَلِك أحُدُ وَثَلَاثُونَ فانهم يفطرون ذَلِك الْيَوْم اية سَاعَة جَاءَهُم الْخَبَر فان كَانَ الْخَبَر جَاءَهُم قبل زَوَال الشَّمْس افطروا .وَخرج بهم امامهم فَيصَلى بهم الْعِيد وان جَاءَهُم الْخَبَر بعد زَوَال الشَّمْس افطروا وَخَرجُوا من الْغَد.

وَقَالَ اهل الْمَدِينَة بقول ابى حنيفَة من الْفطر غير انهم قَالُوا لَا يصلونَ صَلَاة الْعِيد ان جَاءَهُم ذَلِك بعد الزَّوَال.

وَقَالَ مُحَمَّد بن الْحسن قد جَاءَ فِى هَذَا يُعينهُ اثر عَن رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم روته الثِّقَات ان شُهُودًا اتوا رَسُول الله صلى الله عَلَيْهِ وَسلم عَشِيَّة فأخبروه انهم رَأَوُا الْهلَال بالامس فأمر

رَسُول الله صلی الله عَلَيُهِ وَسلم النَّاس ان يفطروا وان يخرجُوا من الُغَد لعيدهم.

اخبرنا بذلک شُعُبَة بن الُحجَّاج عَن ابی بشر جَعُفَر بن اياس عَن ابی عُمَيُر ابُن انس بن مَالک عَن عمومة لَهُ من اصحاب رَسُول الله صلی الله عَلَيُهِ وَسلم ان رهطا شهدُوا عِند النَّبِی صلی الله عَلَيُهِ وَسلم من اخر النَّهَار انهم رَأَوُا الُهلَال بالامس فَأمر النَّاس ان يفطروا وَقَالَ اغدوا غَدا إِلَی الُمصلی (الحجة علی أهل المدينة، لمحمد بن الحسن بن فرقد الشيبانی، كتاب الصّيام، -بَاب الرجل يَصُوم يَوُم الُفطر وَهُوَ يظنّ انه من شهر رَمَضَان)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ جب لوگ عیدُ الفطر کے دن روزہ رکھ لیں، اور وہ یہ گمان کریں کہ وہ رمضان کا مہینہ ہے، پھر ان کے پاس معتبر گواہوں سے یہ بات ثابت ہوجائے، کہ رمضان کے مہینہ کا چاند پہلے دیکھ لیا گیا تھا، اور انہوں نے ایک دن کا اضافی روزہ رکھ لیا ہے، اور ان کا یہ دن اکتیسواں ہے، تو وہ اس دن، اُسی وقت روزہ توڑ دیں گے، جب ان کو یہ خبر ملے۔

پھر اگر ان کو زوالِ شمس سے پہلے خبر ملی، تو وہ روزہ توڑ دیں گے، اور ان کا امام اُن کے ساتھ جا کر عید کی نماز پڑھائے گا، اور اگر ان کے پاس زوالِ شمس کے بعد خبر آئی، تو وہ روزہ توڑ دیں گے، اور اگلے دن عید کی نماز کے لئے نکلیں گے۔

اور اہلِ مدینہ کا قول بھی روزہ توڑنے کے متعلق امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق ہے، لیکن اُن کا کہنا یہ ہے کہ اگر اُن کے پاس زوال کے بعد خبر پہنچی، تو وہ عید کی نماز نہیں پڑھیں گے۔

امام محمد بن حسن نے فرمایا کہ اس کے متعلق رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بعینہٖ

حدیث آئی ہے، جس کو ثقات نے روایت کیا ہے، کہ کچھ لوگوں نے شام کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر یہ گواہی دی، کہ انہوں نے کل چاند دیکھ لیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزہ توڑنے، اور اگلے دن عید کی نماز کے لئے نکلنے کا حکم فرمایا۔

ہمیں اس کی شعبہ بن حجاج نے خبر دی، ابو بشر جعفر بن ایاس کے حوالہ سے، انہوں نے ابو عمیر بن انس بن مالک کے حوالہ سے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام میں سے اپنے چچا کے حوالہ سے، کہ ایک وفد نے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دن کے آخری حصہ میں آ کر یہ گواہی دی، کہ انہوں نے کل چاند دیکھ لیا تھا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو روزہ توڑنے کا حکم فرمایا، اور اگلے دن صبح عیدگاہ جانے کا حکم فرمایا (الحجۃ علی اہل المدینۃ)

مذکورہ احادیث اور روایات سے معلوم ہوا کہ اگر کسی عذر کی وجہ سے عیدُ الفطر کے دن عید کی نماز نہ پڑھی جاسکے، تو اگلے دن صبح کے وقت عید کی نماز پڑھی جائے گی، امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے۔

اور اس قسم کی احادیث و روایات سے نمازِ عید کا فی الجملہ قضاء کرنا ثابت ہوتا ہے۔

البتہ امام طحاوی رحمہ اللہ نے شرح معانی الآثار میں ابو عمیر بن انس کی حدیث کی میں دو توجیہات کا احتمال ظاہر کیا ہے، ایک یہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عیدگاہ میں جانے کا حکم فرمانے سے مقصود عید کی نماز ہو، اور دوسرے یہ کہ نماز کے بجائے، دعاء کا حکم مقصود ہو، جیسا کہ بعض روایات میں حائضہ خواتین کو اسی غرض سے حاضر ہونے کا ذکر ہے، اور پھر فرمایا کہ:

''بظاہر یہی دعاء مراد ہونے کا قول راجح ہے، اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا جو بعض لوگوں نے روایت کیا ہے، یہی قول ہے، اور ہم نے امام ابو یوسف کی، امام

ابو حنیفہ سے مروی روایت میں اس کو نہیں پایا''۔ [1]

اور علامہ بدرُ الدین عینی نے ''نخب الافکار فی تنقیح مبانی الاخبار'' میں فرمایا کہ:

---

[1] حدثنا فهد ,قال :ثنا عبد الله بن صالح ,قال :ثنا هشيم بن بشير ,عن أبى بشر جعفر بن إياس ,عن أبى عمير بن أنس بن مالك ,قال :أخبرنى عمومتى من الأنصار :أن الهلال خفى على الناس فى آخر ليلة من شهر رمضان فى زمن النبى صلى الله عليه وسلم فأصبحوا صياما فشهدوا عند النبى صلى الله عليه وسلم بعد زوال الشمس ,أنهم رأوا الهلال الليلة الماضية .فأمر رسول الله صلى الله عليه وسلم الناس بالفطر ,فأفطروا تلك الساعة ,وخرج بهم من الغد ,فصلى بهم صلاة العيد قال أبو جعفر :فذهب قوم إلى هذا فقالوا :إذا فات الناس صلاة العيد فى صدر يوم العيد ,صلوها من غد ذلك اليوم ,فى الوقت الذى يصلونها .وممن ذهب إلى ذلك ,أبو يوسف .وخالفهم فى ذلك آخرون ,فقالوا :إذا فاتت الصلاة يوم العيد ,حتى زالت الشمس من يومه ,لم يصل بعد ذلك فى ذلك اليوم ,ولا فيما بعده .وممن قال ذلك ,أبو حنيفة رحمه الله تعالى .وكان من الحجة لهم فى ذلك ,أن الحفاظ ممن روى هذا الحديث ,عن هشيم ,لا يذكرون فيه أنه صلى بهم من الغد .فممن روى ذلك عن هشيم ولم يذكر فيه هذا ,يحيى بن حسان ,وسعيد بن منصور ,وهو أضبط الناس لألفاظ هشيم ,وهو الذى ميز للناس ما كان هشيم يدلس به من غيره

حدثنا صالح بن عبد الرحمن، قال :ثنا سعيد بن منصور، قال :ثنا هشيم، قال :أنا أبو بشر، عن أبى عمير بن أنس، قال :أخبرنى عمومتى، من الأنصار من أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم قالوا :أغمى علينا هلال شوال فأصبحنا صياما ,فجاء ركب من آخر النهار فشهدوا عند رسول الله صلى الله عليه وسلم أنهم رأوا الهلال بالأمس .فأمرهم رسول الله صلى الله عليه وسلم أن يفطروا من يومهم ,ثم ليخرجوا لعيدهم من الغد إلى مصلاهم.

حدثنا سليمان بن شعيب، قال :ثنا يحيى بن حسان، قال :ثنا هشيم، عن أبى بشر، فذكر بإسناده مثله فهذا هو أصل هذا الحديث ,لا كما رواه عبد الله بن صالح ,وأمره إياهم بالخروج من الغد لعيدهم ,قد يجوز أن يكون أراد بذلك أن يجتمعوا فيه ليدعوا ,أو ليرى كثرتهم ,فيتناهى ذلك إلى عدوهم فتعظم أمورهم عنده ,لا لأن يصلوا كما يصلى للعيد وقد رأينا المصلى فى يوم العيد قد كان أمر بحضور من لا يصلى.

حدثنا صالح، قال :ثنا سعيد، قال :ثنا هشيم، قال :أنا منصور، عن ابن سيرين، عن أم عطية، وهشام، عن حفصة، عن أم عطية، رضى الله عنها قالت :كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج الحيض وذوات الخدور يوم العيد فأما الحيض فيعتزلن ويشهدن الخير ,ودعوة المسلمين وقال هشيم: فقالت امرأة :يا رسول الله ,فإن لم يكن لإحدانا جلباب؟ قال :فلتعرها أختها جلبابها فلما كان الحيض يخرجن لا للصلاة ,ولكن لأن يصيبهن دعوة المسلمين ,احتمل أن يكون النبى صلى الله عليه وسلم أمر الناس بالخروج من غد العيد لأن يجتمعوا فيدعون ,فيصيبهم دعوتهم ,لا للصلاة. وقد روى هذا الحديث شعبة ,عن أبى بشر ,كما رواه سعيد ويحيى ,لا كما رواه عبد الله بن صالح. حدثنا ابن مرزوق، قال :ثنا وهب، قال :ثنا شعبة، عن أبى بشر، قال :سمعت أبا عمير بن أنس، رضى الله عنه ح ,

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”امام طحاوی نے ”بعض الناس“ کی قید اس لئے لگائی، کہ بعض حضرات نے اگلے دن قضاء کو روایت کیا ہے، اور اسی روایت سے حنفیہ کی کتب بھری ہوئی ہیں، لیکن امام طحاوی کے کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب، وہ ہے، جو انہوں نے شروع میں ذکر کیا، اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ ہم نے اس کو امام ابو یوسف کی، امام ابو حنیفہ سے مروی روایت میں نہیں پایا“۔انتھیٰ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وحدثنا ابن مرزوق، قال :ثنا أبو الوليد، قال :ثنا شعبة، عن أبي بشر، فذكر مثله بإسناده ,غير أنه قال :وأمرهم إذا أصبحوا أن يخرجوا إلى مصلاهم فمعنى ذلك أيضا معنى ما روى يحيى وسعيد عن هشيم ,وهذا هو أصل الحديث .ولما لم يكن في الحديث ,ما يدل على حكم ما اختلفوا فيه من الصلاة في الغد ,فنظرنا في ذلك فرأينا الصلوات على ضربين .فمنها ما الدهر كله لها وقت , غير الأوقات التي لا يصلى فيها الفريضة ,فكان ما فات منها في وقته ,فالدهر كله لها وقت يقضى فيه ,غير ما نهى عن قضائها فيه من الأوقات .ومنها ما جعل له وقت خاص ,ولم يجعل لأحد أن يصليه في غير ذلك الوقت .من ذلك الجمعة ,حكمها أن يصلى يوم الجمعة من حين تزول الشمس إلى أن يدخل وقت العصر ,فإذا خرج ذلك الوقت فاتت ولم يجز أن يصلى بعد ذلك في يومها ذلك ,ولا فيما بعده .فكان ما لا يقضى في بقية يومه بعد فوات وقته ,لا يقضى بعد ذلك .وما يقضى بعد فوات وقته في بقية يومه ذلك ,قضى من الغد ,وبعد ذلك ,وكل هذا مجمع عليه .وكانت صلاة العيد جعل لها وقت خاص ,في يوم العيد ,آخره زوال الشمس ,وكل قد أجمع على أنها إذا لم تصل يومئذ حتى زالت الشمس أنها لا تصلى في بقية يومها .فلما ثبت أن صلاة العيد ,لا تقضى بعد خروج وقتها في يومها ذلك ,ثبت أنها لا تقضى بعد ذلك في غد ولا غيره ,لأنا رأينا ما للذي فاته أن يقضيه من غد يومه جائز له أن يقضيه من بقية اليوم الذي وقته فيه وما ليس ,للذي فاته أن يقضيه من بقية يومه ذلك ,فليس له أن يقضيه من غده .فصلاة العيد كذلك , لما ثبت أنها لا تقضى إذا فاتت في بقية يومها ,ثبت أنها لا تقضى في غده .فهذا هو النظر في هذا الباب ,وهو قول أبي حنيفة رحمه الله تعالى ,فيما رواه عن بعض الناس ,ولم نجده في رواية أبي يوسف عنه ,هكذا كان في رواية أحمد رحمهما الله تعالى(شرح معاني الآثار ج ١، ص ٣٨٦،٣٨٧،باب الإمام يفوته صلاة العيد هل يصليها من الغد أم لا؟)

[1] قوله" :وهو قول أبي حنيفة "أي وجه النظر المذكور هو قول أبي حنيفة "فيما روى عنه بعض الناس "قيد به لأن منهم من روى أنها تقضى من الغد، وعلى هذه الرواية شحنت كتب الحنفية ولكن الذي يفهم من كلام الطحاوي أن مذهب أبي حنيفة هو ما ذكره أولا فلذلك قال :ولم نجده في رواية أبي يوسف عنه(نخب الأفكار في تنقيح مباني الأخبار في شرح معاني الآثار، لبدر الدين العيني، ج٦،ص ١٦٥،باب :الإمام تفوته صلاة العيد هل يصليها من الغد أم لا؟)

اور ہم امام محمد کے حوالہ سے، امام ابوحنیفہ کا قول ذکر کر چکے ہیں، جس میں امام ابوحنیفہ کی روایت اور صراحت بھی شامل ہے، اس لئے اگلے دن نمازِ عید کے متعلق امام ابوحنیفہ کی یہ تصریح ہی راجح ہے، اور اس کے مقابلہ میں امام طحاوی کا قول راجح نہیں، کیونکہ انہوں نے اس کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا ہے، وہ بھی امام ابویوسف کی روایت میں، اور لاعلمی سے کسی چیز کی نفی لازم نہیں آتی، اور امام محمد کی روایت کے موجود ہوتے ہوئے امام ابویوسف کی روایت کی بھی ضرورت نہیں۔

نیز بعض مرفوع احادیث میں اگلے دن نمازِ عید کے پڑھنے کی صاف طور پر تصریح ہے، جس کو محض دعاء وغیرہ پر محمول کرنا، بظاہر مشکل ہے، اسی وجہ سے جملہ فقہائے کرام نے، اس سے دعاء کے بجائے نمازِ عید کو مراد لیا ہے۔

اور مذکورہ احادیث وروایات سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ عید کی نماز کو، جمعہ کی نماز کا درجہ حاصل نہیں، کیونکہ وقت گزرنے کے بعد نمازِ جمعہ کا حکم نہیں رہتا، جبکہ بعض صورتوں میں عید کی نماز کو اگلے دن تک، اور عیدُ الاضحیٰ کی نماز کو اس سے بھی اگلے دن تک پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مقدام بن معدی کرب کی روایت

ابوطرفہ حمصی سے روایت ہے کہ:

أَتَيْتُ الْمِقْدَامَ بْنَ مَعْدِي كَرِبٍ وَهُوَ فِي قَرْيَةٍ عَلَى أَمْيَالٍ مِنْ حِمْصَ يَوْمَ عِيدٍ فَقُلْنَا " :اخْرُجْ فَصَلِّ بِنَا الْعِيدَ، فَقَالَ :لَا، صَلُّوا فُرَادَى

(المعجم الكبير، للطبرانی، رقم الحديث ٦١٨)

ترجمہ: میں مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوا، جو عید کے دن مقامِ حمص سے چند میل کے فاصلے پر ایک گاؤں میں تھے، تو ہم نے ان سے عرض کیا کہ آپ باہر نکل کر ہمیں عید کی نماز پڑھادیں، تو انہوں نے جواب میں فرمایا

کہ نہیں، بلکہ تم تنہاء عید کی نماز پڑھ لو (طبرانی)

اس روایت کو دولابی اور ابنِ ابی عاصم، نیز ابنِ عساکر نے بھی اپنی اسناد کے ساتھ روایت کیا ہے۔ [1]

اس روایت کو علامہ ہیثمی نے مجمع الزوائد میں ''باب المنفرد يصلى العيد'' کے باب میں طبرانی کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

اور فرمایا کہ مجھے ''ابوطُرفہ'' راوی کا تعارف نہیں۔ [2]

لیکن علامہ ذہبی نے تاریخ الاسلام میں ''ابوطُرفہ'' کا نام ''عباد بن ریان، ابوطرفہ لخمی حمصی'' بیان فرمایا ہے، اور اسی کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ انہوں نے مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ

---

[1] حدثنا على بن سهل الرملى قال حدثنا الوليد بن مسلم، عن يحيى بن حمزة، عن أبى طرفة الحمصى قال :أتينا المقدام بن معد يكرب صاحب رسول الله صلى الله عليه وسلم وهو فى قرية من قرى حمص على أربعة أميال منها فى يوم عيد، فقلنا :اخرج فصل بنا ,فقال :لا ولكن صلوا فرادى(الكنى والأسماء ،للدولابى، رقم الحديث ١٢١٢)

حدثنا يحيى بن عثمان، نا الوليد بن مسلم، نا يحيى بن حمزة، نا أبو طرفة الحمصى، قال " :أتينا المقدام بن معدى كرب وهو فى قرية على أميال يوم عيد فقلنا :اخرج فصل بنا العيد قال :لا، صلوا فرادى(الآحاد والمثانى،لا بن أبى عاصم، رقم الحديث ٢٤٣٧)

عباد بن الريان أبو طرفة اللخمى الحمصى أدرك المقدام بن معدى كرب الكندى وحدث عن عروة بن رويم اللخمى ومكحول روى عنه الوليد بن مسلم وعبد الكريم بن محمد اللخمى من أهل بواء ويحيى بن حمزة القاضى ووفد على هشام بن عبد الملك وأراه سكن دمشق بأخرة.

أنبأنا أبو على الحداد وجماعة قالوا أنا أبو بكر بن ريذة أنا سليمان بن أحمد بن أيوب نا بكر بن سهل نا عبد الله بن يوسف نا يحيى بن حمزة نا أبو طرفة عباد بن الريان اللخمى الحمصى قال أتيت المقدام بن معدى كرب وهو فى قرية على أميال من حمص يوم عيد فقلنا اخرج فصل بنا العيد فقال لا صلوا فرادى(تاريخ دمشق،لابن عساكر، ج٢٦،ص٢٢٧،ذكر من اسمه عباد ، تحت ترجمة:عباد بن الريان أبو طرفة اللخمى الحمصى)

[2] رواه الطبرانى فى الكبير وأبو طرفة لا أعرفه(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، ج٢،ص٢٠٥،باب المنفرد يصلى العيد)

سے سماعت کی ہے، اور میرے علم میں ان کے متعلق کوئی جرح نہیں، اور یہ ان شاء اللہ تعالیٰ ''صالحُ الحدیث'' ہیں۔ [1]

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نمازِ عید کا تنہاء پڑھنا بھی جائز ہے، اگر نمازِ عید، بلا جماعت کی مشروعیت کو، غیر معقول اور خلافِ قیاس قرار دیا جائے، تو ایک صحابیِ رسول کا یہ فرمان، حدیثِ مرفوع کا درجہ رکھے گا، اور اس کے برخلاف قیاس واجتہاد کی زیادہ اہمیت نہ رہے گی، اور اس فرمان کی مخالفت کرنے والے، مجتہد کے متعلق، اس جیسی روایت نہ پہنچنے، جیسی تاویل کی جائے گی، اور اسے اجتہادی مخطی قرار دے کر عند اللہ معذور، بلکہ ایک اجر کا مستحق سمجھا جائے گا، یا پھر اس مجتہد کے قول میں کوئی دوسری مناسب تاویل کی جائے گی، لیکن اس روایت کی صریح مخالفت کو گوارا نہ کیا جائے گا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

امام بخاری کا حوالہ

امام بخاری نے اپنی ''صحیحُ البخاری'' میں فرمایا کہ:

بَابٌ :إِذَا فَاتَهُ العِيدُ يُصَلِّى رَكْعَتَيْنِ، وَكَذَلِكَ النِّسَاءُ، وَمَنْ كَانَ فِي البُيُوتِ وَالقُرَى.

لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هَذَا عِيدُنَا أَهْلَ الإِسْلاَمِ وَأَمَرَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ مَوْلاَهُمُ ابْنَ أَبِي عُتْبَةَ بِالزَّاوِيَةِ فَجَمَعَ أَهْلَهُ وَبَنِيهِ، وَصَلَّى كَصَلاَةِ أَهْلِ المِصْرِ وَتَكْبِيرِهِمْ.

وَقَالَ عِكْرِمَةُ :أَهْلُ السَّوَادِ يَجْتَمِعُونَ فِي العِيدِ، يُصَلُّونَ رَكْعَتَيْنِ

---

[1] عباد بن الريان، أبو طرفة اللخمى الحمصى.
سمع :المقدام بن معدى كرب رضى الله عنه، ومكحولا، وعروة بن رويم.
وعنه :يحيى بن حمزة، والوليد بن مسلم، وعبد الكريم بن محمد اللخمى.
ما علمت فيه جرحا، فهو صالح الحديث إن شاء الله(تاريخ الإسلام،للذهبى، ج٣،ص ٩٠٣،حرف العين)

كَمَا يَصْنَعُ الإِمَامُ .

وَقَالَ عَطَاءٌ :إِذَا فَاتَهُ العِيدُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ(صحيح البخارى،أَبْوَابُ العِيدَيْنِ)

ترجمہ: یہ باب ہے اس بات کا کہ جب نمازِ عید فوت ہوجائے، تو وہ (نمازِ عید کی) دو رکعت پڑھے، اوراسی طریقے سے عورتیں بھی عید کے دن دو رکعتیں پڑھیں، اور وہ لوگ بھی دو رکعتیں پڑھیں، جو گھروں میں ہوں، اور جو لوگ شہر کے بجائے گاؤں دیہات میں ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ یہ ہماری یعنی اہلِ اسلام کی عید ہے (نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نسبت سب مسلمانوں کی طرف فرمائی، جس میں عورتیں بھی داخل ہیں، اور وہ لوگ بھی، جو کسی وجہ سے عید کی نماز پڑھنے کے لیے، عیدگاہ، یا مسجد میں نہ آسکیں)

اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے اپنے آزاد کردہ غلام ابنِ ابی عتبہ کو مقامِ ''زاویہ'' میں اپنے گھر والوں، اور اولاد کو جمع کرنے کا حکم فرمایا، اور ان کو شہر والوں کی طرح عید کی نماز پڑھائی، جس میں (نمازِ عید کی زائد) تکبیرات بھی کہیں۔

اور (حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کے شاگرد) حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ گاؤں والے بھی عید کے دن جمع ہوکر اسی طرح عید کی نماز پڑھیں گے، جس طرح شہر میں امام، نمازِ عید پڑھتا ہے۔

اور (جلیل القدر تابعی) حضرت عطاء نے فرمایا کہ جب عید کی نماز فوت ہوجائے، تو دو رکعات پڑھے گا (صحیح بخاری)

امام طحاوی کا حوالہ

امام طحاوی نے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پوتے ''عبیداللہ بن ابی بکر بن انس'' سے روایت کیا ہے کہ:

عَنْ جَدِّهِ، أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِىَ اللهُ عَنْهُ قَالَ :إِذَا كَانَ فِى مَنْزِلِهِ بِالطَّفِّ ,فَلَمْ يَشْهَدِ الْعِيدَ إِلَى مِصْرِهِ جَمَعَ مَوَالِيَهُ وَوَلَدَهُ ,ثُمَّ يَأْمُرُ مَوْلَاهُ عَبْدَ اللهِ بْنَ أَبِى عُتْبَةَ فَيُصَلِّى بِهِمْ كَصَلَاةِ أَهْلِ الْمِصْرِ (شرح معانى الآثار، رقم الحديث ٧٢٨٩،باب صلاة العيدين كيف التكبير فيها)

ترجمہ: ان کے دادا حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، جب مقامِ ''طف'' میں اپنے گھر پر ہوتے تھے، اور وہ عید کی نماز کے لیے شہر میں نہیں جاتے تھے، تو وہ اپنے غلاموں اور بیٹوں کو جمع کر کے، اپنے غلام عبداللہ بن ابی عتبہ کو حکم فرماتے تھے، جو اُن کو شہر والوں کی طرح عید کی نماز پڑھاتا تھا (شرح معانی الآثار)

امام بیہقی کا حوالہ

امام بیہقی رحمہ اللہ نے بھی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو روایت کیا ہے، جس میں اس بات کی صراحت ہے کہ بعض اوقات حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، اپنے گھر والوں کو عید کی نماز پڑھایا کرتے تھے۔ [1]

---

[1] أخبرَنا أبو الحَسَنِ ابنُ أبى المَعروفِ الفَقيهُ وأبو الحَسَنِ ابنُ أبى سعيدٍ الإسفَرايينيانِ بها قالا :حدثنا أبو سَهلٍ بشرُ بنُ أحمدَ، حدثنا حَمزَةُ ابنُ محمدٍ الكاتِبُ، حدثنا نُعَيمُ بنُ حَمّادٍ، حدثنا هُشَيمٌ، عن عُبَيدِ اللهِ بنِ أبى بكرِ بنِ أنَسِ بنِ مالكٍ خادِمِ رسولِ اللهِ -صلى الله عليه وسلم -قال :كان أنَسٌ إذا فاتَته صلاةُ العيدِ مَعَ الإمامِ جَمَعَ أهلَه فصلَّى بهِم مِثلَ صلاةِ الإمامِ فى العيدِ .

ويُذكَرُ عن أنَسِ بنِ مالكٍ أنَّه كان إذا كان بمَنزِلِه بالزّاويَةِ فلَم يَشهَدِ العيدَ بالبَصرَةِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

حضرت انس رضی اللہ عنہ، کا شمار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل عرصہ تک خدمت کرنے اور لمبی عمر پانے والے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی فہرست میں ہوتا ہے۔

ان کا اپنے گھر میں اہلِ خانہ کے ساتھ نمازِ عید کا ادا فرمانا اور اس کا حکم فرمانا، امتِ مسلمہ کے لئے موجودہ حالات میں راہِ عمل کی بڑی دلیل ہے۔

اور ظاہر ہے کہ گھر میں خواتین اور بچے بھی ہوتے ہیں، ایسی صورت میں ان کو بھی نمازِ عید میں شریک کرنے کے لئے کوئی ممانعت نہیں پائی جاتی۔

پس مذکورہ حدیث سے گھر میں با جماعت نمازِ عید اداء کرنا ثابت ہوا۔

پھر نمازِ عید کے گھروں میں ثابت نہ ہونے کے قول کے کیا معنیٰ؟

امام ابنِ ابی شیبہ کا حوالہ

اس کے علاوہ متعدد صحابہ وتابعین اور محدثین سے بھی عید کی نماز فوت ہوجانے، یا عید کی نماز سے رہ جانے کی صورت میں نماز پڑھنے کی روایات مروی ہیں۔

اور بعض آثار میں عید کی نماز کی قضاء کا بھی صاف ذکر ہے۔

مشہور محدث امام ابنِ ابی شیبہ نے اس طرح کی کئی روایات کو ذکر فرمایا ہے، البتہ ان میں سے بعض روایات، میں دو کے بجائے، چار رکعات پڑھنے کا ذکر ہے۔

چنانچہ ابنِ ابی شیبہ نے مندرجہ ذیل روایات کو ذکر فرمایا ہے:

> حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ وہ بعض اوقات عید کے دن اپنے گھر والوں اور خادموں کو جمع کرتے تھے، اور پھر ان کو عبداللہ بن ابی عتبہ،

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

جَمَعَ مَوالِيَه ووَلَدَه ثُمَّ يأمُرُ مَولاه عبدَ الله بنَ أبي عُتبَةَ فيُصَلّي بهم كصلاةِ أهلِ المِصرِ رَكعَتَينِ ويُكَبِّرُ بهِم كَتَكبيرِهِم(السنن الكبير،للبيهقي،ج٦،ص ٥٩٣، تحت رقم الحديث ٦٣٠٧،باب صلاة العيدين سنة أهل الإسلام حيث كانوا)

دو رکعتیں پڑھاتے تھے۔

حضرت عطاء سے روایت ہے کہ جس کی نمازِ عید رہ جائے، وہ دو رکعتیں پڑھے گا، اور ان میں تکبیر بھی کہے گا۔

حضرت حکم سے روایت ہے کہ ابو عیاض چھپے ہوئے تھے، تو ان کے پاس عید کے دن حضرت مجاہد آئے، اور انہوں نے اُن کو دو رکعتیں پڑھائیں، اور دعاء کی۔

ابنِ حنفیہ سے روایت ہے کہ جس کی نمازِ عید رہ جائے، ایسا شخص دو رکعتیں پڑھے گا۔

حضرت حسن سے روایت ہے کہ وہ شخص امام کی طرح کی نماز پڑھے گا۔

اور حضرت حماد سے روایت ہے کہ ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ جب تمہاری امام کے ساتھ نمازِ عید فوت ہو جائے، تو تم امام کی طرح سے ہی نماز پڑھو، اور ابراہیم نخعی نے فرمایا کہ جب لوگ عید کی نماز سے لوٹ جائیں، تو پھر مسجد کے کسی حصہ میں جا کر، امام کی طرح سے نماز پڑھ لے، اور جو شخص عید گاہ نہ جائے، وہ بھی امام کی طرح کی نماز پڑھ لے۔

اور حضرت حماد نے فرمایا کہ جو شخص عید کے دن، عید کی نماز کو نہ پائے، تو اسے چاہئے کہ وہ امام کی طرح سے ہی نماز پڑھے، اور اس کی طرح ہی تکبیر کہے۔

حضرت شریک سے روایت ہے کہ میں نے ابو اسحاق سے اس آدمی کے متعلق سوال کیا کہ جو شخص عید کے دن اس وقت پہنچے کہ جب امام، نمازِ عید سے فارغ ہو چکا ہو؟

تو انہوں نے فرمایا کہ وہ دو رکعتیں پڑھے گا۔

اور ابنِ عون سے روایت ہے کہ محمد بن سیرین نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ جس کی نمازِ عید فوت ہو جائے، تو اس کے لئے امام کی طرح کی نماز پڑھنا

مستحب ہے، اور اگر اسے یہ معلوم ہو جائے کہ امام نے کون سی قرائت کی تھی، تو وہ بھی یہی قرائت کرے گا (ابنِ ابی شیبہ) [1]

اور حضرت شعبی سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ وہ شخص چار رکعات پڑھے گا۔

اور حضرت مسروق سے روایت ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جس کی نمازِ عید فوت ہو جائے، تو اسے چاہئے کہ وہ چار رکعات پڑھے۔

اور حضرت شعبی سے بھی چار رکعات کی روایت مروی ہے۔

اور حضرت ضحاک سے مروی ہے کہ جس کو عیدُ الفطر، یا عیدُ الاضحیٰ کے دن نمازِ عید میں شرکت سے کوئی عذر ہو، تو اس کی نماز چار رکعتیں ہیں (ابنِ ابی شیبہ) [2]

---

[1] حدثنا ابن علية ، عن يونس ، قال :حدثني بعض آل أنس ؛ أن أنسا كان ربما جمع أهله وحشمه يوم العيد ، فصلى بهم عبد الله بن أبي عتبة ركعتين.

حدثنا يحيى بن سعيد ، عن ابن جريج ، عن عطاء ، قال :يصلي ركعتين ويكبر.

حدثنا وكيع ، عن شعبة ، عن الحكم ، قال :كان أبو عياض مستخفيا ، قال :فجاءه مجاهد يوم عيد ، فصلى به ركعتين ، ودعا.

حدثنا وكيع ، عن إسماعيل ، عن أبي عمر ، عن ابن الحنفية ، قال :يصلي ركعتين.

حدثنا وكيع ، عن ربيع ، عن الحسن ، قال :يصلي مثل صلاة الإمام.

حدثنا جرير ، عن مغيرة ، عن حماد ، عن إبراهيم ، قال :إذا فاتتك الصلاة مع الإمام فصل مثل صلاته .وقال إبراهيم :وإذا استقبل الناس راجعين فليدخل أدنى مسجد ، ثم ليصل صلاة الإمام ، ومن لا يخرج إلى العيد ، فليصل مثل صلاة الإمام.

حدثنا هشيم ، عن مغيرة ، عن حماد ؛ فيمن لم يدرك الصلاة يوم العيد ، قال :يصلي مثل صلاته ، ويكبر مثل تكبيره.

حدثنا شريك ، قال :سألت أبا إسحاق عن الرجل يجيء يوم العيد وقد فرغ الإمام ؟ قال :يصلي ركعتين.

حدثنا حسن بن عبد الرحمان الحارثي ، عن ابن عون ، عن محمد ؛ في الذي يفوته العيد ، قال : كان يستحب أن يصلي مثل صلاة الإمام ، وإن علم ما قرأ به الإمام قرأ به(مُصنف ابن أبي شيبة،الرجل تفوته الصلاة في العيدين ، كم يصلي ؟)

[2] حدثنا سفيان بن عيينة ، عن مطرف ، عن الشعبي ، عن عبد الله ، قال :يصلي أربعا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت حنش سے روایت ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ بعض ضعیف لوگ عیدگاہ جانے کی طاقت نہیں رکھتے، تو انہوں نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو چار رکعات پڑھائے، دو رکعتیں تو نمازِ عید کی، اور دو رکعتیں اُن کے عیدگاہ کی طرف نہ جانے کی وجہ سے۔

ابو قیس نے ہزیل سے روایت کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو حکم فرمایا کہ وہ کمزور لوگوں کو عید کے دن چار رکعات پڑھائے، چاشت کی نماز کی طرح۔

اور ابو اسحاق سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو یہ حکم دیا کہ وہ کمزور لوگوں کو مسجد میں نمازِ عید کی دو رکعتیں پڑھائے۔

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے مصعب بن عمیر کی اِمارت میں لوگوں کو عید کی دو رکعتیں پڑھائیں۔

اور ایک روایت میں خطبہ کے بغیر دو رکعتیں پڑھانے کا ذکر ہے۔

اور مسلم بن یزید سے روایت ہے کہ ہمیں قاسم بن عبدالرحمٰن نے جامع مسجد میں عید کے دن دو رکعتیں پڑھائیں، اور خطبہ بھی دیا (ابنِ ابی شیبہ) [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حدثنا هشيم ، وحفص ، عن حجاج ، عن مسلم ، عن مسروق ، قال :قال عبد الله :من فاته العيد فليصل أربعا.

حدثنا وكيع ، عن إسماعيل ، عن الشعبي ، قال :يصلي أربعا.

حدثنا علي بن هاشم ، عن جويبر ، عن الضحاك ، قال :من كان له عذر يعذر به في يوم فطر ، أو جمعة ، أو أضحى ، فصلاته أربع ركعات (مصنف ابن أبي شيبة،الرجل تفوته الصلاة في العيدين ، كم يصلي ؟)

[1] حدثنا ابن إدريس ، عن ليث ، عن الحكم ، عن حنش ، قال :قيل لعلي بن أبي طالب :إن ضعفة من ضعفة الناس لا يستطيعون الخروج إلى الجبانة ، فأمر رجلا يصلي بالناس أربع ركعات ؛ ركعتين للعيد ، وركعتين لمكان خروجهم إلى الجبانة.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام بیہقی نے بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی، چار رکعات والی روایت کو نقل کیا ہے، اور انہوں نے فرمایا کہ دو رکعات تو تحیۃ المسجد کی ہیں، اور دو رکعتیں عیدُ الفطر کی نماز کی ہیں۔

لیکن ابنِ ترکمانی نے الجوھر النقی میں اس کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ مذکورہ روایت کی سند معتبر نہیں، اور دوسری روایت کے پیشِ نظر راجح یہ ہے کہ دو رکعتیں تو عید کی ہیں، اور دو رکعتیں عید گاہ جانے کے ترک کرنے کی وجہ سے ہیں۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن أبي إسحاق ؛ أن عليا أمر رجلا يصلي بضعفة الناس في المسجد ركعتين.

حدثنا وكيع ، عن سفيان ، عن أبي قيس ، قال :أظنه ، عن هزيل ؛ أن عليا أمر رجلا يصلي بضعفة الناس يوم العيد أربعا ، كصلاة الهجير.

حدثنا حميد بن عبد الرحمن ، عن حسن بن صالح ، عن ابن أبي ليلى ، عن عيسى ، عن عبد الرحمن بن أبي ليلى ، قال :صلى بالناس في مسجد الكوفة ركعتين ، في إمارة مصعب بن الزبير.

حدثنا حميد بن عبد الرحمن ، عن حسن ، عن ابن أبي ليلى ؛ أن عليا أمر رجلا يصلي بالناس في مسجد الكوفة ركعتين .قال :وقال ابن أبي ليلى :يصلي ركعتين ، فقال رجل لابن أبي ليلى : يصلي بغير خطبة ؟ قال :نعم.

حدثنا وكيع ، قال :حدثنا مسلم بن يزيد بن مذكور الخارقي ، قال :صلى بنا القاسم بن عبد الرحمن يوم عيد في المسجد الجامع ركعتين ، وخطب.

حدثنا مروان بن معاوية ، عن عريف بن درهم ، قال :رأيت عبد الله بن أبي هذيل يأتي المسجد الأعظم يوم العيد (مُصنف ابن أبي شيبة،القوم يصلون في المسجد ، كم يصلون ؟)

[1] قال *(باب الامام يأمر من يصلي بالضعفة العيد في المسجد) ذكر فيه (عن على عليه السلام انه امر رجلا يصلي بضعفة الناس في المسجد اربعا) * قلت *في سنده أبو قيس هو الاودى قال البيهقي في باب لا نكاح الا بولي (مختلف في عدالته) وقال في باب مس الفرج بظهر الكف (لا يحتج بحديثه قاله ابن حنبل) وفي سنده ايضا عاصم بن على خرج له في الصحيح ولكن ابن معين قال عنه لا شئ وفي رواية كذاب ابن كذاب ثم قال البيهقي (ويحتمل ان يكون اراد ركعتين تحية المسجد ثم ركعتي العيد مفصولتين عنهما) واستدل على هذا التأويل بما جاء في رواية اخرى (ان عليا قال صلوا يوم العيد في المسجد اربع ركعات ركعتان للسنة وركعتان للخروج) * قلت *الظاهر ان البيهقي فهم من قوله ركعتان للسنة انه اراد تحية المسجد ومن قوله ركعتان للخروج انه اراد ركعتي العيد.

والظاهر ان الامر ليس كذلک وانما اراد بقوله ركعتان للسنة ركعتي العيد واراد بقوله وركعتان للخروج أي لترک الخروج إلى المصلي ويدل على ذلک ان ابن ابي شيبة اخرج في مصنفه هذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اگر ابنِ ترکمانی کی اس بات کو تسلیم کرلیا جائے، تو چار رکعتوں کا الگ الگ سلام کے ساتھ پڑھنا ثابت ہوگا، اور اس صورت میں عید کی نماز کی دو رکعتیں ہی ثابت ہوں گی۔

تاہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی چار رکعات کی روایت کی سند میں ضُعف پایا جاتا ہے۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الحديث ولفظه قيل لعلى ان ضعفة من الناس لا يستطيعون الخروج إلى الجبانة فامر رجلا يصلى بالناس اربع ركعات ركعتين للعيد وركعتين لمكان خروجهم إلى الجبانة فظهر بهذا ضعف ما تأوله البيهقي (الجوهر النقى ،للتركمانى، ج٣،ص ١ ١ ٣)

ل وقال أحمد بن منيع :حدثنا ابن علية، حدثنا الليث، عن الحكم، عن حنش قال :قيل لعلى رضى الله عنه :إن ناسا لايستطيعون الخروج منهم من به علة، ومنهم من يبعد عليه المسجد .فقال رضى الله عنه" :صلوا ههنا، وفي المسجد، وصلوا أربعا :ركعتين للسنة وركعتين للخروج.

الحكم عليه:

هذا إسناد ضعيف، وفيه علتان:

أ -ضعف الليث بن أبى سليم -كما فى التقريب 5685 :464)).-

- 2ضعف حنش بن المعتمر .انظر :الجرح والتعديل .(291 /3)

وقد أورده البوصيرى فى الإتحاف :98 /1)ب مختصر)، وقال :رواه أحمد بن منيع، وحنش ضعيف.

تخريجه:

أخرجه ابن أبى شيبة فى مصنفه 184 /2)) قال :حدثنا ابن إدريس، عن ليث به.

وتقدم لفظه.

والبيهقى فى السنن الكبرى 310 /3)) من طريق الشافعى، عن ابن علية يه.

وقال المتقى الهندى فى كنز العمال :(638 /8)رواه ابن أبى شيبة وابن منيع والمروزى فى العيدين.

وقد اختلفت الرواية عن على فى ذلك:

فورد أنه أمره أن يصلى أربع ركعات .أخرجه ابن أبى شيبة فى المصنف 185 /2))، والبيهقى فى السنن الكبرى 310 /3)) من طريق أبى قيس، أنه كان يحدث عن هزيل، أن عليا أمر رجلا أن يصلى بضعفة الناس فى المسجد يوم فطر أو يوم أضحى وأمره أن يصلى أربعا.

قال ابن التركمانى فى الجوهر النقى :(فى سنده أبو قيس هو الأودى، قال البيهقى :(7/112) مختلف فى عدالته .وقال فى باب مس الفرج بظهر الكف :(136 /1)لا يحتج بحديثه، قاله ابن حنبل).

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جن روایات میں دو رکعات کا تکبیر کے ساتھ اور عید کی نماز کی طرح پڑھنے کا ذکر ہے، ان سے صاف طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عید کی نماز ہی کہلائے گی، اور ان روایات سے عید کی نماز کے تنہاء پڑھنے کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔

اور جن روایات میں چار رکعات پڑھنے کا ذکر آیا ہے، ان میں ایک احتمال یہ ہے کہ وہ الگ الگ سلاموں کے ساتھ یہ چار رکعات پڑھے، دو رکعات تو نمازِ عید کی پڑھے، اور دو رکعات عید گاہ میں نہ جانے، یا پھر خطبہ کے قائم مقام بنانے کے لیے پڑھے، کیونکہ انفرادی صورت میں خطبہ نہیں۔

اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مذکورہ مقاصد کے لئے ان چار رکعات کو ایک سلام کے ساتھ ہی پڑھے۔

پھر بہر دوصورت یہ بھی احتمال ہے کہ دو رکعات عام نوافل کی طرح پڑھے، اور یہ بھی احتمال ہے کہ نمازِ عید کی طرح پڑھے۔

لیکن دوسری روایات میں عید کی طرح ہونے کی تصریح کا تقاضا، عید کی طرح الگ سلام سے پڑھنے کے احتمال کے راجح ہونے کا ہے، جس سے دونوں قسم کی روایات میں تعارض بھی نہیں رہتا، بالخصوص جبکہ دو رکعات کی تصریح حضرت عطاء، عکرمہ، حسن بصری، ابنِ سیرین، حماد، ابراہیم نخعی، ابنِ حنفیہ وغیرہ جیسے جلیل القدر حضرات سے پائی جاتی ہے، جن میں سے بعض

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأخرج الشافعي -كما في كنز العمال 639 /8))- ، ولم أجده في الأم ولا في المسند)، وابن أبي شيبة في المصنف 185 /2))، والبيهقي في السنن الكبرى 310 /3)) عن أبي إسحاق، أن عليا أمر رجلا فصلى بضعفة الناس يوم العيد في المسجد ركعتين.

وأبو إسحاق هو السبيعي وهو مدلس -كما هو معروف-، على أنه اختلف عليه فيه :فرواه ابن مهدى عن سفيان، عن أبي إسحاق أن عليا - ... كما سبق. ورواه بندار، عن عبد الرحمن بن مهدى، عن سفيان، عن أبي إسحاق عن بعض أصحابه أن عليا ...

قلت :وابن مهدى وبندار -هو محمد بن بشار -ثقتان من رواة الصحيح، لكنه معلول بأبي إسحاق لتدليسه -والله أعلم (المطَالبُ العَاليَةُ بِزَوَائِدِ المسَانيد الثّمَانِيَةِ،لسعد بن ناصر بن عبد العزيز الشَّثرى، رقم الرواية٦٥٧)

میں تکبیرات اور نمازِ عید، یا امام کی طرح ہونے کی تصریح بھی ہے۔

نیز بعض روایات سے نمازِ عید کو، دو یا اس سے زیادہ افراد کے ساتھ با جماعت پڑھنے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔

اس کے علاوہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دیگر حضرات سے نمازِ عید کے بعد چار رکعات پڑھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ [1]

---

[1] حدثنا إسحاق بن إبراهيم، عن عبد الرزاق، عن الثوری، عن صالح، عن الشعبی، قال :كان ابن مسعود يصلی بعد العيدين أربعا(المعجم الكبير،للطبرانی،رقم الحديث ٩٥٣٠)

حدثنا محمد بن علی بن شعيب السمسار، ثنا خالد بن خداش، ثنا عيسى بن يونس، عن حريث، عن الحكم، عن إبراهيم، عن علقمة، عن عبد الله، أنه :كان يصلی بعد العيدين أربعا(المعجم الكبير،للطبرانی،رقم الحديث ٩٥٣١)

حدثنا أبو الأحوص ، عن أبی إسحاق ، قال :كان سعيد بن جبير ، وإبراهيم ، وعلقمة يصلون بعد العيد أربعا.

حدثنا عبد الله بن إدريس ، عن يزيد بن أبی زياد ، قال :رأيت إبراهيم ، وسعيد بن جبير ، ومجاهدا، وعبد الرحمن بن أبی ليلى ، يصلون بعدها أربعا.

حدثنا جرير ، عن منصور ، عن إبراهيم ، قال :كان علقمة يجیء يوم العيد ، فيجلس فی المصلى ، ولا يصلی حتى يصلی الإمام ، فإذا صلى الإمام ، قام فصلى أربعا.

حدثنا مروان بن معاوية ، عن صالح بن حی ، عن الشعبی ، قال :سمعته يقول :كان عبد الله إذا رجع يوم العيد ، صلى فی أهله أربعا.

حدثنا وكيع ، عن مسعر ، عن أبی صخرة ، عن الأسود بن هلال ، قال :خرجت مع علی ، فلما صلى الإمام ، قام فصلى بعدها أربعا.

حدثنا حفص بن غياث ، عن الأعمش ، عن إبراهيم ، عن علقمة ، وأصحاب عبد الله ؛ أنهم كانوا يصلون بعد العيد أربعا.

حدثنا أبو معاوية ، عن الأعمش ، عن إبراهيم ، قال :كانوا يصلون بعد العيد أربعا ، ولا يصلون قبلها شيئا.

حدثنا عبدة ، عن عاصم ، قال :رأيت الحسن ، وابن سيرين يصليان بعد العيد ، ويطيلان القيام.

حدثنا شبابة بن سوار ، قال :حدثنا المغيرة بن مسلم ، عن عبد الله بن بريدة ، عن أبيه ؛ أنه كان يصلی يوم العيد قبل الصلاة أربعا ، وبعدها أربعا.

حدثنا عبيدة بن حميد ، عن منصور ، عن إبراهيم ، قال :كان الأسود يصلی قبل العيدين .قال : وكان علقمة لا يصلی قبلها ، ويصلی بعدها أربعا.

حدثنا ابن إدريس ، عن شعبة ، عن الحكم ، عن إبراهيم ، قال :كفاك بقول عبد الله ، يعنی فی الصلاة بعد العيد(مُصنف ابن أبی شيبة،فيمن كان يصلی بعد العيد أربعا)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ان روایات کے پیشِ نظر یہ احتمال ہے کہ حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ نے نمازِ عید چھوٹ جانے والے کے لیے نمازِ عید کے بعد والی ان چار رکعتوں کے ہی پڑھنے کا حکم فرمایا، اور ان کا نمازِ عید سے تعلق نہ ہو۔

لیکن دیگر روایات وآثار میں جب گھر میں باجماعت اور تنہاء شخص کو بھی نمازِ عید کا ثبوت موجود ہے، تو وہ حکم اپنی جگہ برقرار رہتا ہے۔

بہر حال مذکورہ احادیث وروایات اور آثار کے پیشِ نظر جو شخص یا جو اشخاص عام اور مشہور مقام پر ہونے والی نمازِ عید میں کسی عذر کی وجہ سے، یا بلا عذر شریک نہ ہوسکیں، ان کے لئے عید کے دن زوال سے پہلے عید کی نماز پڑھنے کے جائز ہونے پر امتِ مسلمہ کے اکثر فقہائے کرام ومجتہدینِ عظام میں سے کسی کا قابلِ ذکر اختلاف نہیں۔

البتہ اس کے طریقہ ونوعیت میں تھوڑا بہت اختلاف پایا جاتا ہے، جو اصل مقصد میں مُخِل نہیں، جیسا کہ آنے والے حوالہ جات سے معلوم ہوگا۔

(فصل نمبر 2)

محدثین، فقہاء اور علماء کی عبارات وحوالہ جات

ہم بجائے اس کے کہ خود اس اہم مسئلے پر اپنی طرف سے روایتی لب کشائی کریں، جس طرح کے کئی دوسرے اہلِ علم حضرات کررہے ہیں۔

اس سلسلے میں متعدد مستند محدثین اور اصحابِ علم حضرات کے حوالہ جات پیش کرتے ہیں، تاکہ امتِ مسلمہ کے عامۃُ الناس کو اصل حقائق معلوم ہوں، اور وہ اس سلسلے میں مختلف قسم کی باتوں سے متاثر ہو کر کسی غلط فہمی کا شکار نہ ہوں۔

''عمدۃُ القاری شرحُ البخاری'' کا حوالہ

علامہ بدرُالدین عینی حنفی نے ''عمدۃُ القاری شرحُ البخاری'' میں امام بخاری کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''امام بخاری کی اس عبارت سے دو باتیں سمجھی جاتی ہیں:

ایک یہ کہ جب کسی آدمی کی نمازِ عید، جماعت کے ساتھ فوت ہوجائے، خواہ کسی عذر کی وجہ سے فوت ہو، یا بغیر عذر کے فوت ہو، تو وہ عید کی نماز پڑھے گا۔

دوسرے یہ کہ وہ نمازِ عید کی دو رکعتیں ہی پڑھے گا، جس طرح اصل میں بھی عید کی دو رکعتیں ہی تھیں۔

البتہ ان دونوں چیزوں میں علماء کا اختلاف ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اگر حکمران کے ساتھ، نمازِ عید فوت ہوجائے، تو اس کی قضاء نہیں کی جائے گی، لیکن جب حکمران کے ساتھ فوت ہوجائے، تو دوسرے دن جماعت کے ساتھ قضاء کی جائے گی۔

اور امام شافعی وغیرہ کے نزدیک قضاء کی جائے گی۔

اور امام مالک اور امام شافعی اور ابوثور کے نزدیک، نمازِ عید چھوٹنے پر، بعد میں عید کی دو رکعتیں ہی پڑھے گا، البتہ امام مالک کے نزدیک اس کو ایسا کرنا واجب نہیں، بلکہ مستحب ہے، امام احمد کا بھی ایک قول اسی طرح کا ہے۔

اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ وہ چار رکعت پڑھے گا، یہ قول امام ثوری وغیرہ کا ہے، امام احمد کا بھی ایک قول اسی طرح ہے۔

اور امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اگر کوئی امام اور مجمع کے ساتھ شریک ہو کر، عید کی نماز نہ پڑھ سکے، تو وہ چاہے، تو نماز پڑھ لے، اور چاہے تو نہ پڑھے، پھر چاہے، تو چار پڑھ لے، اور چاہے تو دو پڑھ لے۔

اور امام اسحاق بن راہویہ نے فرمایا کہ اگر وہ عیدگاہ میں، یا اس جگہ جہاں نمازِ عید ہوئی ہے، نماز پڑھے گا، تو عید کی نماز کی طرح ہی دو رکعت پڑھے گا، اور دوسری جگہ پڑھے گا، تو چار رکعتیں پڑھے گا۔

اور اسی طریقے سے وہ عورتیں بھی، جو عیدگاہ میں شریک نہ ہوں، وہ بھی اپنے مقام پر عید کی نماز پڑھیں گی۔

اور وہ لوگ بھی، جو گھروں میں ہوں، اور گاؤں، دیہات میں ہوں، اور عیدگاہ میں حاضر نہ ہوں، وہ بھی اپنے اپنے طور پر عید کی نماز پڑھیں گے۔

ان تمام چیزوں کی دلیل امام بخاری نے یہ بیان فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ہمارے اہلِ اسلام کی عید ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کے تمام افراد کی طرف، عید کی نسبت فرمائی، جس میں گاؤں، دیہات کے لوگ بھی شامل ہیں، اور گھروں میں موجود افراد بھی اور عورتیں بھی۔

اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی اپنے اہلِ خانہ اور اولاد کو شہر کے لوگوں کی طرح نمازِ عید کا حکم فرمایا، اس واقعہ کو باسند طریقے پر بیہقی وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

اور تابعی حضرت عکرمہ کی یہ روایت کہ گاؤں والے، عید کے دن جمع ہوکر، دو رکعتیں امام کی طرح پڑھیں گے، اس کو ابنِ ابی شیبہ نے روایت کیا ہے۔

اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ جس کی عید کی نماز فوت ہوجائے، تو وہ تکبیرات کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے گا، اس کو فریابی نے اپنی مصنف میں روایت کیا ہے، البتہ بعض نے ان سے عید کی نماز چار رکعت پڑھنے کو روایت کیا ہے۔

امام بخاری نے جو عید سے رہ جانے والے اور دو رکعت پڑھنے والے کے لئے تکبیر کہنے کا ذکر کیا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دو رکعتیں، عید کی نماز کے طریقے پر ہی زائد تکبیرات کے ساتھ پڑھی جائیں گی، یہ مطلب نہیں کہ ان کو عام نفلوں کی طرح بغیر زائد تکبیرات کے پڑھا جائے گا"۔ انتہٰی۔ [1]

---

[1] باب إذا فاته العيد يصلى ركعتين أى :هذا باب ترجمته :إذا فاتت الرجل صلاة العيد مع الإمام يصلى ركعتين، وفهم من هذه الترجمة حكمان :أحدهما :أن صلاة العيد إذا فاتت الرجل مع الجماعة فإنه يصليها، سواء كان الفوت بعارض أو غيره .والآخر :أنها تقضى ركعتين كأصلها.
وفى كل واحد من الوجهين اختلاف العلماء.
أما الوجه الأول :فقد قال قوم :لا قضاء عليه أصلا وبه قال مالك وأصحابه، وهو قول المزنى، وعند أصحابنا الحنفية كذلك :لا يقضيها إذا فاتت عن الصلاة مع الإمام، وأما إذا فاتت عنه مع الإمام فإنه يصليها مع الجماعة فى اليوم الثانى .وفى قاضيخان :إذا تركها بغير عذر لا يقضيها أصلا، وبعذر يقضيها فى اليوم الثانى فى وقتها، وبه قال الأوزاعى والثورى وأحمد وإسحاق .قال ابن المنذر :وبه أقول :فإن تركها فى اليوم الثانى بعذر أو بغير عذر لا يصليها، وقال الشافعى :من فاتته صلاة العيد يصلى وحده كما يصلى مع الإمام، وهذا بناء على أن المنفرد :هل يصلى صلاة العيد؟ عندنا لا يصلى، وعنده يصلى .
وقال السرخسى :وللشافعى قولان، الأصح قضاؤها، فإن أمكن جمعهم فى يومهم صلى بهم، وإلا صلاها من الغد، وهو فرع قضاء النوافل عنده، وعلى القول الآخر :هى كالجمعة يشترط لها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہم یہ بات جمعہ سے متعلق اپنے دیگر مضامین میں واضح کرچکے ہیں کہ پہلے زمانوں میں جمعہ وعید کی نماز شہروں میں عموماً ایک ہی مقام پر پڑھی جاتی تھی، اور کسی کو دوسری جماعت کی بھی

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الجماعة والأربعون ودار الإقامة، وفعله في الغد إن قلنا أداء لا يصليها في بقية اليوم، وإلا صلاها في بقيته، وهو الصحيح عندهم، وتأخرها عنه لا يسقط أبدا .وقيل :إلى آخر الشهر.

وأما الوجه الثاني :فقد قالت طائفة :إذا فاتت صلاة العيد يصلي ركعتين، وهو قول مالك والشافعي وأبي ثور، إلا أن مالكا استحب له ذلك من غير إيجاب، وقال الأوزاعي :يصلي ركعتين ولا يجهر بالقراء ة ولا يكبر تكبير الإمام، وليس بلازم .

وقالت طائفة :يصليها إن شاء أربعا، روى ذلك عن علي وابن مسعود، وبه قال الثوري وأحمد.

وقال أبو حنيفة :إن شاء صلى وإن شاء لم يصل، فإن شاء صلى أربعا، وإن شاء ركعتين .

وقال إسحاق :إن صلى في الجبانة صلى كصلاة الإمام، فإن لم يصل فيها صلى أربعا.

وكذالك النساء أي :وكذلك النساء اللاتي لم يحضرن المصلى مع الإمام يصلين صلاة العيد، والآن يأتي دليله.

ومن كان في البيوت والقرى وكذلك يصلي العيد من كان في البيوت من الذين لا يحضرون المصلى .قوله :(والقرى) أي :وكذلك يصلي العيد من كان في القرى.

لقول النبي صلى الله عليه وسلم هاذا عيدنا أهل الإسلام،هذا دليل لما تقدم من الأشياء الثلاثة .

وجه الاستدلال به أنه أضاف إلى كل أمة الإسلام من غير فرق بين من كان مع الإمام أو لم يكن.

وقوله :(هذا عيدنا) قد مضى في حديث عائشة، رضي الله تعالى عنها في قصة المغنيتين .وأما قوله: (أهل الإسلام) ، فقال بعض الشراح :كأنه من البخاري، وقيل :لعله مأخوذ من حديث عقبة بن عامر مرفوعا :(أيام منى عيدنا أهل الإسلام) ، وهو في (السنن) : وصححه ابن خزيمة :(وأهل الإسلام)، بالنصب على أنه منادى مضاف حذف منه حرف النداء ، أو بتقدير :أعني أو أخص.

وأمر أنس بن مالك مولاهم ابن عتبة بالزاوية فجمع أهله وبنيه وصلى كصلاة أهل المصر وتكبيرهم هذا التعليق ذكره ابن أبي شيبة فقال :حدثنا ابن علية عن يونس، قال :حدثني بعض آل أنس بن مالك أن أنسا كان ربما جمع أهله وحشمه يوم العيد فيصلي بهم عبد الله بن أبي غنية ركعتين، وقال البيهقي في (السنن) : أخبرنا أبو الحسن الفقيه وأبو الحسن بن أبي سيد الإسفرايني حدثنا ابن سهل بشر بن أحمد حدثنا حمزة بن محمد الكاتب حدثنا نعيم بن حماد حدثنا هشيم عن عبد الله بن أبي بكر بن أنس بن مالك، (قال :كان أنس بن مالك إذا فاتته صلاة العيد مع الإمام جمع أهله يصلي بهم مثل صلاة الإمام في العيد) . قال :ويذكر عن أنس أنه كان إذا كان بمنزله بالزاوية فلم يشهد العيد بالبصرة جمع مواليه وولده ثم يأمر مولاه عبد الله بن أبي غنية فيصلي بهم كصلاة أهل المصر ركعتين، ويكبر بهم كتكبيرهم .وبه قال فيما ذكره ابن أبي شيبة ومجاهد وابن الحنفية وإبراهيم وابن سيرين وحماد وأبو إسحاق السبيعي .قوله :(وأمر أنس مولاه) وفي رواية

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اجازت نہ تھی۔

اس لیے اس زمانے میں عندالحنفیہ امام کے ساتھ فوت ہونے کے بعد دوسرے کو جماعت جائز نہ ہونے کی وجہ سے فوت ہونے کا تصور محدود تھا، برخلاف موجودہ تعدُّد کی صورت کے۔

”فتحُ الباری شرحُ البخاری“ کا حوالہ

علامہ ابنِ حجر عسقلانی نے ”فتحُ الباری شرحُ البخاری“ میں امام بخاری کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

مطلب یہ ہے کہ جب کسی کی نمازِ عید، جماعت کے ساتھ فوت ہوجائے، خواہ اس کی نمازِ عید غیر اختیاری طریقہ پر فوت ہو، یا اختیاری طریقہ پر فوت ہو، تو وہ عید کی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

المستملی :(مولاهم)

.قوله :(ابن أبی غنية) ، بفتح الغين المعجمة وكسر النون وتشديد الياء آخر الحروف.

هـذا فی رواية أبی ذر، وفی رواية غيره، بضم العين المهملة وسكون التاء المثناة من فوق وفتح الباء الموحدة، وهو الأكثر الأشهر .

قوله :(بالزاوية) بـالـزای، مـوضـع على فرسخين من البصرة كان بها قصر وأرض لأنس، رضی الله تـعـالـی عـنه، وكان يقيم هناک كثيرا، وكانت بالزاوية وقعة عظيمة بين الحجاج والأشعث .قوله: (بعض آل أنس بن مالک، المراد :عبيد الله بن أبی بكر بن أنس.

وقال عكرمة أهل السواد يجتمعون فی العيد يصلون ركعتين كما يصنع الإمام هذا التعليق وصله ابن أبی شيبة فقال :حـدثنا غندر عن شعبة عن قتادة عن عكرمة أنه قال فی القوم يكونون فی السواد وفی السفر فی يوم عيد فطر أو أضحی، قال :يجتمعون فيصلون ويؤمهم أحدهم.

وقال عطاء إذا فاته العيد صلی ركعتين.

عـطـاء بـن أبـی ربـاح، وفـی رواية الكشميهنی :وكـان عـطـاء ، والأول أصـح، ورواه الـفريابی فی (مصنفه) عن الثوری عن ابن جريج :

(عن عطاء قال :من فاته العيد فليصل ركعتين) ، ورواه ابن أبی شيبة فی فصل :من فاتته صلاة العيد لم يصل، حدثنا يحيی بن سعيد عن ابن جريج،

(عن عطاء قال :يصلی ركعتين ويكبر) .

وقوله :(ويكبر) ، إشـارة إلـی أنهـا تـقـضی كهيئتها لا أن الركعتين مطلق نفل(عمدة القاری شرح صحيح البخاری، ج٦،ص٣٠٧،الیٰ٣٠٩،باب إذا فاته العيد يصلی ركعتين)

نماز کی اصل طریقہ پر دو رکعت ہی کی اداء کرے گا۔

مگر کچھ لوگوں کا اس میں اختلاف ہے، کہ انہوں نے چار رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا ہے، اور انہوں نے اس کو جمعہ پر قیاس کیا ہے کہ اگر کسی کی نمازِ جمعہ فوت ہو جائے، تو وہ ظہر کی چار رکعتیں پڑھتا ہے، اسی طرح یہاں پر بھی چار رکعتیں پڑھے گا۔

لیکن بعض حضرات نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ قیاس صحیح نہیں ہے، کیونکہ اگر جمعہ کی نماز فوت ہو جائے، تو اس کے بدلے میں ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم ہوتا ہے، جو کہ چار رکعتیں ہیں، برخلاف عید کے، کہ عید کی نماز چھوٹنے کے بعد اس کا حکم ایسا نہیں ہوتا (لہٰذا دونوں کا حکم مختلف ہوا) انتھیٰ۔ [1]

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ شہر کے بڑے اور مشہور مجامع میں عید کی نماز میں شریک نہ ہوں، وہ سب لوگ دو رکعات پڑھیں گے۔

یہی قول زیادہ قوی ہے، اور امام بخاری کے نزدیک اس حکم میں گھر کی خواتین بھی شامل ہیں۔

”الکواکبُ الدراری شرحُ البخاری“ کا حوالہ

علامہ شمس الدین کرمانی نے ”الکواکبُ الدراری شرحُ البخاری“ میں امام بخاری کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اس سے معلوم ہوا کہ عید کی نماز کے لئے جماعت شرط نہیں ہے، اور اگر عید کی نماز

---

[1] (قوله باب إذا فاته العيد) أى مع الإمام يصلى ركعتين فى هذه الترجمة حكمان مشروعية استدراك صلاة العيد إذا فاتت مع الجماعة سواء كانت بالاضطرار أو بالاختيار وكونها تقضى ركعتين كأصلها وخالف فى الأول جماعة منهم المزنى فقال لا تقضى وفيالثانى الثورى وأحمد قالا إن صلاها وحده صلى أربعا ولهما فى ذلك سلف قال بن مسعود من فاته العيد مع الإمام فليصل أربعا أخرجه سعيد بن منصور بإسناد صحيح وقال إسحاق إن صلاها فى الجماعة فركعتين وإلا فأربعا قال الزين بن المنير كأنهم قاسوها على الجمعة لكن الفرق ظاهر لأن من فاتته الجمعة يعود لفرضه من الظهر بخلاف العيد انتهى وقال أبو حنيفة يتخير بين القضاء والترك وبين الثنتين والأربع (فتح البارى شرح صحيح البخارى، ج ۲، ص ۴۷۵، باب إذا فاته العيد)

فوت ہوجائے، تو اس کی دو رکعتیں ہی پڑھی جائیں گی، جیسا کہ امام بخاری کے بیان کردہ دلائل سے معلوم ہوتا ہے۔

علامہ ابنِ بطال نے اس مسئلہ میں فقہاء کے اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ انتھیٰ۔ [1]

”منحةُ الباری شرحُ البخاری“ کا حوالہ

علامہ زکریا بن محمد انصاری نے ”منحةُ الباری شرحُ البخاری“ میں امام بخاری کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اگر کوئی امام کے ساتھ عید کی نماز نہ پڑھے، اور اس کی عید کی نماز فوت ہوجائے، تو وہ امام کی طرح عید کی دو رکعتیں ہی پڑھے گا۔

حنفیہ کا اس میں اختلاف ہے، انہوں نے دو اور چار رکعتوں کو پڑھنے کے درمیان اختیار دیا ہے۔

لیکن جمہور کا قول اس کے خلاف ہے، کہ وہ دو رکعتوں کے پڑھنے ہی کے قائل ہیں۔

اور اسی طریقہ سے جو عورتیں امام کے ساتھ نمازِ عید میں شریک نہ ہوں، اور عورتوں کے علاوہ جو لوگ گھروں میں موجود ہوں، اور اسی طریقہ سے جو لوگ گاؤں میں

---

[1] (باب إذا فاته العيد) أى مع الإمام والعرض منه بيان عدم اشتراط الجماعة فى صلاة العيد وأنه عند فوات ركعتان أيضا لا أربع ركعات ,قال ابن بطال :اختلفوا فيمن فاتته الصلاة مع الإمام فقال مالك والشافعى يصلى ركعتين ,وأحمد يصليها أربعا كمن لم يحضر الجمعة ,وأبو حنيفة إن شاء الله ركعتين وأولى الأقوال ما أشار إليه البخارى واستدل عليه بقوله صلى الله عليه وسلم)(هذا عيدنا) هو ذلك إشارة إلى الصلاة ,قوله)(وكذلك النساء () أى اللائى لم يحضرن المصلى مع الإمام ووجه الاستدلال بقوله هذا عيدنا أنه أضافه إلى أمة الإسلام من غير فرق بين من كان مع الإمام أو لم يكن)(وأهل الإسلام) منادى مضاف حذف منه حرف النداء قوله)(ابن أبى عتبة () بضم المهملة وسكون الفوقانية وبالموحدة منصوب بأنه يدل عن المولى أو بيان فى بعضها)(مولاهم) أى مولى أنس وبأصحابه و)(الزاوية) موضع على فرسخين من البصرة(الكواكب الدرارى فى شرح صحيح البخارى، لشمس الدين الكرمانى، ج٦ ،ص٨٨،باب إذا فاته العيد أهل الإسلام يصلى ركعتين وكذلك النساء ومن كان فى البيوت والقرى)

موجود ہوں، وہ سب عید کی نماز کی دو رکعتیں ہی پڑھیں گے۔

جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ یہ (عید کا تہوار) ہماری یعنی اہلِ اسلام کی عید ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نسبت خاص قسم کے مسلمانوں کی طرف نہیں فرمائی، بلکہ تمام مسلمانوں کی طرف فرمائی، جس میں عورتیں اور گھر میں موجود افراد اور گاؤں کے سب لوگ داخل ہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ، اور حضرت عکرمہ اور عطاء کی روایتیں بھی اسی بات کی دلیل ہیں۔ انتہیٰ۔ [1]

---

[1] (باب :إذا فاته العيد) أى :صلاته (يصلى ركعتين) أى : كهيئتهما مع الإمام، وخالفت الحنفية، فخيرته بين ركعتين على الأصل، وبين أربع؛ لخبر ابن مسعود بإسناد صحيح" :من فاته العيد مع الإمام،فليصل أربعا)
لكن الجمهور على خلافه.
(وكذلك النساء) أى :اللاتى لم يحضرن المصلى مع الإمام .(ومن كان فى البيوت) أى :ممن لم يحضرها معه من غير النساء .(والقرى) أى :وكذلك من كان فى القرى, ولم يحضر، وأشار بقوله :(ومن كان فى البيوت والقرى) إلى مخالفة ما روى عن على: لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع (هذا) أى :ما ذكر من ركعتى العيد عندنا .(أهل الإسلام) بنصب أهل على الاختصاص، أو على النداء بـ "يا"، وبها صرح، كما فى نسخة.
ووجه مطابقة الحديث للترجمة :ما فى هذا من الإشارة إلى الركعتين، وعمم بقوله : (أهل الإسلام) من كان مع الإمام ممن لم يكن معه من النساء ، وأهل القرى، وغيرهم. (مولاهم) أى :مولى أنس، وأصحابه، وفى نسخة" :مولاه "أى :مولى أنس .(ابن أبى عتبة) بنصب (ابن) بدل من مولى، أو عطف بيان و (عتبة) بضم العين، وسكون الفوقية، وفتح الموحدة، وفى نسخة " :غنية "بمعجمة مفتوحة، ونون مكسورة، وتحتية مشددة.
(بالزاوية) موضع على فرسخين من البصرة، كان بها قصر،وأرض لأنس .(فجمع) بتخفيف الميم .(وقال عطاء) فى نسخة" :وكان عطاء "(إذا فاته) أى :المصلى على النسخة الأولى، وعطاء على الثانية .(العيد) أى :صلاته(منحة البارى بشرح صحيح البخارى المسمى تحفة البارى ،لزكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصارى، ج٣،ص ٦٢ ،باب :إذا فاته العيد يصلى ركعتين)

''اللامعُ الصبيح بشرح الجامع الصحيح'' کا حوالہ

علامہ شمس الدین برماوی نے'' شرحُ البخاری ''میں امام بخاری کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جب امام کے ساتھ عید کی نماز فوت ہوجائے (یعنی کوئی باہر جا کر امام کے ساتھ نمازِ عید نہ پڑھ سکے) تو عید کی دو رکعتیں پڑھی جائیں گی، کیونکہ نمازِ عید کے لئے جماعت کا ہونا شرط نہیں، جیسا کہ امام شافعی اور امام مالک کا قول ہے۔

جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث ہے کہ یہ (عید کا تہوار) ہماری یعنی اہلِ اسلام کی عید ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نسبت مسلمانوں کے کسی مخصوص طبقہ وافراد کی طرف نہیں فرمائی، بلکہ تمام مسلمانوں کی طرف فرمائی، جس میں عورتیں اور گھر میں موجود افراد اور گاؤں کے سب لوگ داخل ہیں۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ، اور حضرت عطاء اور حضرت عکرمہ کی روایتیں بھی اسی بات کی دلیل ہیں۔ انتھیٰ۔ [1]

---

[1] (باب إذا فاته العيد)؛ أى :مع الإمام؛ أى :أن الجماعة لا تشترط فى العيد، وأنه عند الفوات ركعتان كما يقوله الشافعي ومالك، لا أربع كما يقوله أحمد إلحاقا لها بالجمعة إذا فاتت، ولا أنه مخير بين أربع وركعتين كقول أبى حنيفة.

"لقول النبى -صلى الله عليه وسلم "-أشار به البخارى إلى حديث عائشة فى الجاريتين اللتين كانتا تغنيان عند النبى -صلى الله عليه وسلم -، وفيه :(دعهما فإن لكل قوم عيدا، وهذا عيدنا)، وقد سبق فى (باب سنة العيدين)، وإلى حديث عقبة بن عامر :أنه -صلى الله عليه وسلم -قال فى يوم عرفة، وأيام التشريق" :عيدنا أهل الإسلام"، رواه أبو داود، والنسائى، وابن خزيمة، والحاكم وغيرهم.

"أهل الإسلام"؛ أى :يا أهل الإسلام، فحذف حرف النداء .

قال (ک :(وجه استدلال البخارى بذلک :أن قوله هذا إشارة للركعتين، وعمم بقوله :(يا أهل الإسلام) من كان مع الإمام أو لم يكن :النساء والقرى وغيرهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”ارشادُ الساری شرحُ البخاری“ کا حوالہ

علامہ قسطلانی نے ”ارشادُ الساری شرحُ البخاری “میں امام بخاری کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جب عید کی نماز فوت ہوجائے، تو وہ دو رکعتیں پڑھے گا، خواہ عذر کی وجہ سے اس کی نمازِ عید فوت ہو، یا بغیر عذر کے فوت ہو، اور اسی طریقہ سے عورتیں بھی، اور وہ لوگ بھی، جو گھروں میں ہوں، اور وہ لوگ بھی جو گاؤں، دیہات میں ہوں، وہ سب نمازِ عید کی دو رکعتیں پڑھیں گے۔

جس کی دلیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ یہ (عید کا تہوار) ہماری، اہلِ اسلام کی عید ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کے حکم میں تمام اہلِ اسلام کو شریک فرمایا، جس میں مرد، عورتیں اور گاؤں کے لوگ، اور وہ لوگ جو عیدگاہ اور مسجد میں نہ آسکیں، سب شامل ہیں۔

اور اس کی دلیل حضرت انس اور حضرت عطاء اور حضرت عکرمہ وغیرہ کی روایات بھی ہیں۔انتھیٰ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

"ابن أبی عتبة "بضم المهملة وسكون المثناة فوق والموحدة، بالنصب بدل عن (مولى)، أو بيان، وفی بعضها :(مولاهم)؛ أی :مولى أنس وأصحابه.

"بالزاوية "هی موضع على فرسخين من البصرة(اللامع الصبيح بشرح الجامع الصحيح،لشمس الدين البِرْماوی، ج۴،ص۳۸۷،باب إذا فاته العيد يصلی ركعتين وكذلك النساء ، ومن كان فی البيوت والقرى)

[1] باب إذا فاته العيد يصلی ركعتين وكذلك النساء ومن كان فی البيوت والقرى، لقول النبی -صلى الله عليه وسلم :-هذا عيدنا أهل الإسلام.

وأمر أنس بن مالك مولاهم ابن أبی عتبة بالزاوية فجمع أهله وبنيه وصلى كصلاة أهل المصر وتكبيرهم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’شرح صحیحُ البخاری لابنِ بطال‘‘ کا حوالہ

علامہ ابنِ بطال نے ’’شــرح صـحیـحُ البخـاری ‘‘ میں امام بخاری کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جس کی نمازِ عید فوت ہو جائے، اور اسی طرح عورتیں اور وہ لوگ جو اپنے گھروں میں ہوں، وہ عید کی نماز دو رکعات کی شکل میں ہی پڑھیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ یہ ہمارے اہلِ اسلام کی عید ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے واقعہ کی وجہ سے، جو کہ صحابیِ رسول ہیں، اور حضرت عکرمہ اور حضرت عطاء کی روایات کی وجہ سے۔انتھیٰ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وقال عكرمة :أهل السواد يجتمعون فى العيد يصلون ركعتين كما يصنع الإمام.
وقال عطاء :إذا فاته العيد صلى ركعتين.
هذا (باب) بالتنوين (إذا فاته العيد) أى :إذا فات الرجل صلاة العيد مع الإمام، سواء كان لعارض أم لا، (يصلى ركعتين) كهيئتها مع الإمام، لا أربعا.
خلافا لأحمد فيما نقل عنه، وعبارة المرداوى فى تنقيح المقنع :وإن فاتته سن قضاؤها قبل الزوال وبعده على صفاتها، وعنه :أربع بلا تكبير بسلام، قال بعضهم :كالظهر .اهـ.
واستدل بما روى سعيد بن منصور، بإسناد صحيح عن ابن مسعود من قوله :من فاته العيد مع الإمام فليصل أربعا .وقال المزنى وغيره :إذا فاتته لا يقضيها .وقال الحنفية :لا تقضى، لأن لها شرائط لا يقدر المنفرد على تحصيلها.
(وكذلك النساء) اللاتى لم يحضرن المصلى مع الإمام (و) كذلك (من كان فى البيوت) ممن لم يحضرها معه أيضا (و) كذلك من كان فى (القرى) ولم يحضر (لقول النبى -صلى الله عليه وسلم-) هذا عيدنا أهل الإسلام .(بنصب أهل على الاختصاص، أو منادى مضاف حذف منه حرف النداء، ويؤيده رواية أبى ذر فى نسخة عن الكشميهنى :يا أهل الإسلام؛ وأشار إلى حديث عائشة(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى،للقسطلانى، ج٢،ص ٢٢٦،باب إذا فاته العيد يصلى ركعتين)

[1] باب إذا فاته العيد يصلى ركعتين وكذلك النساء ومن كان فى البيوت والقرى، لقوله عليه السلام :هذا عيدنا أهل الإسلام، وأمر أنس بن مالك مولاهم ابن أبى عتبة بالزاوية، فجمع أهله

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

’’شرح صحیحُ البخاری لابنِ رجب‘‘ کا حوالہ

علامہ ابنِ رجب نے’’شرح صحیحُ البخاری‘‘میں فرمایا کہ:

اگر (مثلاً تیسویں) دن کے حصہ میں ہی یومِ عید کا علم ہو (کہ آج عید کا دن ہے) تو اگر زوال سے پہلے علم ہو، تو وہ اسی وقت نکل کر عید کی نماز پڑھیں گے۔

اور اگر اُن کو زوال کے بعد دن کے حصہ میں گواہی حاصل ہو، تو اکثر علماء کا قول یہ ہے کہ وہ اگلے دن صبح نماز کے لئے نکلیں گے، عمر بن عبدالعزیز، امام ثوری، امام ابوحنیفہ، امام اوزاعی، حضرت لیث اور اسحاق، اور امام احمد اور ابنِ منذر، ان سب کا یہی قول ہے، جس کی دلیل عمیر بن انس کی حدیث ہے۔

اور امام شافعی نے اس میں توقف کا اظہار کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ اگر یہ حدیث ثابت ہو، تو ہم اس کے مطابق قول کریں گے، جبکہ اس حدیث کو متعدد محدثین نے صحیح قرار دیا ہے، اور امام احمد نے اس سے دلیل پکڑی ہے (لہٰذا امام شافعی کے نزدیک بھی یہ حدیث قابلِ حجت ہونی چاہئے)

اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ مذکورہ صورت میں عید کی نماز ساقط ہو جائے گی، اور قضاء نہیں کی جائے گی، جیسا کہ جمعہ کو فوت ہونے کے بعد قضاء نہیں کیا جاتا، امام مالک، ابوثور اور امام شافعی کا ایک قول یہی ہے۔

لیکن امام شافعی کا مشہور قول یہ ہے کہ اگر شہر کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے لوگوں کا دن کے باقی حصہ میں جمع ہونا ممکن ہو، تو اسی دن نمازِ عید پڑھیں گے، ورنہ اگلے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبنيه، فصلى كصلاة أهل المصر وتكبيرهم .وقال عكرمة :أهل السواد يجتمعون فى العيد، يصلون ركعتين، كما يصنع الإمام .وقال عطاء :إذا فاته العيد صلى ركعتين(شرح صحيح البخارى لابن بطال، ج ٢، ص ٥٧٣، باب إذا فاته العيد يصلى ركعتين)

دن تک مؤخر کریں گے، اور امام شافعی کے اصحاب نے اس پر، اس مسئلہ کو مبنی کیا ہے کہ اگلے دن تک تاخیر کرنا، قضاء کہلائے گا، یا اداء کہلائے گا۔

اگر یہ کہا جائے کہ وہ اداء ہے، تو زوال کے بعد نہیں پڑھی جائے گی، کیونکہ اس کی ادائیگی کا وقت فوت ہو گیا۔

اور اگر کہا جائے کہ وہ قضاء ہے، تو اُن کے نزدیک دن کے باقی حصہ میں اگر لوگوں کو نمازِ عید کے لئے جمع ہونا ممکن ہو، تو اس کو اداء کیا جائے گا، ان کے نزدیک یہی قول زیادہ صحیح ہے، اور ان کے نزدیک اگلے دن تک مؤخر کرنے کے مقابلہ میں یہی افضل ہے، اور ان کے نزدیک اگر عید کا دن گزرنے کے بعد رات میں اس کا علم ہوا، تو بلا اختلاف اگلے دن پڑھی جائے گی، اور اس صورت میں ان کے نزدیک (یہ نمازِ عید) بلا اختلاف، اداء کہلائے گی۔ انتہیٰ۔ [1]

---

[1] وأما إن لم يعلم بالعيد إلا فى أثناء النهار، فإن علم به قبل زوال الشمس خرجوا من وقتهم، وصلوا صلاة العيد.

وإن شهدوا بعد الزوال فى أثناء النهار، فقال أكثر العلماء :يخرجون من الغد للصلاة، وهو قول عمر بن عبد العزيز والثورى وأبى حنيفة والأوزاعى والليث وإسحاق وأحمد وابن المنذر.

واستدلوا بما روى أبو عمير بن أنس، قال :حدثنى عمومة لى من الأنصار من أصحاب النبى -صلى الله عليه وسلم -قالوا :غم علينا هلال شوال، فأصبحنا صياما، فجاء ركب من آخر النهار، فشهدوا عند رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمر الناس أن يفطروا من يومهم، وأن يخرجوا لعيدهم من الغد.

خرجه الإمام أحمد وأبو داود والنسائى وابن ماجه.

وصححه إسحاق بن راهويه والخطابى والبيهقى.

واحتج به أحمد.

وتوقف فيه الشافعى، وقال :لو ثبت قلنا به.

وقالت طائفة :تسقط ولا تصلى بعد ذلك، كما لا تقضى الجمعة إذا فاتت، وهو قول مالك وأبى ثور والشافعى -فى قول له.

والقول المشهور، عنه :أنه إن أمكن جمع الناس فى بقية يومهم لصغر البلد خرجوا، وصلوا فى بقية اليوم، وإلا أخروه إلى الغد.

وبنى ذلك أصحابه على أن التأخير إلى الغد قضاء ، أو أداء .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور علامہ ابنِ رجب نے ''شرح صحیحُ البخاری '' میں امام بخاری کی عبارت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

جب کسی کی نمازِ عید فوت ہو جائے، اور اسی طریقہ سے عورتیں، اور وہ سب لوگ جو گھروں میں ہوں، خواہ عذر کی وجہ سے، یا بغیر عذر کے، اور وہ عید کی نماز میں شریک نہ ہوں، تو وہ نمازِ عید کی دو رکعتیں پڑھیں گے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی وجہ سے کہ یہ ہماری، یعنی اہلِ اسلام کی عید ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت اور حضرت عکرمہ اور حضرت عطاء کی روایات کی وجہ سے۔

امام بخاری نے اس باب میں چند مسائل ذکر کیے ہیں۔

جن میں ایک مسئلہ یہ ہے کہ جس کی امام کے ساتھ نمازِ عید فوت ہو جائے، وہ دو رکعتیں پڑھے گا۔

حضرت حسن، اور ابنِ سیرین اور مجاہد اور عکرمہ اور حضرت عطاء اور ابراہیم نخعی سے بھی اسی طرح کی روایات مروی ہیں۔

اور امام ابوحنیفہ کی ایک روایت بھی اسی کے مطابق ہے۔

اور امام مالک اور اوزاعی اور امام شافعی کا یہی قول ہے، اور امام احمد کی ایک روایت بھی اس کے مطابق ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإن قيل :إنه أداء ، لم تصل بعد الزوال؛ لأن وقت أدائها قد فات.

وإن قيل :إنه قضاء -وهو أصح عندهم -، قضيت فى بقية النهار، إذا أمكن جمع الناس فيه.

وهو أفضل -عندهم -من تـأخيرها إلى الغد، فى أصح الوجهين عندهم .ولا خلاف عندهم، أنه إذا لم يعلم بالعيد إلا فى الليلة الثانية، أنه يصلى من الغد.

قالوا :ويكـون أداء ، بغير خلاف(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لابن رجب، ج٨، ص ٤٦٣، أبواب العيدين،باب التبكير إلى العيد)

البتہ بعض دوسرے حضرات کا کہنا یہ ہے کہ وہ دو کے بجائے چار رکعتیں پڑھیں گے، اور بعض نے دو اور چار رکعتیں پڑھنے میں اختیار دیا ہے۔

اور امام احمد نے ایک روایت میں دو اور چار رکعتوں کی روایات کے مابین اس طرح جمع کیا ہے کہ اگر جماعت کے ساتھ عید کی نماز پڑھی جائے، تو امام کی طرح دو رکعتیں پڑھی جائیں، اور اگر تنہاء پڑھے، تو چار رکعتیں پڑھے۔

اور امام اسحاق نے فرمایا کہ اگر فوت شُدہ نمازِ عید کو گھر میں پڑھے، تو چار رکعات پڑھے، ظہر کی طرح اور اگر عیدگاہ میں پڑھے، تو تکبیرِ زوائد کے ساتھ دو رکعتیں پڑھے۔ انتہیٰ۔ [1]

---

[1] باب إذا فاته العيد يصلى ركعتين، وكذلك النساء ، ومن كان فى البيوت والقرى؛ لقول النبى -صلى الله عليه وسلم) :-(هذا عيدنا أهل الإسلام).
وأمر أنس بن مالك مولاهم ابن أبى عتبة بالزاوية، فجمع أهله وبنيه، فصلى بهم كصلاة أهل المصر وتكبيرهم.
وقال عكرمة :أهل السواد يجتمعون فى العيد، يصلون ركعتين، كما يصنع الإمام
وكان عطاء إذا فاته العيد صلى ركعتين.
ذكر البخارى فى هذا الباب مسائل.
أحدها:
من فاته صلاة العيد مع الإمام من أهل المصر ، فإنه يصلى ركعتين.
وحكاه عن عطاء .
وحكى -أيضا -عن أبى حنيفة والحسن وابن سيرين ومجاهد وعكرمة والنخعى، وهو قول مالك والليث والأوزاعى والشافعى وأحمد -فى رواية، عنه.
ثم اختلفوا :هل يصلى ركعتين بتكبير كتكبير الإمام، أم يصلى بغير تكبير؟
فقال الحسن والنخعى ومالك والشافعى وأحمد -فى رواية :-يصلى بتكبير ، كما يصلى الإمام.
واستدلوا بالمروى عن أنس، وأنس لم يفته فى المصر بل كان ساكنا خارجا من المصر بعيدا منه، فهوفى حكم أهل القرى.
وقد أشار إلى ذلك الإمام أحمد -فى رواية عنه.
والقول بانه يصلى كما يصلى الإمام قول أبى حنيفة وأبى بكر بن أبى شيبة، حتى قال :لايكبر إلا كما يكبر الإمام، لا يزيد عليه ولا ينقص.
وكذا قاله الإمام أحمد -فى رواية أبى طالب.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”التوضیح شرحُ الجامع الصحیح“ کا حوالہ

علامہ ابنِ ملقن نے ”التوضیح شرحُ الجامع الصحیح“ میں امام بخاری کی عبارت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعن ابن سيرين، قال :كانوا يستحبون إذا فات الرجل العيدان أن يمضى إلى الجبان، فيصنع كما يصنع الإمام.

وقال أحمد -فى رواية الأثرم :-أن صليت ذهب إلى الجبان فصلى، وإن شاء صلى مكانه.

وقال -فى رواية إسماعيل بن سعيد :-إذا صلى وحده لم يجهربالقراء ة، وإن جهر جاز.

وهذا عنده حكم المصلى الصلاة الجهرية مفردا، فلو صلاها فى جماعة جهر بها بغير إشكال، كما فعله الليث بن سعد.

وقد ذهب جماعة من العلماء إلى أن الإمام لايجهر بالقرأة فى صلاة العيدين إلا بمقدار ما يسمع من يليه، روى ذلك عن على، وهو قول الحسن والنخعى والثورى.

وذكر الحسن، عن أن النبى -صلى الله عليه وسلم -وأبا بكر وعمر كانوا يسمعون القراء ة فى العيدين والجمعة من يليهم.خرجه المروزى فى (كتاب العيدين).

وهو قول الثورى فى الجمعة والعيدين جميعا.

وقال عطاء والأوزاعى وأحمد -فى الرواية الأخرى :-يصلى من فاته العيد ركعتين بغير تكبير.

هذه الرواية، حكاها أبو بكر عبد العزيز بن جعفر فى كتاب (الشافى).

وقال أحمد :إنما التكبير مع الجماعة.

وجعله أبو بكر عبد العزيز كالتكبير خلف المكتوبة فى أيام التشريق.

وروى حنبل، عن أحمد، أنه مخير، إن شاء صلى بتكبير، وإن شاء صلى بغير تكبير.

وقالت طائفة :من فاتته صلاة العيد مع الإمام صلى أربع ركعات.

روى ذلك عن ابن مسعود من غير وجه.

وسوى ابن مسعود بين من فاتته الجمعة، ومن فاته العيد، فقال -فى كل منهما :-يصلى أربعا.

واحتج به الإمام أحمد.

ولا عبرة بتضعيف ابن المنذر له؛ فإنه روى بأسانيد صحيحة.

وهذا قول الشعبى والثورى وأحمد -فى رواية أخرى، عنه -، وهى اختيار أبى بكر عبد العزيز بن جعفر من أصحابنا، بناء على اختيارهم اشتراط الجماعة للعيد والاستيطان، ويكون الأربع عيدا.

نص عليه أحمد فى رواية الميمونى.

وهذا يشبه قول ابن شاقلا :إن أدرك تشهد الجمعة يصلى أربعا، وهى جمعة له، كما سبق ذلك.

وعلى هذا، فيصلى وحده من غير جماعة، نص عليه أحمد فى رواية محمد بن الحكم، وكذا ذكره أبو بكر عبد العزيز.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

کی شرح کرتے ہوئے فرمایا کہ:

اور اسی طریقہ سے عورتیں اور جو لوگ گھروں اور گاؤں میں ہوں، وہ بھی عید کی نماز

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وإنما يصلى فى جماعة إذا قلنا :يصلى صلاة العيد على صفتها.
وهل يصلى الأربع بسلام واحد، أو يخير بين ذلك وبين صلاتها بسلامين؟
فيه عن أحمد روايتان.
واختار أبو بكر صلاتها بسلام واحد، تشبيها لصلاتها بصلاة من تفوته الجمعة.
وعن أحمد :يخير بين أن يصلى ركعتين أو أربعا.
وهذا مذهب الثورى الذى حكاه أصحابه، عنه.
واستدل أحمد، بأنه روى عن أنس، أنه صلى ركعتين، وعن ابن مسعود أنه صلى أربعا.
وكذلك روى عن على، أنه أمر من يصلى بضعفة الناس فى المسجد أربعا، ولا يخطب بهم.
وروى أحمد بن القاسم، عن أحمد الجمع بين فعل أنس وقول ابن مسعود على وجه آخر، وهو :إن صلى من فاته العيد جماعة صلى كصلاة الإمام ركعتين، كما فعل أنس، وإن صلى وحده صلى أربعا، كما قال ابن مسعود.
وقال إسحاق :إن صلاها فى بيته صلاها أربعا كالظهر، وإن صلاها فى المصلى صلاها ركعتين بالتكبير؛ لأن عليا أمر الذى يصلى بضعفة الناس فى المسجد أن يصلى أربعا، ركعتين مكان صلاة العيد، وركعتين مكان خروجهم إلى الجبان، كذا رواه حنش بن المعتمر عن على.
واعلم؛ أن الاختلاف فى هذه المسألة ينبنى على أصل، وهو :أن صلاة العيد :هل يشترط لها العدد والاستيطان وإذن الإمام؟
فيه قولان للعلماء، هما روايتان عن أحمد.
وأكثر العلماء، على أنه لايشترط لها ذلك، وهو قول مالك والشافعى.
ومذهب أبى حنيفة وإسحاق :أنه يشترط لها ذلك.
فعلى قول الأولين :يصليها المنفرد لنفسه فى السفر والحضر والمرأة والعبد ومن فاتته، جماعة وفرادى.
لكن لا يخطب لها خطبة الإمام؛ لأن فيه افتئاتا عليه، وتفريقا للكلمة.
وعلى قول الآخرين :لايصليها إلا الإمام أو من أذن له، ولا تصلى إلا كما تصلى الجمعة، ومن فاتته، فإنه لايقضيها على صفتها، كما لايقضى الجمعة على صفتها.
ثم اختلفوا :فقال أبو حنيفة وأصحابه :لاتقضى بالكلية، بل تسقط، ولا يصلى من فاتته مع الإمام عيدا أصلا، وإنما يصلى تطوعا مطلقا، إن شاء صلى ركعتين، وإن شاء صلى أربعا.
وقال أحمد وإسحاق :بل تقضى كما قال ابن مسعود وغيره من الصحابة.
وليست العيد كالجمعة؛ ولهذا يصليها الإمام والناس معه إذا لم يعلموا بالعيد إلا من آخر النهار من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

پڑھیں گے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی وجہ سے کہ یہ ہمارے اہلِ اسلام کی عید ہے۔

اور حضرت عکرمہ، اور حضرت عطاء کی روایات کی وجہ سے، نیز حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت کی وجہ سے، جس کو دوسرے محدثین نے سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

پھر علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے کہ جس کی امام کے ساتھ نمازِ عید فوت ہوجائے، تو ایسا شخص بعض حضرات کے نزدیک امام کی طرح دو رکعت پڑھے گا، یہ قول حضرت عطاء، اور نخعی اور حسن، اور ابنِ سیرین سے مروی ہے، اور یہی قول امام مالک، اور امام شافعی اور ابوثور کا ہے، لیکن امام مالک نے اس کو واجب قرار نہیں دیا، بلکہ مستحب قرار دیا ہے۔

امام شافعی کا قول بھی اسی طرح کا ہے۔

اور امام اوزاعی نے فرمایا کہ وہ دو رکعتیں پڑھے گا، جس میں وہ قرائت نہیں کرے گا، اور امام والی تکبیر بھی نہیں کہے گا، اور اس کو یہ دو رکعتیں پڑھنا لازم بھی نہیں۔

اور ایک جماعت کا قول یہ ہے کہ اگر وہ چاہے تو چار رکعتیں پڑھ لے گا، کیونکہ امام کے ساتھ نکلنے کی صورت میں تو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں، جیسا کہ جو شخص جمعہ میں امام کے ساتھ شریک نہ ہو، وہ چار پڑھتا ہے، یہ حضرت علی، اور ابنِ مسعود سے

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

غد يوم الفطر، والجمعة لا تقضى بعد خروج وقتها، ولأن الخطبة ليست شرطا لها، فهى كسائر الصلوات، بخلاف الجمعة.

والذين قالوا :تقضى إذا فاتت مع الإمام، لم يختلفوا أنها تقضى ما دام وقتها باقيا .

فإن خرج وقتها، فهل تقضى؟ قال مالك :لاتقضى.

وعن الشافعى قولان. والمشهور عندنا :إنما تقضى.

ذوخرجوا فيها رواية اخرى :أنها لاتقضى(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لا بن رجب، ج ٩ ،ص ٧٥ ،الىٰ ٨٠ ،أبواب العيدين،باب إذا فاته العيد يصلى ركعتين)

مروی ہے، امام ثوری، اور امام احمد کا بھی یہی قول ہے، لیکن اگر وہ چاہے، تو ایک سلام سے پڑھے، اور اگر چاہے، تو دو سلاموں سے پڑھے۔

اور امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ اگر چاہے، تو نماز پڑھ لے، اور اگر چاہے، تو نہ پڑھے، پھر اگر نماز پڑھے، تو چار، اور دو رکعتیں پڑھنے میں اختیار ہے۔

اور امام اسحاق نے فرمایا کہ اگر عیدگاہ میں پڑھے، تو امام کی طرح دو رکعات پڑھے، ورنہ تو چار رکعات پڑھے۔

لیکن تمام اقوال میں صواب ودرستگی کے اعتبار سے اولیٰ اور بہتر قول یہ ہے کہ اسی طریقہ سے پڑھے، جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا ہے، اور اسی کی طرف امام بخاری نے اشارہ کیا ہے، اور اس پر حدیث سے استدلال کیا ہے۔

جس میں یہ حدیث بھی داخل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ہماری سنت کے مطابق عمل کیا، اس نے ہماری سنت کو پالیا، اور جس نے امام کی نماز کی طرح سے نماز پڑھی، تو اس نے بھی سنت کو پایا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، نمازِ عید کے دو رکعتیں پڑھنے کی ہے، نہ کہ چار رکعتیں پڑھنے کی۔

اور عید کے دن کے علاوہ میں نماز پڑھنے سے متعلق فقہاء کا اختلاف ہے۔

اور بعض متاخرین نے امام ابوحنیفہ کا یہ مذہب نقل کیا ہے کہ جس کی امام کے ساتھ نماز فوت ہوجائے، تو وہ قضاء نہیں کرے گا، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام جماعت کے ساتھ عید کی نماز پڑھ لے، اور بعض کی نماز فوت ہوجائے، یہاں تک کہ اس کا وقت نکل جائے، تو وہ پھر تنہاء اور جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھے گا، اور اس سے نمازِ عید ساقط ہوجائے گی۔

لیکن اگر دوسروں کے ساتھ ساتھ امام کی نماز بھی فوت ہوجائے، تو وہ اگلے دن

جماعت کے ساتھ پڑھے گا، جبکہ کسی عذر کی وجہ سے فوت ہوئی ہو، مثلاً اُن کو زوال کے بعد عید کے دن ہونے کا علم ہوا ہو۔

اور ابنِ حزم نے فرمایا کہ جو شخص عیدُ الفطر کے دن، عید کے لئے نہ نکلا، تو وہ دوسری مرتبہ نکلے گا، اور اگر دوسری مرتبہ بھی نہیں نکلا، تو اگلے دن سورج کے زوال سے پہلے نکلے گا، کیونکہ یہ فعلِ خیر ہے، اور یہی امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا قول ہے۔

اور عیدُ الاضحیٰ میں امام ابو حنیفہ کے نزدیک تیسرے دن بھی نکلے گا۔ انتھیٰ۔ [1]

---

[1] (وكذلك النساء، ومن كان فى البيوت والقرى لقول النبى -صلى الله عليه وسلم " :-هذا عيدنا أهل الإسلام"

(وقال عكرمة :أهل السواد يجتمعون فى العيد يصلون ركعتين كما يصنع الإمام .وقال عطاء :إذا فاته العيد صلى ركعتين.

هذا التعليق سلف فى باب سنة العيدين خلا :أهل الإسلام، وكأنه من البخارى.

قال :(وأمر أنس بن مالك مولاهم ابن أبى عتبة بالزاوية، فجمع أهلة وبنيه، وصلى كصلاة أهل المصر وتكبيرهم.

وهذا رواه ابن أبى شيبة عن ابن علية، عن يونس قال :حدثنى بعض آل أنس أن أنسا كان ربما جمع أهله وحشمه يوم العيد فيصلى بهم عبيد الله بن أبى عتبة ركعتين .

وقال البيهقى فى "المعرفة :"وروينا عن أنس بن مالك أنه كان إذا فاتته صلاة العيد مع الإمام جمع أهله فصلى بهم مثل صلاة الإمام فى العيد.

قال :وفى رواية أخرى :أمر مولاه عبيد الله ابن أبى عتبة فيصلى بهم كصلاة أهل العصر ركعتين، ويكبر بهم كتكبيرهم .قال :وهو قول محمد بن سيرين وعكرمة .

وأسنده فى "سننه "من حديث هشيم عن عبد الله بن أبى بكر بن أنس ابن مالك قال :كان أنس إذا فاتته صلاة العيد مع الإمام جمع أهله فصلى بهم مثل صلاة الإمام فى العيد .ثم قال :ويذكر عن أنس أنه كان إذا كان بمنزله بالزاوية فلم يشهد العيد بالبصرة جمع مواليه وولده ثم يأمر مولاه عبد الله بن أبى عتبة فيصلى بهم كصلاة أهل العصر ركعتين، ويكبر بهم كتكبيرهم.

وابن أبى عتبة (خ م س) جاء فى بعض الروايات :عبد الله.

وفى بعضها :عبيد الله .وفى "الجعديات "عن شعبة، عن قتادة، عن عبد الله -أو عبيد الله، مولى لأنس -عن أبى سعيد الخدرى .وهو روى عن مولاه أنس وعدة من الصحابة، وروى له، مسلم أيضا، وذكره ابن حبان فى "ثقاته "فى عبد الله مكبرا .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

علامہ ابنِ حزم کی اصل عبارت آگے آ رہی ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قال البخارى :(وقال عكرمة :أهل السواد يجتمعون فى العيد يصلون ركعتين كما يصنع الإمام.) وهذا رواه ابن أبى شيبة عن غندر، عن شعبة، عن قتادة عن عكرمة أنه قال فى القوم يكونون فى السواد فى السفر فى عيد فطر أو أضحى، قال :يجتمعون فيصلون ويؤمهم أحدهم .

قال البخارى :(وقال عطاء :إذا فاته العيد صلى ركعتين) وهذا رواه ابن أبى شيبة عن يحيى بن سعيد، عن ابن جريج، عن عطاء قال :يصلى ركعتين ويكبر .ذكره ابن أبى شيبة فى الرجل تفوته الصلاة فى العيدين، كم يصلى؟ .

ثم ذكر حديث عائشة أن أبا بكر رضى الله عنه دخل عليها وعندها جاريتان فى أيام منى تدففان - الحديث.

وسلف فى باب :الحراب والدرق يوم العيد .

أما فقه الباب:

فاختلف العلماء فيمن فاته صلاة العيد مع الإمام، فقالت طائفة :يصلى ركعتين مثل صلاة الإمام . روى ذلك عن عطاء والنخعى والحسن وابن سيرين، وهو قول مالك والشافعى وأبى ثور، إلا أن مالكا قال :يستحب له ذلك من غير إيجاب .قلت :وكذا قال الشافعى .وقال الأوزاعى :يصلى ركعتين ولا يجهر بالقراء ة، ولا يكبر بتكبير الإمام، وليس بلازم .

وقالت طائفة :يصليها أربعا إن شاء ؛ لأنها إنما تصلى ركعتين إذا صليت مع الإمام بالبروز لها، كما على من لم يحضر الجمعة مع الإمام أن يصلى أربعا .روى ذلك عن على وابن مسعود، وبه قال الثورى وأحمد، لكن إن شاء بتسليمة وإن شاء بتسليمتين .

وقال أبو حنيفة :إن شاء صلى وإن شاء لم يصل، فإن صلى صلى أربعا، وإن شاء ركعتين.

وقال إسحاق :إن صلى فى الجبانة صلى كصلاة الإمام وإلا صلى أربعا.

وأولى الأقوال بالصواب أن يصليها كما سنها رسول الله -صلى الله عليه وسلم -، وهو الذى أشار إليه البخارى، واستدل على ذلك بقوله" :هذا عيدنا أهل الإسلام "و"إنها أيام عيد "وذلك إشارة إلى الصلاة، وقد أبان ذلك بقوله " :أول نسكنا فى يومنا هذا أن نصلى ثم ننحر، فمن فعل ذلك فقد أصاب سنتنا. ومن صلى كصلاة الإمام فقد أصاب السنة.

واتفق مالك والكوفيون والمزنى على أنه لا تصلى صلاة العيد فى غير يوم العيد .وقال الشافعى فى أظهر قوليه :إنها تقضى متى شاء .)وحكى ابن المنذر عنه مثل ذلك، وفى قول :تصلى من الغد أداء .

واحتج عليه المزنى فقال :لما كان ما بعد الزوال أقرب إلى وقتها من اليوم الثانى ، وأجمعوا أنها لا تصلى إلا قبل الزوال فأحرى أن لا تصلى من الغد إذ هو أبعد.

وحرر بعض المتأخرين مذهب أبى حنيفة فقال :من فاتته مع الإمام لم يقضها .يعنى أنه صلاها الإمام فى جماعة وفاتت بعضهم حتى خرج وقتها فإنه لا يصليها وحده ولا جماعة، وسقطت عنه .وأما إذا

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

''فیضُ الباری شرحُ البخاری'' کا حوالہ

مشائخِ دیوبند واکابرِ دیوبند میں معروف علمی شخصیت، علامہ انور شاہ کشمیری نے ''فیضُ الباری شرحُ البخاری'' میں امام بخاری کی عبارت کی تشریح کے ذیل میں فرمایا کہ:

یہ بات جان لینی چاہئے کہ جماعت سے نمازِ عید کے فوت ہوجانے کے بعد، عید کی دو رکعتوں کا قضاء ہونا، دوسرا مسئلہ ہے، اور یہ اس کے قول پر بھی صادق آتا ہے، جو جمعہ فی القریٰ کا قائل نہ ہو، جیسا کہ حنفیہ۔

اور ہماری فقہ حنفی کی کتابوں میں یہ بات مذکور ہے کہ جس کی نمازِ عید فوت ہوجائے، تو وہ اپنے گھر میں، دو، یا چار رکعتیں پڑھے گا۔

لیکن حنفیہ میں سے کسی نے یہ بات نہیں لکھی کہ وہ اس نماز میں عید کی زائد تکبیرات پڑھے گا، یا نہیں پڑھے گا (رہا بعض کا یہ کہنا کہ چاشت کی طرح پڑھے گا، تو یہ زائد تکبیرات کے منافی نہیں، کیونکہ اس کا مقصود، تکبیرات کی نفی کے بجائے، جہری قرائت اور خطبہ کی نفی بھی ہوسکتی ہے)

پھر عید کی نماز کی قضاء فرض نمازوں کی طرح کی قضاء نہیں ہے، جو کہ فوت ہونے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فاتت الإمام أيضا فإنه يصليها مع الجماعة فى اليوم الثانى، إذا كان الفوات لعذر، مثل أن يظهر أنهم صلوها بعد الزوال فى يوم غير .

وقال ابن حزم :من لم يخرج يوم الفطر ولا يوم الأضحى للعيد خرج لها ثانية، فإن لم تخرج غدوة خرجت ما لم تزل الشمس؛ لأنه فعل خير، والله تعالى يقول :(وافعلوا الخير) (الحج77 :) ثم قال :وهذا قول أبى حنيفة والشافعى، ولو لم يخرج فى الثانى من الأضحى وخرج فى الثالث فقد قال به أبو حنيفة، وهو فعل خير لم يأت عنه نهى، واستدل بحديث أبى داود والنسائى وابن ماجه من حديث أبى عمير بن أنس بن مالك عن عمومة له من أصحاب النبى -صلى الله عليه وسلم -أن ركبا جاء وا إلى النبى -صلى الله عليه وسلم -يشهدون أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم أن يفطروا وإذا أصبحوا يغدو إلى مصلاهم صححه الخطابى والبيهقى وابن المنذر (التوضيح لشرح الجامع الصحيح،لابن الملقن،ج ١،ص ١٤٨ الى ١٥٣،باب إذا فاته العيد يصلى ركعتين)

کے بعد بھی ضروری رہتی ہے، بلکہ عید کی نماز کی قضاء سنت نماز کی قضاء کی طرح ہے (جس کو بعد میں پڑھنا جائز ومستحب ہے)

چنانچہ العنایۃ میں ہے کہ سنت کی بھی قضاء ہوتی ہے، لیکن یہ سنت سے استحباب کی طرف نزول کرلیتی ہے (اس حیثیت سے امام ابوحنیفہ کا قضاء کے متعلق یہ قول، دوسرے فقہاء کے اقوال کے مطابق، یا ان کے قریب تر کہلائے گا)

اور اس میں راز یہ ہے کہ سنت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے استمرارِ فعل سے ثابت ہوتی ہے، اور وہ وقتی خصوصیات کے ساتھ محفوظ ہوتی ہے، جس کے فوت ہونے کے بعد اس کا مطالبہ نہیں ہوتا۔

برخلاف فرائض اور واجبات کے، کیونکہ ان کا حکم، امر سے ثابت ہوتا ہے، اور جب وہ وقت کی وجہ سے فوت ہوجائے، تو اس کا مطالبہ باقی رہتا ہے۔

اور حضرت عطاء کے قول سے نمازِ عید کی قضاء کا حکم ثابت ہوتا ہے، جس کا حنفیہ کے موافق ہونا، جمعہ کے باب میں اس سے زیادہ صراحت کے ساتھ گزر چکا ہے، کہ گاؤں میں جمعہ نہیں ہے۔

اس لیے جمعہ فی القریٰ اور عیدین کی قضاء میں تمیز وفرق کرنا مناسب ہے (یعنی حضرت عطاء کی اس روایت سے گاؤں میں ابتداءً نمازِ عید کے مشروع ہونے کے بجائے، نمازِ عید کی قضاء پڑھنے کا ثبوت ہوتا ہے)

پھر یہ مسئلہ فوت شدہ عید کے متعلق ہے، نہ کہ عید کی ادائیگی کے متعلق، اور اس میں کوئی نزاع نہیں، لیکن امام بخاری نے ان دونوں مسئلوں کو جمع فرمادیا۔

تاہم امام بخاری رحمہ اللہ کے کلام میں اس کی کوئی دلیل نہیں، کہ انہوں نے ابتداءً جمعہ فی القریٰ کو جائز قرار دیا ہو۔

کیونکہ انہوں نے ''فائتہ'' کا باب باندھا ہے، نہ کہ ''اداء'' کا، لہٰذا یہ بات ممکن

ہے کہ وہ گاؤں میں پڑھی جانے والی عید "فــائتــه" ہو، نہ کہ گاؤں میں پڑھے جانے والی عید کی اداء نماز ہو۔

اور دوسرے فقہاء جمعہ کی قضاء کے قائل نہیں، بلکہ اس کے عوض ظہر کے قائل ہیں (لہٰذا اس سے جمعہ فی القریٰ اور اس پر قیاس کرتے ہوئے گاؤں میں عید کی نماز کا ثبوت نہ ہوگا)

اور میرے نزدیک حضرت انس رضی اللہ عنہ نے فوت شدہ عید کو پڑھا تھا، لہٰذا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت، موضعِ نزاع سے خارج ہے، کیونکہ قضاء کے ہم بھی منکر نہیں، البتہ حضرت عکرمہ کی روایت، نمازِ عید کے گاؤں میں قائم کرنے میں صریح ہے۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] واعلم أن قضاء ركعتي العيد بعد الفوات مسألة أخرى، ويتأتى على مذهب من لا يقول بالجمعة فى القرى أيضا .ففى مبسوطات فقهنا :من فاتته سئخنة العيد .فإنه يصلى ركعتين أو أربعا فى بيته .ولم يكتب أحدهم ماذا يفعل مع التكبيرات .ثم إن هذا القضاء ليس كقضاء المكتوبات، فإنه يبقى واجبا بعد الفوات أيضا، بل هو كقضاء السنة.

وفى العناية :أن للسنة أيضا قضاء ، ولكنها تنحط عن السنية إلى الاستحباب .والسر فيه أن السنة تثبت باستمرار فعله صلى الله عليه وسلم وتكون محفوفة بالخصوصية الوقتية، فلا يبقى له طالب بعد الفوات، بخلاف الواجب والفرض، فإنه يثبب بالأمر، فإذا فات عن وقته بقى الأمر طالبا له. وهذا معنى ما كتبه الأصوليون أن الموجب فى الوقت هو الأمر، فإذا لم يؤده فى الوقت استمر طلب الأمر منه، وليس هكذا حال السنة فإنها تكون محفوفة بالخصوصية، فإذا فاتتا عن وقتها لا يبقى لها طالب بعده .ومن العجائب ما فى مختصر خليل أن قضاء السنن حرام.

قوله :(قال عطاء :إذا فاته العيد صلى ركعتين) فعطاء يقول بالقضاء ، مع أنه قد مر عنه فى باب الجمعة ما أصرح منه فى موافقته للحنفية :أن لا جمعة فى القرى .ولذا ينبغى التمييز بين مسألة الجمعة فى القرى وقضاء العيدين.

ثم إن مسألته فى العيد فى الفائتة دون المؤداة ولا نزاع فيها، والمصنف جمع بينهما، ولا دليل فى كلام المصنف رحمه الله تعالى أنه أجاز العيد فى القرى أو لا، لأنه بوب بالفائتة دون المؤادة . فيجوز أن تكون الإعادة من جهة الفوات لا لكون العيد فى القرى .ثم إنهم لم يقولوا بالقضاء عن الجمعة، بل يصلى الظهر، لأن الجمعة بدل عنها فلا تقام بها إلا عند استجماع شرائطها، والاستيقان بتحقيقها.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہماری رائے بھی نمازِ عید کے مسئلہ میں علامہ کشمیری کی رائے کے مطابق ہے۔

علامہ کشمیری کی یہ رائے، اُن جلیلُ القدر تابعین اور بعض صحابۂ کرام کے آثار اور جمہور کے مطابق ہے، جن سے فقہائے کرام بھی اپنے دیگر مسائل میں استدلال فرماتے ہیں۔

اور غالبًا ان ہی روایات وآثار کی بناء پر علامہ کشمیری نے ہر قسم کے تعصب سے بالاتر ہوکر، اس نماز کے عید کی قضاء ہونے کی طرف رُجحان ظاہر کیا ہے، جوکہ ایک دیانت دار محقق کی شان ہے، اور آگے آتا ہے کہ متعدد مشائخِ حنفیہ نے جو امام کے ساتھ نمازِ عید فوت ہونے کے بعد پڑھی جانے والی اس نماز کو عام چاشت کی قرار دیا ہے، جس سے اس کے نمازِ عید نہ ہونے کا تأثر ملتا ہے، تو وہ تعبیر والفاظ کا اختلاف ہے، اُس سے نمازِ عید کے عنوان سے پڑھنے کا گناہ ہونا لازم نہیں آتا، اور بظاہر ہمارے نزدیک یہی راجح ہے۔

البتہ یہاں یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ زوال تک تو عید کی نماز کے اداء ہونے کا وقت ہے، پھر وقت کے اندر تنہاء یا باجماعت پڑھنے والے کو قضاء کا نام کیوں دیا گیا؟

تو اس کے جواب میں عرض ہے کہ جملہ فقہائے کرام کے نزدیک نمازِ عید کا کامل طریقہ یہی ہے کہ معروف ومعتاد طریقہ پر باجماعت اداء کی جائے، اور جو شخص، یا جو اشخاص اس معروف ومعتاد طریقہ سے ہٹ کر نماز پڑھیں گے، تو وہ ایک حیثیت سے قضاء ہو جائے گی۔

’’المنتقیٰ شرح الموطأ‘‘ کا حوالہ

سلیمان بن خلف قرطبی ’’المنتقیٰ شرح الموطا‘‘ میں فرماتے ہیں کہ:

عید کی نماز امام مالک کے نزدیک جماعت کے ساتھ سنت ہے، اور جس کی نماز

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله :(وصلى كصلاة أهل المصر) وقد ثبت عندى أنه فاتته العيد فصلى كذلک، وحينئذ خرج أثر أنس رضى الله تعالى عنه عن موضع النزاع، فإن القضاء لا ينكر هنا أيضا .نعم، أثر عكرمة صريح فى إقامة العيد فى القرى (فيض البارى على صحيح البخارى، ج٢،ص ٤٧٩،باب إذا فاته العيد يصلى ركعتين، وكذلک النساء ، ومن كان فى البيوت والقرى)

جماعت سے فوت ہو جائے، تو اس پر عید کی نماز لازم نہیں، پھر اگر چاہے، تو پڑھ لے، اور چاہے تو ترک کر دے۔

اور ابنِ حبیب نے فرمایا کہ یہ تمام مسلمانوں کے لئے لازمی سنت ہے، عورتوں کے لئے بھی، غلاموں کے لئے بھی اور مسافروں کے لئے بھی، اور سمجھدار بچوں کے لئے بھی، اپنے گھروں میں، یا جہاں بھی ہوں، وہیں پڑھیں گے، اگرچہ وہ جماعت میں شریک نہ ہوں۔

اور امام مالک نے مدونہ میں فرمایا کہ عورتوں پر عید کی نماز واجب نہیں، مگر اُن کے لئے مستحب ہے۔

پھر جو شخص جماعت سے رہ جائے، تو کیا وہ جماعت کے ساتھ پڑھے گا، اس کے متعلق امام مالک نے مدونہ میں فرمایا کہ عورتیں اگر نہ نکلیں، تو وہ جمع ہو کر نہیں پڑھیں گی، اور اگر وہ پڑھیں گی، تو تنہاء پڑھیں گی، اور ابنِ حبیب نے فرمایا کہ جب کوئی شخص عید کی نماز سے رہ جائے، تو وہ اپنے گھر والوں یا چند لوگوں کے ساتھ، جو اس کے پاس ہوں، یا مسجد میں ہوں، جماعت کے ساتھ نماز پڑھے گا۔

اور ابنِ نافع اور اشہب نے روایت کیا ہے کہ جس پر جمعہ کی نماز واجب نہیں، اس پر عید کی نماز بھی نہیں، اور ابنِ قاسم نے امام مالک سے روایت کیا ہے کہ جس گاؤں میں دس افراد ہوں، نمازِ عید وہاں بھی سنت ہوگی۔

اور جس شخص کی نمازِ عید فوت ہو جائے، اُس کو تنہاء عید گاہ، یا اپنے گھر میں نماز سے منع نہیں کیا جائے گا، کیونکہ امام کے ساتھ اس کی نماز فوت ہونے کے بعد اُس کی طرف سے امام کی مخالفت، یا اُس کا اظہار نہیں پایا جاتا۔

اسی وجہ سے جس شخص کی مسجد کے امامِ راتِب سے جماعت کی نماز فوت ہو جائے، اُس کو تنہاء مسجد میں، یا گھر میں نماز پڑھنا جائز ہے، البتہ اس کو مسجد میں دوسری

جماعت منع ہے۔ انتہیٰ۔[1]

اس سے معلوم ہوا کہ نمازِ عید باجماعت فوت ہونے کے بعد اس کے قضاء پڑھنے میں کوئی مانع نہیں پایا جاتا، بلکہ یہ ایک کارِ خیر اور باعثِ اجروثواب عمل ہے۔

”المسالک شرح موطأ مالک“ کا حوالہ

علامہ ابنِ عربی نے ”المسالک شرح موطأ مالک“ میں فرمایا کہ:

جس کی امام کے ساتھ عید کی نماز فوت ہوجائے، اس کے بارے میں بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ وہ عید کی نماز کی طرح دو رکعات ہی پڑھے گا، لیکن

---

[1] وهذا كما قال لأن صلاة العيد إنما سنت للجماعة وتلك الجماعة هم عند مالك الرجال الأحرار فمن فاتته تلك الجماعة لم يلزمه صلاة العيد فإن شاء صلاها وإن شاء تركها.
وقال ابن حبيب هى سنة لازمة لجميع المسلمين النساء والعبيد والمسافرين ومن عقل الصلاة من الصبيان يصلونها فى بيوتهم وحيث كانوا وإن لم يشهدوها فى الجماعة.
وقد قال مالك فى المدونة ليس على النساء ذلك إلا أنه يستحب لهن، وجه قول مالك أن هذه صلاة عيد فلم تلزم المفرد كصلاة الجمعة، ووجه قول ابن حبيب أن كل صلاة لا تسقط عن الرجال فإنها لا تسقط عن النساء إلى غير بدل كسائر الفروض.
(فرع) وإذا صلاها من تخلف عن الجماعة هل يصليها فى جماعة قال مالك فى المدونة فيمن يخرج إليها من النساء لا يجمع بهن أحد وإن صلين صلين أفذاذا.
وقال ابن حبيب لا بأس أن يجمع الرجل صلاة العيد إذا تخلف عنها مع أهله أو مع نفر يكونون عنده أو فى مسجدهم، وجه قول مالك أن هذه صلاة عيد فلا يجمعها من فاتته كصلاة الجمعة ووجه قول ابن حبيب أن هذه صلاة مسنونة يلحقها التغيير فجاز أن تجمع مع غير الإمام وإن جمع فيها الإمام كصلاة الكسوف.
(مسألة) وفى أى المواضع يلزم روى ابن نافع وأشهب أن صلاتها ليست إلا على من عليه صلاة الجمعة وروى ابن القاسم عن مالك أنها تلزم القرية فيها عشرون رجلا والنزول إليها من ثلاث أميال كالجمعة.
(مسألة) وقوله إن صلى فى المصلى أو فى بيته لم أر بذلك بأسا يريد أنه لا يمنع من ذلك حين فاتته لأنه ليس فى صلاته وحده بعد الإمام افتيات عليه ولا إظهار لمخالفته ولذلك جوز لمن فاتته صلاة الجماعة فى مسجد له إمام راتب أن يصليها فى المسجد وحده أو فى بيته ومنعاه من أن يصليها فيه بجماعة أخرى(المنتقى شرح الموطإ، ج ١، ص ٣٢٠، ما جاء فى التكبير والقراءة فى صلاة العيدين)

بعض حضرات کا کہنا یہ ہے کہ اس کو دو، یا چار رکعتوں کے پڑھنے میں اختیار ہوگا، امام ابو حنیفہ کا یہی قول ہے۔

لیکن ہمارے نزدیک ان تمام اقوال میں بہتر قول وہی ہے، کہ عید کی نماز اسی طریقہ سے پڑھے، جس طریقہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنت قرار دیا ہے، اور اسی کی طرف امام بخاری نے اپنا رجحان ظاہر فرمایا ہے۔ انتھیٰ۔ [1]

''المحلیٰ بالآثار'' کا حوالہ

علامہ ابنِ حزم نے ''المحلیٰ بالآثار'' میں فرمایا کہ:

جو شخص عیدین کی نماز کے لئے عیدُ الفطر اور عیدُ الاضحیٰ کے لئے نہیں نکلا، تو وہ دوسرے دن نکلے گا، اور اگر صبح کے وقت نہیں نکلا، تو سورج کے زوال تک نکلے گا، اس لئے کہ یہ فعلِ خیر ہے، اور اللہ تعالیٰ کا سورہ حج میں ارشاد ہے کہ خیر کے عمل کو کرو۔

اس کے علاوہ عمیر بن انس کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اور یہی قول امام ابو حنیفہ اور امام شافعی کا ہے، اور اگر عیدُ الاضحیٰ کے دوسرے دن نہیں نکلا، تو

---

[1] اختلف العلماء فيمن فاته العيد مع الإمام:
فقالت طائفة :يصلى ركعتين مثل صلاة الإمام، وروى ذلک عن عطاء ، والنخعى، وابن سيرين، والحسن، وهو قوله مالک والشافعى، إلا أن مالكا قال :أستحب له ذلک من غير إيجاب.
وقال الأوزاعى :يصلى ركعتين ولا يجهر بالقراء ة، ولا يكبر تكبير الإمام، وليس بلازم.
وقالت طائفة :يصليها أربعا .
وقال أبو حنيفة :إن شاء صلى وإن شاء لم يصل، وهو بالخيار بأن يصلى ركعتين أو أربعا.
قال الإمام :وأولى هذه الأقوال بالصواب أن يصليها كما سنها رسول الله -صلى الله عليه وسلم -، وهو الذى أشار إليه البخارى(المسالِک فى شرح مُوَطَّأ مالک،لابن العربى المالكى،ج٣،ص ٢٧٠،كتاب صلاة العيدين والتجمل فيهما،غدو الإمام يوم الفطر وانتظار الخطبة)

تیسرے دن نکلے گا، امام ابوحنیفہ کا یہی قول ہے، اور یہ فعلِ خیر ہے، جس کے بارے میں کوئی ممانعت وارد نہیں ہوئی ہے۔انتھیٰ۔ [1]

’’نیلُ الاوطار‘‘ کا حوالہ

اورامام شوکانی نے’’نیلُ الاوطار‘‘میں فرمایا کہ:

اس حدیث میں اُن حضرات کے لئے دلیل ہے، جن کا کہنا ہے کہ اگر وقت نکلنے کے بعد ہی عید کا علم ہوا ہو، تو عید کی نماز دوسرے دن پڑھی جائے گی، اسی کی طرف امام اوزاعی، ثوری، اور امام احمد اور اسحاق اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف اور امام محمد گئے ہیں، اور امام شافعی کا بھی ایک قول یہی ہے، اور ابوطالب نے یہ قید لگائی ہے کہ پہلے دن عید کی نماز ترک کرنا، التباس کی وجہ سے ہو۔

لیکن اس بات کی تردید کی گئی ہے، کیونکہ التباس تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمراہیوں کے لئے تھا، آنے والے سواروں کے لئے نہیں تھا، انہوں نے تو

---

[1] مسألة :ومن لم يخرج يوم الفطر، ولا يوم الأضحى لصلاة العيدين :خرج لصلاتهما فى اليوم الثانى، وإن لم يخرج غدوة خرج ما لم تزل الشمس، لأنه فعل خير، وقال تعالى :(وافعلوا الخير) (الحج)

حدثنا عبد الله بن ربيع ثنا عمر بن عبد الملك ثنا محمد بن بكر ثنا أبو داود ثنا حفص بن عمر هو الحوضى -ثنا شعبة عن جعفر بن أبى وحشية عن أبى عمير بن أنس بن مالك عن عمومة له من أصحاب النبى -صلى الله عليه وسلم -أن ركبا جاء وا إلى رسول الله -صلى الله عليه وسلم - يشهدون أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم أن يفطروا وإذا أصبحوا يغدوا إلى مصلاهم .

قال أبو محمد :هذا مسند صحيح، وأبو عمير مقطوع على أنه لا يخفى عليه من أعمامه من صحت صحبته ممن لم تصح صحبته وإنما يكون هذا علة ممن يمكن أن يخفى عليه هذا، والصحابة كلهم عدول -رضى الله عنهم -، لثناء الله تعالى عليهم.

وهذا قول أبى حنيفة، والشافعى فلو لم يخرج فى الثانى من الأضحى وخرج فى الثالث فقد قال به أبو حنيفة، وهو فعل خير لم يأت عنه نهى؟(المحلى بالآثار،لا بن حزم الأندلس، ج٣،ص٣٠٧،مسألة لم يخرج يوم الفطر ولا يوم الأضحى لصلاة العيدين،رقم المسئلة:٥٥٢)

گزشتہ دن چاند دیکھنے کے باوجود عید کے دن عمداً نمازِ عید کو ترک کر دیا تھا، لیکن اس کے باوجود ان کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عید کی نماز کا حکم فرمایا، جیسا کہ ابوداؤد کی روایت میں ہے۔

اور یہ روایت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ التباس اور غیر التباس میں کوئی فرق نہیں، جیسا کہ دیگر حضرات کا قول ہے، یا تو انہوں نے اس حدیث کی وجہ سے ہی یہ قول کیا ہے، یا اس پر قیاس کیا ہے۔

اور اس حدیث سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے دن عید کی نماز اداء کہلائے گی، قضاء نہیں کہلائے گی۔

اور خطابی نے امام شافعی سے روایت کیا ہے کہ اگر اُن کو زوال سے پہلے عید کا علم ہو جائے، تو وہ نماز پڑھیں گے، ورنہ نہ تو اس دن پڑھیں گے، اور نہ اگلے دن پڑھیں گے، کیونکہ یہ ایک خاص وقت کا عمل ہے، جس کو دوسرے وقت میں نہیں کیا جاسکتا، امام مالک اور ابوثور کا بھی ایک قول یہی ہے۔

لیکن خطابی نے فرمایا کہ اگلے دن پڑھنا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت، اور اتباع کے زیادہ لائق ہے، اور ابو عمیر کی حدیث صحیح ہے، لہٰذا اس پر عمل واجب ہے۔

اور شرحُ القدوری میں حنفیہ کا یہ قول مروی ہے کہ اگر (عیدُ الاضحیٰ کی نماز) دوسرے دن بھی سورج کے زوال تک نماز نہ پڑھی جاسکے، تو تیسرے دن زوال تک پڑھنا جائز ہے، اگر تیسرے دن زوال تک بھی نہ پڑھی جاسکے، تو اُن سے عید کی نماز ساقط ہو جائے گی، چاہے عذر کی وجہ سے ہو، یا بغیر عذر کے۔

اور یہ حدیث عیدُ الفطر کے بارے میں وارد ہوئی ہے، پس جو حضرات قیاس کے قائل ہیں، انہوں نے اس کے ساتھ عیدُ الاضحیٰ کو بھی لاحق کیا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سواروں کے لئے عیدگاہ کی طرف، نمازِ عید کے لئے نکلنے کے حکم سے

استدلال کیا ہے۔انتھیٰ۔ ۱؎

”مرعاۃ،شرح مشکاۃ“ کا حوالہ

اہلِ حدیث سلسلہ کے عالم علامہ مبارک پوری نے مشکاۃ کی شرح ”مرعاۃ“ میں فرمایا کہ:

اس (ابوعمیر بن انس کی) حدیث سے امام ابوحنیفہ اور امام احمد وغیرہ نے یہ دلیل پکڑی ہے کہ نمازِ عید کا وقت زوال تک ہوتا ہے، اس لئے کہ اگر عید کی نماز زوال کے بعد بھی ادا کی جاسکتی، تو رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو اگلے دن صبح کے وقت تک مؤخر کرنے کا حکم نہ فرماتے۔

پھر امام شوکانی کی عبارت ذکر کر کے فرمایا کہ امام شافعی نے اپنے قول کو اس حدیث کی صحت پر معلق کیا ہے، اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے،

۱؎ والحديث دليل لمن قال :إن صلاة العيد تصلى فى اليوم الثانى إن لم يتبين العيد إلا بعد خروج وقت صلاته، وإلى ذلك ذهب الأوزاعي والثورى وأحمد وإسحاق وأبو حنيفة وأبو يوسف ومحمد وهو قول للشافعي :ومن أهل البيت الهادى والقاسم والناصر والمؤيد بالله وأبو طالب وقيد ذلك أبو طالب بشرط أن يكون ترك الصلاة فى اليوم الأول للبس كما فى الحديث.

ورد بأن كون الترك للبس إنما هو للنبى -صلى الله عليه وسلم -ومن معه لا للركب؛ لأنهم تركوا الصلاة في يوم العيد عمدا بعد رؤيتهم للهلال بالأمس، فأمر النبى -صلى الله عليه وسلم -لهم كما فى رواية أبى داود، يدل على عدم الفرق بين عذر اللبس وغيره كما ذهب إلى ذلك الباقون، فإنهم لا يفرقون بين اللبس وغيره من الأعذار إما لذلك وإما قياسا لها عليه .وظاهر الحديث أن الصلاة فى اليوم الثانى أداء لا قضاء .

وروى الخطابى عن الشافعي أنهم إن علموا بالعيد قبل الزوال صلوا، وإلا لم يصلوا يومهم ولا من الغد؛ لأنه عمل فى وقت فلا يعمل فى غيره، قال :وكذا قال مالك وأبو ثور .قال الخطابى :سنة النبى -صلى الله عليه وسلم -أولى بالاتباع .وحديث أبى عمير صحيح فالمصير إليه واجب .اهـ.

وحكى فى شرح القدورى عن الحنفية أنهم إذا لم يصلوها فى اليوم الثانى حتى زالت الشمس صلوها فى اليوم الثالث، فإن لم يصلوها فيه حتى زالت الشمس سقطت سواء كان لعذر أو لغير عذر .اهـ .والحديث وارد فى عيد الفطر، فمن قال بالقياس ألحق به عيد الأضحى وقد استدل بأمره -صلى الله عليه وسلم -للركب أن يخرجوا إلى المصلى لصلاة العيد(نيل الأوطار،للشوكانى، ج۳،ص ۳۶۸، كتاب العيدين،باب حكم الهلال إذا غم ثم علم به من آخر النهار)

جس کو کئی ائمہ نے صحیح قرار دیا ہے، لہٰذا اس حدیث کے مطابق قول کرنا واجب ہوا۔

اور علماء کا اس شخص کے بارے میں اختلاف ہے کہ جس نے امام کے ساتھ عید کی نماز کو نہیں پایا، مزنی، اور امام مالک اور امام ابو حنیفہ اس کی قضاء نہ کرنے کی طرف گئے ہیں، یہی قول امام احمد کا ہے۔

پھر علامہ ابنِ قدامہ حنبلی کی عبارت نقل کر کے فرمایا کہ امام کے ساتھ عید کی نماز فوت ہونے والے کو دو رکعتیں، تکبیر کے ساتھ پڑھنے کی طرف امام بخاری گئے ہیں، اور امام بخاری کا باب باندھنا بھی اسی پر دلالت کرتا ہے، اور ہمارے نزدیک یہی قول راجح ہے۔ انتہیٰ۔ [1]

---

[1] وبه أخذ أحمد وأبو حنيفة وغيرهما أن وقتها إلى زوالها إذ لو كانت صلاة العيد تؤدى بعد الزوال لما أخرها رسول الله -صلى الله عليه وسلم -إلى الغد (فأمرهم) أى الناس (أن يفطروا) أى ذلک اليوم؛ لأنه ثبت أنه يوم عيد الفطر (وإذا أصبحوا) أى فى اليوم الثانى من شوال (أن يغدوا) أى يذهبوا فى الغدوة أى جميعا (إلى مصلاهم) لصلاة العيد، كما فى رواية ابن ماجه وغيره، قال الشوكانى :الحديث دليل لمن قال :إن صلاة العيد تصلى فى اليوم الثانى إن لم يتبين العيد إلا بعد خروج وقت صلاته، وإلى ذلک ذهب الأوزاعى والثورى وأحمد وإسحاق وأبو حنيفة وأبويوسف ومحمد، وهو قول للشافعى، وظاهر الحديث أن الصلاة فى اليوم الثانى أداء لا قضاء -انتهى .وقال الخطابى فى المعالم (ج 1ص252) : وإلى هذا الحديث ذهب الأوزاعى وسفيان الثورى وأحمد بن حنبل وإسحاق .وقال الشافعى :إن علموا بذلک قبل الزوال خرجوا وصلى الإمام بهم صلاة العيد، وإن لم يعلموا إلا بعد الزوال لم يصلوا يومهم ولا من الغد؛ لأنه عمل فى وقت إذا جاز ذلک الوقت لم يعمل فى غيره، وكذلک قال مالک وأبوثور، قال الخطابى :سنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أولى، وحديث أبى عمير صحيح، فالمصير إليه واجب -انتهى .

قلت :وروى البيهقى عن الشافعى ما يدل على أنه علق القول به على صحة هذا الحديث، وقد تقدم أن الحديث صحيح، صححه غير واحد من الأئمة، فالقول به واجب .(رواه أبوداود والنسائى) وأخرجه أيضا أحمد وابن ماجه فى الصيام والدارقطنى والبيهقى (ج 3ص316) ، وابن حبان فى صحيحه، وسكت عنه أبوداود والمنذرى، وصححه الدارقطنى والبيهقى والنووى وابن المنذر وابن السكن وابن حزم والخطابى والحافظ ابن حجر فى بلوغ المرام .

فائدة :اختلف العلماء فيمن لم يدرک صلاة العيد مع الإمام، فذهب المزنى ومالک وأبوحنيفة إلى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام مالک کا قول، جو مذکورہ عبارت میں ذکر کیا گیا، ان کا معروف قول اس کے علاوہ ہے، اور امام ابوحنیفہ کے متعلق الگ مقام پر ذکر کیا جا چکا۔

''مرقاۃ، شرح مشکاۃ'' کا حوالہ

ملا علی قاری نے ''مرقاۃ'' کی شرح ''مشکاۃ'' میں ابو عمیر بن انس کی حدیث کی شرح کے ذیل میں فرمایا کہ:

اگر زوال کے بعد چاند کی شہادت حاصل ہو، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک لوگ روزہ توڑ دیں گے، اور اگلے دن صبح کو عید کی نماز پڑھیں گے۔

علامہ ابنِ حجر نے فرمایا کہ عید کی قضاء نماز کی دو رکعتیں اسی طرح ہیں، جس طرح اداء کی ہوتی ہیں، جیسا کہ امام شافعی اور امام مالک کا قول ہے۔

اور امام احمد نے فرمایا کہ جمعہ کی طرح چار رکعتیں پڑھی جائیں گی، اور امام ابوحنیفہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أنه لا يقضيها، وبه قال أحمد، قال ابن قدامة :من فاتته صلاة العيد أى مع الجماعة، فلا قضاء عليه - انتهى .وذهب الشافعي إلى أنه يقضيها، واختلفوا أيضا فى أنه كيف يقضى، فقال أبوحنيفة :إن شاء صلى وإن شاء لم يصل، فإن شاء صلى أربعا وإن شاء صلى ركعتين، وإليه ذهب أحمد.

قال ابن قدامة :من فاتته صلاة العيد فلا قضاء عليه، فإن أحب قضاء ها فهو مخير إن شاء صلاها أربعا، روى هذا عن ابن مسعود، وهو قول الثورى، قال ابن مسعود :من فاته العيد مع الإمام فليصل أربعا -أخرجه سعيد بن منصور بإسناد صحيح -، وإن شاء أن يصلى ركعتين، كصلاة التطوع، وهو قول الأوزاعى، وإن شاء صلاها على صفة صلاة العيد بتكبير وحده أو فى جماعة، نقل ذلك عن أحمد إسماعيل بن سعد، واختاره الجوزجانى، وهذا قول النخعى ومالك والشافعى وأبى ثور وابن المنذر أنه يصليها كما يصلى مع الإمام إلا أن مالكا استحب له ذلك من غير إيجاب،

وذلك لما روى البيهقى عن عبد الله بن أبى بكر بن أنس قال :كان أنس إذا فاته العيد مع الإمام جمع أهله فصلى بهم مثل صلاة الإمام فى العيد، وروى ابن أبى شيبة عن ابن جريج عن عطاء بن أبى رباح قال :من فاته العيد يصلى ركعتين ويكبر؛ ولأنه قضاء صلاة فكان على صفتها كسائر الصلوات (انتهىٰ)

.قلت :وإليه ذهب البخارى، كما يدل عليه تبويبه، وهو قول الراجح عندنا(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۵،ص ۶۵ ،باب صلاة العيدين،الفصل الثانى)

نے فرمایا کہ اسے دو اور چار رکعتوں کے درمیان اختیار ہوگا، اور اس کا جمعہ پر قیاس بعید ہے، کیونکہ جمعہ ظہر کا بدل ہے، یا ایک وقت کی نمازیں ہیں، لہٰذا ان میں سے ایک کا دوسرے کے عدد کی طرف رجوع جائز ہے، اور یہاں معاملہ اس طرح نہیں ہے۔

اور علامہ ابنِ حجر نے جو امام ابوحنیفہ کا قول نقل کیا ہے، تو یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ امام ابوحنیفہ کا مذہب یہ ہے کہ جو شخص امام کے ساتھ عید کی نماز نہ پائے، تو وہ اس کی قضاء نہیں کرے گا۔ انتہیٰ۔ [1]

---

[1] (وعن أبی عمیر بن أنس) أی :أنس بن مالک الأنصاری یقال :اسمه عبد الله، روی (عن عمومة له) : جمع عم، کالبعولة جمع بعل، ذکره الجوهری، وهو المراد هنا، وقد یستعمل بمعنی المصدر کأبوة، وخئولة .(من أصحاب النبی -صلی الله علیه وسلم-) أی :من الأنصار، وهو معدود فی صغار التابعین، عمر بعد أبیه أنس زمانا طویلا، ذکره المؤلف .(أن رکبا) : جمع راکب، کصحب وصاحب .(جاء وا إلی النبی -صلی الله علیه وسلم -یشهدون) أی :یؤدون الشهادة . (أنهم رأوا الهلال؟ بالأمس) .: قال ابن الهمام :وبین فی روایة ابن ماجه والدارقطنی أنهم قدموا آخر النهار، وصحح الدارقطنی إسناده بهذا اللفظ، وصححه النووی فی الخلاصة، وقد وقع فی بعض طرقه من روایة الطحاوی أنهم شهدوا بعد الزوال، وبه أخذ أبو حنیفة أن وقتها من ارتفاع الشمس إلی زوالها، إذ لو کانت صلاة العید تؤدی بعد الزوال لما أخرها رسول الله -صلی الله علیه وسلم -إلی الغد .(فأمرهم) أی :الناس .(أن یفطروا) أی :ذلک الیوم .(وإذا أصبحوا أن یغدوا) أی :یذهبوا فی الغدوة أی :جمیعا .(إلی مصلاهم) : لصلاة العید کما فی روایة أخری.
قال المظهر :یعنی لم یروا الهلال فی المدینة لیلة الثلاثین من رمضان، فصاموا ذلک الیوم، فجاء قافلة فی أثناء ذلک الیوم، وشهدوا أنهم رأوا الهلال لیلة الثلاثین، فأمر النبی -صلی الله علیه وسلم -بالإفطار، وبأداء صلاة العید فی الیوم الحادی والثلاثین .
وفی الفقه إن شهدوا بعد الزوال أفطر الناس، وصلوا صلاة العید من الغد عند أبی حنیفة، وفی قول للشافعی وظاهر قولیه :أنه لا یقضی الصلاة من الیوم ولا من الغد، وهو مذهب مالک .وفی شرح المنیة :إن حدث عذر منع الصلاة یوم الفطر قبل الزوال صلاها من الغد قبل الزوال، وإن منع عذر من الصلاة فی الیوم الثانی لم یصل بعده بخلاف الأضحی، فإنها تصلی فی الیوم الثالث أیضا إن منع عذر فی الیوم الأول والثانی، وکذا إن أخرها إلی الیوم الثانی أو الثالث جاز، لکن مع الإساء ة اهـ.
قال ابن حجر :صلاة العید المقضیة رکعتان کالمؤداة قاله الشافعی ومالک ;لأن الأصل أن القضاء یحکی الأداء إلا لدلیل، واستدل البخاری بما فیه خفاء ، قال أحمد :أربع کالجمعة إذا

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس سلسلہ میں عرض ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے براہِ راست جو اس بارے میں مروی ہے، اس میں دو یا چار رکعات پڑھنے کے جواز کا ذکر ہے، اور اس کے عید کے قائم مقام ہونے، نہ ہونے کی تصریح نہیں۔

اور ہمارا رجحان اس طرف ہوا کہ مختلف روایات وآثار کے پیشِ نظر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نمازِ عید باجماعت فوت ہونے کے بعد اس کی قضاء انفرادی طور پر واجب نہیں رہتی، البتہ بصورتِ تطوع جائز رہتی ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تطوع کے طریقہ پر درحقیقت یہ عید کی قضاء ہی ہے۔

لیکن جماعت، خطبہ اور جہری قرائت وغیرہ کی صفات مفقود ہونے کی وجہ سے یہ اپنی مخصوص ہیئت پر قائم نہیں، اس لیے اس کو نمازِ عید کی قضاء کا عنوان دینے سے اجتناب کیا گیا۔

پس ایک جہت سے یہ قضاء کہلائے گی، اور دوسری جہت سے تطوعِ محض کہلائے گی، پھر بعض نے اس کی تعبیر تطوعِ محض، یا چاشت کی نماز سے کر دی، اور بعض نے قضاء سے کر دی۔

اس حیثیت سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ قول نہ تو جمہور کے خلاف کہلائے گا، اور نہ ہی آثارِ صحابہ وتابعین وغیرہ کے خلاف شمار ہوگا۔

چنانچہ دیگر فقہائے کرام میں سے بھی کسی نے قضاء کو جائز کہا، کسی نے سنت یا مستحب ومندوب وغیرہ کہا، اور کسی نے چار رکعات کی شکل میں پڑھنے کو راجح کہا، کسی نے دو رکعات کی شکل میں پڑھنے کو راجح کہا، اور کسی نے تکبیراتِ زوائد کے ساتھ پڑھنے کو راجح کہا، کسی

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

فاتت .وقال أبو حنيفة :مخير بين ركعتين وأربع، والقياس على الجمعة بعيد ;لأنها بدل عن الظهر، أو صلاتا وقت واحد، فجاز رجوع أحدها لعدد الأخرى، وهنا ليس الأمر كذلك اهـ .وما نقله عن أبى حنيفة فغير صحيح إذ مذهبه أن من لم يدرك صلاة العيد مع الإمام لا يقضيها .(رواه أبو داود، والنسائى) وقال ميرك :سكت عليه أبو داود، وأقره المنذرى اهـ .وقد تقدم أن سكوتهما إما تصحيح أو تحسين منهما، فالحديث حجة على مالك والشافعى -رحمهما الله تعالى (مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣، ص ١٠٧٤، باب صلاة العيدين)

نے خطبہ وتکبیر کے بغیر پڑھنے کو راجح کہا، اور یہ اختلاف اَولویت وغیر اَولویت کے مابین دائر رہا، اور اس تعبیر کے اختلاف کی وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نمازِ عید کی زائد تکبیرات واجب کا درجہ رکھنے کی وجہ سے نمازِ عید کو وجود میں لانے کے لئے زیادہ دَخل رکھتی ہیں، برخلاف دیگر فقہائے کرام کے، کہ ان کے نزدیک واجب کے بجائے سنت کا درجہ رکھتی ہیں، اسی طرح جماعت کے شرط کی اہمیت میں بھی فرق، اس اختلاف کی بناء ہے۔

کتابُ الاصل اور الجامعُ الصغیر کا حوالہ

امام محمد رحمہ اللہ نے کتابُ الاصل میں فرمایا کہ:

قلت أرأيت الرجل يفوته العيد هل عليه أن يصلي شيئا قال إن شاء فعل وإن شاء لم يفعل قلت فكم يصلي إن أراد أن يصلي قال إن شاء أربع ركعات وإن شاء ركعتين.

قلت أرأيت الإمام إذا خرج إلى الجبانة أينبغي له أن يخلف رجلا يصلي بالناس في المسجد قال إن فعل فحسن وإن لم يفعل فلا شيء عليه قلت فإن فعل كيف يصلي بهم الرجل قال يصلي بهم كما يصلي الإمام في الجبانة.

قلت أرأيت رجلا أحدث في الجبانة يوم العيد وهو مع الإمام فخاف إن رجع إلى الكوفة أن تفوته الصلاة ولا يجد الماء كيف يصنع قال يتيمم ويصلي مع الناس قلت لم قال لأن العيدين إن فاتته لم يكن عليه صلاة وصلاة العيدين بمنزلة الصلاة على الجنازة ألا ترى أنه إذا صلى على الجنازة فأحدث فإنه يتيمم ويصلي عليها فكذلك العيد قلت فإن أحدث بعد ما صلى ركعة

أيتيمم مكانه ويمضي على صلاته قال نعم قلت فإن لم يتيمم ولكنه انصرف إلى الكوفة فتوضأ ثم عاد إلى المصلى فوجد الإمام قد صلى كيف يصنع قال يصلى ركعتين كصلاة الإمام ويكبر كما يكبر الإمام قلت فهل يقرأ فيهما قال لا قلت فما شأنه يكبر ولا يقرأ قال لأن قراءة الإمام له قراءة ولا يكون تكبير الإمام له تكبيرا ألا ترى أن من خلف الإمام يكبرون معه ولا يقرأون فهذا والذى خلفه سواء ولأنه قد أدرك أول الصلاة مع الإمام وهذا قول أبى حنيفة.

وقال أبو يوسف ومحمد إذا دخل مع إمام فى الصلاة متوضيا لم يجزه التيمم لأن هذا لا يفوته الصلاة وهذا قول زفر (الأصل المعروف بالمبسوط، ج ١، ص ٣٧٥، و ٣٧٦، باب صلاة العيدين)

ترجمہ: میں نے امام ابوحنیفہ سے عرض کیا کہ اگر ایک شخص کی نمازِ عید فوت ہوجائے، کیا اس کے ذمہ کوئی نماز پڑھنا واجب ہے؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اگر چاہے، تو پڑھ لے، اور اگر چاہے تو نہ پڑھے۔

میں نے عرض کیا کہ اگر وہ نماز پڑھنا چاہے، تو کتنی رکعتیں پڑھے گا؟ تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اگر چاہے، تو چار رکعات پڑھ لے، اور اگر چاہے تو دو رکعات پڑھ لے۔

میں نے عرض کیا کہ اگر امام عیدگاہ کی طرف چلا جائے، تو کیا اس کے لئے مسجد میں کسی آدمی کو نمازِ عید کے لئے خلیفہ مقرر کرنا مناسب ہے، تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اگر وہ ایسا کرے، تو اچھا ہے، اور اگر وہ ایسا نہ کرے، تو اس پر کوئی حرج نہیں۔

میں نے کہا کہ اگر وہ کسی آدمی کو خلیفہ مقرر کردے، تو وہ لوگوں کو کس طرح سے نماز پڑھائے گا؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اسی طریقہ سے پڑھائے گا، جیسے امام عید گاہ میں پڑھائے گا۔

میں نے عرض کیا کہ اگر عید کے دن امام کے ساتھ عید گاہ میں شریک کسی آدمی کو حدَث لاحق ہوجائے، اور اسے یہ خوف ہو کہ اگر وہ شہر میں وضو کے لئے گیا، تو اس کی نمازِ عید فوت ہوجائے گی، اور اس کو وہاں پانی میسر نہ ہو، تو وہ کیا طرزِ عمل اختیار کرے گا؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ وہ تیمّم کر کے لوگوں کے ساتھ نماز پڑھے گا۔

میں نے عرض کیا کہ کیوں؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اس لئے کہ عیدین کی نماز اگر فوت ہوجائے، تو اس پر کوئی نماز واجب نہیں، اور عیدین کی نماز، جنازہ کی نماز کے درجہ میں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جب جنازہ کی نماز پڑھے، اور اسے حدَث لاحق ہوجائے، تو وہ تیمّم کر کے نمازِ جنازہ پڑھے گا، پس اسی طریقہ سے عید کا بھی حکم ہے۔

میں نے عرض کیا کہ اگر ایک رکعت پڑھنے کے بعد حدَث لاحق ہو، تو کیا وہ اسی جگہ تیمّم کر کے آگے نماز کو جاری رکھے گا؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ جی ہاں۔

میں نے عرض کیا کہ اگر اس نے تیمّم نہیں کیا، اور وہ شہر میں وضو کرنے کی طرف لوٹ گیا، پھر جب وہ عید گاہ میں لوٹ کر آیا، تو امام نمازِ عید سے فارغ ہوگیا تھا، تو وہ کیا طرزِ عمل اختیار کرے گا؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ وہ امام کی طرح دو رکعتیں پڑھے گا، اور امام کی طرح

تکبیر کہے گا۔

میں نے عرض کیا کہ کیا وہ قرائت بھی کرے گا؟

امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نہیں۔

میں نے عرض کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے، کہ وہ تکبیر کہے گا، مگر قرائت نہیں کرے گا؟

تو امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ اس لئے کہ امام کی قرائت اس کی قرائت ہے، لیکن امام کی تکبیر، اس کی تکبیر نہیں ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام کے پیچھے لوگ امام کے ساتھ تکبیر کہتے ہیں، لیکن قرائت نہیں کرتے، تو یہ اور اس کے مقتدی برابر ہیں، اور ایک وجہ یہ ہے کہ اس نے امام کے ساتھ نماز کے شروع حصہ کو پا لیا ہے، اور یہ امام ابوحنیفہ کا قول ہے، اور ابو یوسف اور محمد کا قول یہ ہے کہ جب امام کے ساتھ وضو کر کے شامل ہو، تو اس کے لئے تیمّم جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ عمل اس کی نماز کو فوت نہیں کرتا، اور یہی امام زفر کا قول ہے (الاصل)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے متعلق براہِ راست مذکورہ عبارت سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ اگر کسی شخص کی نمازِ عید فوت ہو جائے، تو اس پر عید کی نماز پڑھنا واجب نہیں رہتا، لیکن اگر وہ پڑھنا چاہے، تو اس کے لئے جائز ہے۔

اور اس کے لئے جس طرح دو رکعتیں پڑھنا جائز ہے، اسی طرح چار رکعتیں پڑھنا بھی جائز ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی مذکورہ عبارت میں اس بات کی تصریح نہیں کہ یہ دو، یا چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے گا، یا دو سلاموں کے ساتھ پڑھے گا، اور یہ نماز مطلق تطوع و نفل ہوگی، یا عید کے قائم مقام ہوگی، اور اس کو عام نوافل کی طرح پڑھا جائے گا، یا زائد تکبیرات کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

البتہ بعد کے متعدد مشائخِ حنفیہ نے ان کو مطلق نوافل اور بعض نے چاشت کے نوافل کا درجہ

دیا ہے۔

لیکن علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ وغیرہ نے نمازِ عید کا درجہ دیا ہے۔

اور ہمارے نزدیک علامہ کشمیری کی رائے راجح ہے، جس کی تائید جلیل القدر تابعین اور بعض صحابۂ کرام کے آثار سے بھی ہوتی ہے، جن سے نمازِ عید رہ جانے کی صورت میں دو یا چار رکعات پڑھنے کی تصریح ہے، جن کا درجہ بحیثیت استناد کے یقیناً مذکورہ ان مشائخِ حنفیہ سے زیادہ ہے، جو اس نماز کو عام چاشت قرار دے رہے ہیں۔

اور غالباً امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے دو اور چار رکعات کا اختیار دے کر متعدد آثار کی رعایت کو ملحوظ رکھا ہے۔

البتہ اگر یہ کہا جائے کہ مشائخِ حنفیہ کا نمازِ عید کی تکبیرات سے انکار مراد نہیں، البتہ قضاء واجب نہ ہونے اور جہری قرائت نہ ہونے اور خطبہ نہ ہونے کی وجوہات کی بناء پر چاشت سے مشابہت مراد ہے، تو پھر یہ ایک لفظی اختلاف رہ جاتا ہے۔

اور ایسی صورت میں یہ کہنے کی گنجائش پیدا ہوجاتی ہے کہ نمازِ عید فوت ہونے کے بعد عندالحنفیہ ، نمازِ عید کی قضاء واجب نہیں، البتہ اگر کوئی چاہے تو زائد تکبیرات کے ساتھ دو، یا چار رکعات بغیر جہری قرائت وخطبہ کے پڑھ لے، جو بظاہر اور صورتاً چاشت کا درجہ رکھتی ہیں، جہری قرائت اور خطبہ وجماعت نہ ہونے کی وجہ سے، اگرچہ ان کو عید کا عنوان کیوں نہ دیا جائے۔

نیز تنہاء پڑھنے کی صورت میں تکبیر کو بھی واجب نہ کہا جائے، تو گنجائش ہے۔

اور ہمارا رجحان اس طرف ہوا کہ دو رکعتیں مطلق عید کی نیت سے پڑھنا بہتر ہے، پھر اگر یہ درحقیقت نمازِ عید ہوئی، تو فبھا، ورنہ نفل ہوجائیں گی، اور یہ گزر چکا کہ نمازِ عید کے تطوع وغیر تطوع میں اختلاف کی وجہ سے مطلق نیت بہتر ہے، تاکہ اختلاف کی رعایت ہوجائے۔

اور اگر کوئی چار رکعات پڑھنا چاہے، تو مزید دو رکعات بعد میں عام نفل کے طور پر پڑھ لے، تاکہ یہ جماعت اور خطبہ وغیرہ کی تلافی کے طور پر ہوجائیں۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذکورہ کلام سے دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ اگر امام شہر میں اپنا کوئی نائب نمازِ عید کے لئے مقرر کردے، تو اس کا عام طریقہ کے مطابق، نمازِ عید کا پڑھانا جائز ہے۔

اور ہم تفصیل کے ساتھ جمعہ سے متعلق اپنے مضامین میں ذکر کرچکے ہیں کہ اگر حکمران کی طرف سے اپنے طور پر امام مقرر کرکے لوگوں کو نمازِ عید پڑھنے کی ممانعت نہ ہو، تو اس کی حیثیت بھی یہی ہوگی، اور آج کل اسی طرح کی صورتِ حال ہے۔

لہٰذا گھروں وغیرہ میں اپنے طور پر امام مقرر کرکے نمازِ عید کا پڑھنا جائز ہوگا، اور اِذنِ عام مذکورہ صورت میں ضروری نہیں۔

امام محمد نے کتابُ الاصل کے تیمّم کے باب میں بھی عید کی نماز میں مقتدی کے وضو ٹوٹنے کے متعلق امام ابوحنیفہ کا یہی قول ذکر کیا ہے، اور اپنے اختلاف کا بھی ذکر کیا ہے، اور جمعہ کی نماز میں وضو ٹوٹنے کے متعلق امام ابوحنیفہ کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ اس میں تیمّم کرنا جائز نہیں، کیونکہ جمعہ کی نماز، عید کی نماز کے مِثل نہیں، پس ایک تو آدمی شہر میں ہے، اور دوسرے جب جمعہ کی نماز فوت ہوجائے، تو اس کے لئے ظہر کی نماز کی چار رکعت پڑھنا واجب ہوجاتا ہے، اور جمعہ کی نماز نہ تو عید کی طرح ہے، اور نہ ہی نمازِ جنازہ کی طرح ہے۔ [1]

---

[1] قلت أرأيت رجلا شهد العيد مع الإمام فى الجبانة وهو على غير وضوء أيتيمم ويصلى قال نعم قلت لم قال لأن هذا خارج من المصر فإن رجع فتوضأ فاتته الصلاة وليس صلاة العيد إلا مع الإمام وصلاة العيد والصلاة على الجنازة سواء.

قلت وكذلك لو أن الإمام أحدث بعد ما دخل فى الصلاة يوم العيد تيمم وصلى بهم بقية الصلاة قال نعم قلت وكذلك لو أحدث رجل خلفه قال نعم يتيمم ويدخل معه فى صلاته وهذا قول أبى حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد إذا دخل فى الصلاة متوضئا ثم أحدث انحرف فتوضأ ثم بنى لأن هذا لا تفوته الصلاة.

قلت وكذلك لو أن رجلا شهد الجمعة فأحدث قال لا الجمعة ليست مثل العيد لأن الرجل فى المصر ولأن الجمعة إذا فاتت الرجل كان عليه أن يصلى الظهر أربعا والظهر فريضة وليست الجمعة كالعيد ولا كالصلاة على الجنازة(الأصل المعروف بالمبسوط، ج ۱، ص ۱۱۷، باب التيمم بالصعيد)

اس کے علاوہ امام محمد نے الجامعُ الصغیر میں بھی اس مسئلہ اور اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ [1]

جس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ لکھنوی نے النافعُ الکبیر میں فرمایا کہ:

یہ حکم حنفیہ کے نزدیک ہے، کیونکہ عید کی نماز قضاء نہیں کی جاتی، امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔انتھیٰ۔ [2]

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نمازِ عید کی قضاء نہ ہونے کا جو حکم لگایا، وہ ہمارے نزدیک اس پر محمول ہے کہ نمازِ عید کی مخصوص شرائط کے بغیر اپنی جملہ صفات کے ساتھ، یعنی ''مِن حیث ھی ھی'' قضاء نہیں، کیونکہ جب نماز باجماعت اپنی شرائط کے ساتھ نہ ہوگی، تو خطبہ بھی نہ ہوگا، اور جہری قرائت بھی نہ ہوگی، اور ممکن ہے کہ تکبیراتِ زوائد بھی نہ ہوں۔

ایسی صورت میں وہ ظاہراً چاشت کی طرح کی تطوع ہوجائیں گی، اگرچہ عنداللہ ان پر عید ہی کا ثواب کیوں نہ حاصل ہو۔

دیگر فقہائے کرام نے ان کو قضاءِ عید کا عنوان دیا، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے مذکورہ وجوہ کی بناء پر قضاء کا عنوان نہ دیا، لیکن دو، یا چار رکعات سے منع نہ فرمایا۔

---

[1] إمام صلى فى مصلى الكوفة فأحدث أو أحدث رجل خلفه تيمم وبنى رجل فى رحله ماء قد نسيه فتيمم وصلى ثم ذكره فى الوقت فقد تمت صلاته وهو قول محمد وقال أبو يوسف لا يجزيه(الجامع الصغير،لمحمد بن الحسن الشيباني،ص ٧٦،باب فيمن تيمم ثم ارتد عن الإسلام)

[2] قوله تيمم وبنى أصل هذا أن التيمم لصلاة العيد قبل الشروع فيها جائز عندنا لأن صلاة العيد لا تقضى.

خلافا للشافعي وكذلك التيمم لصلاة الجنازة جائز عندنا وأما بعد الشروع فى صلاة العيد للبناء فكذلك عند أبى حنيفة وقال أبو يوسف ومحمد لا يتيمم لأن المبيح كان خشية الفوت وقد أمن بالشروع لأن اللاحق يقضى ما فاته بعد فراغ الإمام وأبو حنيفة يقول لا بل المبيح قائم لأنه يوم ازدحام فقلما يسلم المرء فى ذلك عن أمر ينتقض به صلاته.

قوله قد نسيه قيد بالنسيان لأن فى الظن لا يجوز له التيمم بالإجماع ولو كان الماء فى إناء فى ظهره أو معلقا بعنقه أو موضوعا بين يديه ثم نسيه وتيمم لا يجزيه بالإجماع لأنه نسى ما لا ينسى فلا يعتبر كذا ذكره المحبوبى فى شرح الجامع الصغير

قوله لا يجزيه له أنه فات شرطه وهو طلب الماء فى معدنه فلا يجوز كما لو ترك الطلب فى العمرانات وهما يقولان إن السفر موضع الحاجة الأصلية للماء فلا يكون معدنا(النافع الكبير لمن يطالع الجامع الصغير،لمحمد عبد الحى اللكنوى ،ص ٧٦،باب فيمن تيمم ثم ارتد عن الإسلام)

اس طرح امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا یہ اختلاف دیگر جمہور کے ساتھ صرف لفظی نوعیت کا ہوا، کیونکہ تنہاء پڑھنے کی صورت میں خطبہ وغیرہ کی دیگر حضرات بھی نفی کرتے ہیں۔

اور زائد تکبیرات کا کہہ لینا، عندالحنفیہ اگرچہ منفرد کو واجب نہ ہو، لیکن مذکورہ صورت میں کراہت کی بھی کوئی معقول وجہ نہیں، جیسا کہ گزرا۔

پس اگر کوئی امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک قضاء کا انکار کرے، جیسا کہ عامۂ مشائخ نے انکار کیا، اور کوئی اثبات کرے، جیسا کہ علامہ کشمیری اور دیگر محدثین وفقہاء نے فرمایا، تو اس میں درحقیقت کوئی ٹکراؤ نہ ہوگا۔

اور عدمِ جواز بمعنیٰ اثباتِ معصیت کسی کے نزدیک بھی نہ ہوگا۔

ہم اسی موقف کو راجح اور احادیث وروایات اور آثار کے موافق سمجھتے ہیں، جبکہ دوسرے موقف میں مذکورہ اُمور کی خلاف ورزی لازم آتی ہے۔

اگر پھر بھی کوئی مذکورہ اُمور کی خلاف ورزی کو گوارا کرے، تو وہ اس کا اپنا معاملہ ہے، ہم اپنا رجحان ذکر کر چکے۔

''شرح مختصر الطحاوی'' کا حوالہ

امام ابو بکر جصاص نے ''شرح مختصر الطحاوی'' میں فرمایا کہ:

جس کی عید کی نماز فوت ہوجائے، تو وہ قضاء نہیں کرے گا، اس روایت کی وجہ سے کہ جمعہ اور تشریق، مصرِ جامع میں ہی ہے، اور تشریق کا نام نمازِ عید کو بھی شامل ہے، سلف سے اس کی یہی تاویل مروی ہے۔

اور جب اس کا مصر سے تعلق ہے، تو نمازِ جمعہ کی طرح جماعت اور امام سے بھی تعلق ہوگا۔

نیز نمازِ عید، امام اور جماعت کے بغیر منقول نہیں ہے۔

لہٰذا یہ نماز اس طریقہ کے بغیر جائز نہیں ہوگی، جو طریقہ منقول ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم اسی طریقہ سے نماز پڑھو، جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔

اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طریقہ سے نمازِ عید پڑھی ہے۔ انتھیٰ۔ [1]

یہ بھی ملحوظ رہے کہ جمعہ اور تشریق کے مصرِ جامع میں ہی ہونے کی مذکورہ روایت، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے، اہلِ سواد کے عیدین کی نماز واجب نہ ہونے کے متعلق مروی ہے، جیسا کہ امام محمد نے ''کتابُ الاصل'' میں اس کو نقل فرمایا ہے۔ [2]

نیز امام ابوبکر جصاص نے ''شرح مختصر الطحاوی'' میں فرمایا کہ:

اگر عید کی نماز، پہلے دن کسی عذر کی وجہ سے نہ پڑھی جاسکے، تو دوسرے دن جائز ہے، جو دوسرے دن قضاء کے طریقہ پر پڑھی جائے گی، لیکن اگر امام بغیر عذر کے جان بوجھ کر ترک کردے، تو دوسرے دن قضاء واجب نہیں ہوگی۔

جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ عید کے دوسرے دن کے ساتھ نمازِ عید کے وجود کا تعلق نہیں ہے، البتہ بعض صورتوں میں قضاء کے طریقہ پر جوازِ فعل کا تعلق

---

[1] مسألة :(لا قضاء لصلاة العيد)

قال أبو جعفر :(ومن فاتته صلاة العيد لم يقضها)

ولک لما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال" :لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع."

واسم التشريق يتناول صلاة العيد؛ لما روى عن السلف فى تأويله، ولما ثبت أنها متعلقة بالمصر - كما وصفنا -تعلقت بالجماعة والإمام، كصلاة الجمعة.

وأيضًا :لم تنقل إلا بإمام وجماعة، فلا تجوز إلا على الوجه الذى نقلت عليه.

وقال النبى صلى الله عليه وسلم " :صلوا كما رأيتمونى أصلي"، وكذلک صلاها النبى صلى الله عليه وسلم(شرح مختصر الطحاوى للجصاص، ج٢،ص ١٦١ ،باب صلاة العيدين)

[2] قلت :أرأيت أهل السواد من لم يكن فى مصر ولا مدينة هل عليهم الخروج يوم الفطر أو يوم النحر؟ قال :لا، ولا يجب ذلک إلا على أهل الأمصار والمدائن .قلت :ولم؟ قال :للأثر الذى بلغنا عن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أنه قال: لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع (الأَصل،لمحمد بن الحسن الشيبانى، ج٥،ص ٤١٣،باب ما لا يجزء من الأضحية)

ہے۔انتھیٰ۔ [1]

یہ بات فقہائے کرام کے درمیان مختلف فیہ ہے کہ اگلے دن پڑھے جانے والی وہ عید کی نماز قضاء کہلائے گی، یا اداء، لیکن بہرحال اتنی بات معلوم ہوگئی کہ عید کے سلسلہ میں جمعہ کے مقابلے میں اس حیثیت سے توسع کا، نصوص سے ثبوت موجود ہے، اور اس پر فقہائے مجتہدین کا اجماع ہے، کہ بعض صورتوں میں عید کی نماز کو اپنے مخصوص وقت کے بعد بھی پڑھنا مشروع ہے، اور وقت کے اندر مشروع ہونے کا درجہ اس سے اُھون ہے۔

اور وقت کے اندر بقدرِ امکان، اس کو اجتماعاً یا انفراداً پڑھنے کا مسئلہ ہی اس وقت زیرِ بحث ہے۔

اس کے علاوہ امام ابوبکر جصاص نے ''شرح مختصر الطحاوی ''میں تکبیراتِ تشریق کے باب میں فرمایا کہ:

امام ابوحنیفہ کا قول یہ ہے کہ تکبیرِ تشریق شہروں کے اندر فرض نمازوں کو باجماعت اداء کرنے والے مقیمین پر ہی واجب ہے، منفرد پر اور گاؤں میں، اور مسافر پر، اور تنہاء نماز پڑھنے والی عورتوں پر واجب نہیں۔

امام ابوحنیفہ کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ہے کہ ''لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع ''، اور تشریق کا نام نمازِ عید، اور تکبیرِ تشریق اور قربانی سب کو شامل ہے، اور اس لفظ کا عموم غیر مصر میں ان سب چیزوں کی نفی کرتا ہے۔

---

[1] فإن قیل :فقد یجوز عندکم فعل صلاة العید فی الیوم الثانی من الفطر، إذا فاتت فی الیوم الأول لعذر، ولا یتعلق بالیوم الثانی وجوب صدقة الفطر.
قیل له :لم تکن العلة جواز الفعل، وإنما کانت وجوب الفعل، وصلاة العید لا تجب فی الیوم الثانی من الفطر، وإنما تجب فی الیوم الأول، وتفعل فی الیوم الثانی علی وجه القضاء إذا فاتت لعذر.
ألا تری أنا نقول إنه لو ترکها الإمام عمدًا من غیر عذر :لم یجب قضاؤها فی الیوم الثانی، فعلمت أنَّ الیوم الثانی من الفطر لیس یتعلق به وجوب صلاة العید وإن تعلق به جواز الفعل علی جهة القضاء فی بعض الوجوه(شرح مختصر الطحاوی للجصاص، ج۷، ص ۳۲۰، کتاب الضحایا)

اور جب یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ مصر کے ساتھ مخصوص ہے، تو یہ بھی ضروری ہوگیا کہ وہ جماعت کے ساتھ مخصوص ہو، اور اُن لوگوں کے ساتھ مخصوص ہو، جن پر جماعت واجب ہے، جیسا کہ جمعہ۔

نیز جب تکبیر، وقت کے ساتھ مخصوص ہے، تو وہ جمعہ اور نمازِ عید کے مشابہ ہے۔ انتھیٰ۔ [1]

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی طرف سے جو دلیل نمازِ جمعہ کے شہر کے ساتھ خاص ہونے کے سلسلہ میں پیش کی گئی ہے، وہی دلیل اس سلسلہ میں عید اور تکبیرِ تشریق کے سلسلہ میں بھی پیش کی گئی ہے، لیکن اس کے باوجود، مشائخِ حنفیہ نے اس سے عدول کر کے، شہر اور غیر شہر، اور مقیم ومسافر اور مرد وعورت، اور منفرد سب کے حق میں تکبیرِ تشریق کا حکم لگایا ہے، حالانکہ اس حدیث میں مصر کی قید ہے، اور جمعہ وعید کے سلسلہ میں دیگر شرائط اسی سے ماخوذ ہیں۔

پس جب تکبیرِ تشریق کے مسئلہ میں امام صاحب کے قول اور اس کی دلیل سے عدول کی

---

[1] مسألة :(من تجب علیه تکبیرات التشریق)

قال :(وقال أبو حنیفة :هذا التکبیر علی المقیمین فی جماعات المکتوبات فی الأمصار، ولیس علی منفرد، ولا فی السواد، ولا علی المسافرین، ولا علی النساء إذا صلین وحدهن.

وقال أبو یوسف ومحمد :علی کل مصلی فرض، کائنًا من کان.

قال أبو بکر :لأبی حنیفة ما روی عن النبی صلی الله علیه وسلم، وعن علی رضی الله عنه" :لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع."

واسم التشریق یتناول صلاة العید وتکبیر التشریق والأضحیة، وعموم اللفظ ینفی ذلک کله فی غیر مصر.

ویدل علی أن التکبیر مراد به، ما ذکر فی خبر آخر" :لا جمعة، ولا تشریق، ولا (صلاة فطر)، ولا أضحی إلا فی مصر جامع."

وإذا ثبت أنه مخصوص بالمصر، وجب أن یکون مخصوصًا بالجماعة، وبمن تجب علیه الجماعة کالجمعة.

وأیضًا :لما کان التکبیر مخصوصًا بوقت، یسقط بفوات وقته :أشبه الجمعة وصلاة العید، فلم یلزم إلا أهل الأمصار(شرح مختصر الطحاوی، ج۲،ص۱٦٦،باب صلاة العیدین)

نظیر عندالحنفیہ موجود ہے، تو اگر نمازِ عید کے سلسلہ میں اس سے کمزور عدول کیا جائے، یعنی نمازِ عید کو منفرد، اہلِ قریہ، اور عورتوں کے حق میں واجب ہونے کے بجائے فی الجملہ بدرجہ تطوع، مشروع مانا جائے، تو اس کی بھی گنجائش ہوسکتی ہے۔

اور تکبیرِ تشریق کے مسئلہ میں جس قدر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے قول سے عدول کیا گیا ہے، اس قدر عدول عید کے مذکورہ مسئلہ میں نہیں کرنا پڑتا، اور اس عدول کی ضرورت، احادیث وروایات اور آثار کی وجہ سے پیش آئی، اور ہمارے نزدیک وہ عدول بھی مشائخِ حنفیہ کی مخصوص تعبیر کی وجہ سے ہے، ورنہ ہم امام صاحب کے قول کی جو توجیہ راجح سمجھتے ہیں، اس میں عدول کہنے کی بھی ضرورت نہیں۔ [1]

''التجرید للقدوری'' کا حوالہ

امام قدوری نے ''التجرید'' میں ''لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا فى مصر جامع'' کی روایت سے حنفیہ کے نزدیک گاؤں میں جمعہ جائز نہ ہونے پر استدلال فرمایا ہے۔ [2]

---

[1] قلت :فمن صلى المكتوبة فى جماعة فى مصر من الأمصار فعليهم أن يكبروا فى هذه الأيام؟ قال :نعم .قلت :فإن كان معهم نساء ؟ قال :عليهن أن يكبرن .قلت :أرأيت من صلى وحده من المقيمين أو المسافرين أو النساء هل عليهم أن يكبروا؟ قال :لا .قلت :فهل على المسافرين أن يكبروا؟ قال :لا .قلت :أرأيت من صلى التطوع فى جماعة أو صلى الوتر هل يكبر بعدها؟ قال :لا. قلت :فهل على أهل السواد أن يكبروا؟ قال :لا .قلت :فإن صلوا فى جماعة؟ قال :وإن صلوا فى جماعة فلا تكبير عليهم .وهذا قول أبى حنيفة .وقال أبو يوسف ومحمد: نرى التكبير على من صلى المكتوبة، رجل أو امرأة أو مسافر أو مقيم صلى وحده أو فى جماعة (كتاب الاصل لمحمد بن الحسن الشيبانى، ج ١، ص٣٢٥، وص ٣٢٦، باب التكبير فى أيام التشريق)

قوله وهذا على المقيمين إلخ لحديث على لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا فى مصر جامع وأراد بالتشريق التكبير (النافع الكبير شرح الجامع الصغير للكنوى، ص ١١٤، وص ١١٥، باب فى العيدين والصلاة بعرفات والتكبير فى أيام التشريق)

[2] لا يجوز إقامة الجمعة فى القرى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز امام قدوری نے ''التجرید'' میں ہی مذکورہ روایت سے عید کی نماز کے لئے مصر ہونے کی شرط پر بھی استدلال فرمایا ہے۔ [1]

اس کے علاوہ امام قدوری نے ''التجرید'' میں ہی مذکورہ روایت سے امام ابوحنیفہ کے نزدیک تکبیرِ تشریق کے لئے مصر واقامت کے شرط ہونے پر بھی استدلال فرمایا ہے۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قال أصحابنا :لا يجوز إقامة الجمعة فى القرى.

وقال الشافعى :إذا كانت قرية مجتمعة المنازل لا يظعن أهلها عنها شتاء ولا صيفا إلا ظعن حاجة وكان أهلها أربعين رجلا وجبت عليهم الجمعة وصح فعلها فيها.

والدليل على ما قلناه :ما روى سعيد بن المسيب عن على (-رضى الله عنه -) أن النبى -صلى الله عليه وسلم -قال :(لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا فى مصر جامع)(التجريد للقدورى، ج٢،ص ٩ ١ ٢،كتاب الصلاة، رقم المسألة ٢٢٤)

[1] من شرط صلاة العيد المصر

قال أصحابنا :من شرط صلاة العيد المصر.

وقال الشافعى :يجوز فى الأمصار وغيرها، وللمسافر والمقيم.

لنا :قوله -عليه السلام :-(لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى (إلا فى مصر جامع)، (ومعلوم أنه) لم يرد نفس الفطر ونفس الأضحى)، فلم يبق إلا أن يكون المراد به الصلاة (التجريد للقدورى، ج٢،ص ١ ٨ ٢،كتاب الصلاة، رقم المسألة ٢٤٦)

[2] من شرط تكبير التشريق المصر والإقامة

قال أبو حنيفة :من شرط تكبير التشريق المصر والإقامة.

وقال أبو يوسف ومحمد :يكبر المسافر.

وهو قول الشافعى.

لنا :قول -عليه السلام :-(لا جمعة ولا تشريق ولا أضحى ولا فطر إلا فى مصر جامع .(والمراد بالتشريق تكبيره؛ لأنه مأخوذ من الظهور .ولا يجوز أن يقال :إن الأصمعى قال :التشريق الصلاة؛ لأنها تفعل عند إشراق الشمس؛ لأن الصلاة قد فهمت من قوله :(لا فطر ولا أضحى)، فلم يحمل اللفظ على التكرار .ولا يجوز أن يحمل على تشريق اللحم؛ لأن الأضحية لا تختص بالمصر .ولأنه ذكر زائد يلى الصلاة ويختص بها فاختص ببعض الأماكن، كالخطبة .ولا يلزم التثويب؛ لأنه لا يلى الصلاة .ولا التلبية؛ لأنها لا تختص الصلاة .ولأن الأذكار تارة تتقدم الصلاة وتارة تتأخر، فإذا كان ما يتقدم يجوز أن يختص ببعض الأماكن فالمتأخر مثله!(التجريد للقدورى، ج٢،ص٩٩٣،كتاب الصلاة، رقم المسألة ٢٥٢)

”المبسوط للسرخسی“ کا حوالہ

شمس الائمہ سرخسی نے ”المبسوط“ میں فرمایا کہ:

ہمارے نزدیک جمعہ کے لئے شہر کے شرط ہونے کی دلیل یہ روایت ہے کہ ”لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع“۔انتھیٰ۔ [1]

نیز شمس الائمہ سرخسی نے ”المبسوط“ میں فرمایا کہ:

حنفیہ کا مذہب عید کی نماز کے واجب یا سنت ہونے میں مشتبہ ہے، لیکن زیادہ راجح یہ ہے کہ یہ سنت ہے، تاہم یہ دین کے أعلام میں سے ہے، جس کا اختیار کرنا ہدایت اور ترک کرنا ضلالت ہے (جیسا کہ عند البعض، پنجگانہ نماز باجماعت اور اذان واقامت وغیرہ)

اور عیدین کے لئے خروج، شہر والوں کے ہی ذمہ ہے، بوجہ اس روایت کے، کہ ”لا جمعة ولا تشریق إلا فی مصر جامع“۔

اور تشریق سے مراد، نمازِ عید ہے۔انتھیٰ۔ [2]

نیز شمس الائمہ سرخسی نے ”المبسوط“ میں فرمایا کہ:

---

[1] (ولنا) قوله -عليه الصلاة والسلام -لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع وقال على -رضى الله تعالى عنه -لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا فى مصر جامع (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج٢، ص٢٣، باب صلاة الجمعة)

[2] واشتبه المذهب فى صلاة العيد أنها واجبة أم سنة فالمذكور فى الجامع الصغير إنها سنة لأنه قال فى العيدين :يجتمعان فى يوم واحد فالأولى منهما سنة وروى الحسن عن أبى حنيفة رحمهما الله تعالى أنه تجب صلاة العيد على من تجب عليه صلاة الجمعة وقال فى الأصل :لا يصلى التطوع فى الجماعة ما خلا قيام رمضان وكسوف الشمس فهو دليل على أن صلاة العيد واجبة.
والأظهر أنها سنة ولكنها من معالم الدين أخذها هدى وتركها ضلالة وإنما يكون الخروج فى العيدين على أهل الأمصار دون أهل القرى والسواد لما روينا لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع والمراد بالتشريق صلاة العيد على ما جاء فى الحديث لا ذبح إلا بعد التشريق (المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج٢، ص٣٧، باب صلاة العيدين)

جس کی نمازِ عید امام کے ساتھ فوت ہوجائے، اس پر کچھ واجب نہیں، اور امام شافعی نے فرمایا کہ وہ اسی طریقہ سے تنہاء نماز پڑھے گا، جس طریقہ سے امام پڑھتا ہے، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس طریقہ سے نمازِ عید کا پڑھنا، قُربت کے طور پر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے پہچانا جاسکتا ہے، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جماعت کے ساتھ ہی ادا کیا ہے، اور اس کو اسی صفت پر ادا کرنا جائز ہے۔

پس جب وہ فوت ہوگئی، تو اس کا کوئی خلیفہ نہیں رہا، کیونکہ اس کا وقت طلوعِ شمس کے بعد ہے۔

اور یہ وقت تمام دنوں میں کسی واجب نماز کا وقت نہیں ہے، برخلاف جمعہ کی نماز کے، کہ اگر وہ فوت ہوجائے، تو وہ ظہر کی نماز پڑھے گا، کیونکہ اس کا وقت زوال کے بعد ہے، اور یہ تمام دنوں میں ظہر کی واجب نماز کا وقت ہے۔

البتہ اگر وہ چاہے تو دو رکعتیں پڑھ لے، اور چاہے تو چار رکعتیں پڑھ لے، دوسرے دنوں میں چاشت کی نماز کی طرح۔ انتھیٰ۔ [1]

''لاجمعة ولاتشریق، الخ'' والی روایت سے ہی شمس الائمہ سرخسی نے امام ابوحنیفہ

---

[1] (قال :ولا شیء علی من فاتته صلاة العید مع الإمام وقال الشافعی -رضی الله عنه :-یصلی وحده کما یصلی مع الإمام وهذا غیر صحیح فالصلاة بهذه الصفة ما عرفت قربة إلا بفعل رسول الله -صلی الله علیه وسلم -وما فعلها إلا بالجماعة ولا یجوز أداؤها إلا بتلک الصفة وإذا فاتت فلیس لها خلف لأن وقتها بعد طلوع الشمس وهذا لیس بوقت لصلاة واجبة فی سائر الأیام بخلاف من فاتته الجمعة فإنه یصلی الظهر لأن وقتها بعد الزوال وهو وقت لوجوب الظهر فی سائر الأیام ولکنه إن أحب صلی رکعتین إن شاء وإن شاء أربعا کصلاة الضحی فی سائر الأیام لحدیث عمارة بن رویبة -رضی الله عنه -کان رسول الله -صلی الله علیه وسلم -یفتتح الضحی برکعتین ولحدیث ابن مسعود -رضی الله عنه -کان رسول الله -صلی الله علیه وسلم -یواظب علی أربع رکعات فی صلاة الضحی والذی یختص بهذا الیوم حدیث علی -رضی الله عنه -عن رسول الله -صلی الله علیه وسلم -قال :من صلی بعد العید أربع رکعات کتب الله تعالی له بکل نبت نبت وبکل ورقة حسنة(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسی، ج۲،ص ۳۹،باب صلاة العیدین)

رحمہ اللہ کے نزدیک تکبیرِ تشریق کے اہلِ شہر اور مرد اور مقیم وغیرہ پر واجب ہونے کے متعلق استدلال کیا ہے۔ [1]

''المحیطُ البرهانی فی الفقه النعمانی '' کا حوالہ

''المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی ''میں ہے کہ:

ہمارے نزدیک عید کی نماز جب فوت ہوجائے، تو اس کو قضاء نہیں کیا جائے گا، کیونکہ وہ جماعت اور سلطان کے ساتھ ہی مشروط ہے، اور منفرد اس کے حصول سے عاجز ہے۔انتہیٰ۔ [2]

اور ''المحیط البرهانی فی الفقه النعمانی ''میں نوادرُ الصلاۃ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ:

حنفیہ کے نزدیک انفرادی طور پر اداء نہ کرنے کے عدمِ جواز کی وجہ یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک سلطان اور جماعت شرط ہے، اور امام شافعی کے نزدیک یہ شرط نہیں۔

---

[1] وهذا التكبير على الرجال المقيمين من أهل الأمصار فى الصلوات المكتوبات فى الجماعة عند أبى حنيفة -رحمه الله -وقال أبو يوسف ومحمد رحمهما الله تعالى كل من يصلى مكتوبة فى هذه الأيام فعليه التكبير مسافرا كان أو مقيما فى المصر أو القرية رجلا أو امرأة فى الجماعة أو وحده وهو قول إبراهيم -رحمه الله تعالى -لأن هذه التكبيرات فى حق غير الحاج بمنزلة التلبية فى حق الحاج وفى التلبية لا تراعى هذه الشروط فكذلك فى التكبيرات .

وأبو حنيفة -رضى الله عنه -احتج بما روينا لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع قال الخليل والنضر بن شميل رحمهما الله تعالى :التشريق فى اللغة التكبير.

ولا يجوز أن يحمل على صلاة العيد فقد قال فى حديث على -رضى الله عنه :-لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا فى مصر جامع فقد ثبت فى الحديث أنه بمنزلة الجمعة فى اشتراط المصر فيه فكذلك فى اشتراط الذكورة والإقامة والجماعة ولهذا لم يشترط أبو حنيفة -رضى الله عنه -فيه الحرية كما لا تشترط فى صلاة الجمعة(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى، ج ۲، ص ۴۴،باب التكبير فى أيام التشريق)

[2] صلاة العيد إذا فاتت لا تقضى عندنا لأنها لم تشرع إلا بجماعة وسلطان، والمنفرد عاجز عن تحصيلها(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج ۱، ص ۱۵۰،الفصل الخامس فى التيمم)

لہٰذا اُن کے نزدیک اس کا حکم تراویح کی طرح ہے، کہ اگر وہ رمضان میں جماعت کے ساتھ فوت ہو جائے، تو تنہاء پڑھی جاتی ہے۔

اور عید کی نماز چاشت کی جگہ مقرر کی گئی ہے۔

لہٰذا عید کی نماز فوت ہونے کے بعد اگر وہ چاہے، تو چاشت کی نماز پڑھ سکتا ہے۔

لیکن چاشت کی نماز کا پڑھنا واجب نہیں ہے۔انتھیٰ۔ [1]

نمازِعید کے، چاشت کے وقت میں ہونے میں تو شبہ نہیں، لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نمازِعید کا، چاشت کے قائم مقام ہونا محلِ نظر ہے۔

---

[1] ذكر في نوادر الصلاة :ولا شيء على من فاتته صلاة العيد مع الإمام، وقال الشافعي :يصلي وحده كما يصلي مع الإمام، وهذا بناء على أن المنفرد هل يصلي صلاة العيد؟ عندنا لا يصلي، وعنده يصلي؛ لأن الجماعة والسلطان ليس بشرط عنده، فكان له أن يصلي وحده، فإذا فاتته مع الإمام لم يعجز عن قضائها.

فقال بالقضاء كالتراويح إذا فاتت بالجماعة في رمضان يقضيها وحده؛ لأنه قادر على قضائها، لأنه يجوز الأداء منفردا كما يجوز بجماعة كذا ههنا .وعلماؤنا رحمهم الله قالوا :لا يجوز إقامتها إلا بشرائط مخصوصة منها الإمام، فإذا فاتت مع الإمام فقد عجز عن قضائها، فلا يلزمه القضاء .

فإن قيل :صلاة العيد قائمة مقام صلاة الضحى، ولهذا تكره صلاة الضحى قبل صلاة العيد، وإذا قامت مقام صلاة الضحى، وهو قادر على صلاة الضحى إن عجز عن إقامة صلاة العيد وجب أن تلزمه صلاة الضحى لتقوم مقام صلاة العيد، كما إذا فاتته الجمعة يلزمه إقامة الظهر، وإنما تلزمه لما قلنا.

قلنا :نعم صلاة العيد أقيمت مقام صلاة الضحى، فإذا عجز عن إقامة صلاة العيد لفوات الشرائط عاد الأمر إلى الأصل وهي صلاة الضحى، وصلاة الضحى غير واجبة في الأصل بل يتخير في ذلك وفي أداء الجمعة لما عجز عن أداء الجمعة لفوات الشرائط سقطت عنه الجمعة، وعاد الأمر إلى ما كان قبل الجمعة، وقبل الجمعة كان يلزمه أداء الظهر، ولا يتخير في أدائه، فكذلك بعدها، فإن أحب أن يصلي صلى إن شاء ركعتين، وإن شاء أربعا، ويكون ذلك صلاة الضحى والأفضل أن يصلي أربع ركعات، لما روى عن ابن مسعود رضي الله عنه أنه قال :من فاتته صلاة العيد صلى أربع ركعات، يقرأ في الركعة الأولى :(سبح اسم ربك الاعلى) (الأعلى1 :) ، وفي الثانية :(والشمس وضحها) (الشمس1 :) ، وفي الثالثة :(والليل إذا يغشى) (الليل1 :) ، وفي الرابعة :(والضحى) (الضحى1 :) . وروى في ذلك عن النبي عليه السلام وعدا جميلا وثوابا جزيلا.

(المحيط البرهاني في الفقه النعماني، ج٢،ص١١٢، كتاب الصلاة، الفصل السادس والعشرون في صلاة العيدين)

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس کی تصریح دستیاب نہیں، بلکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے نمازِ عید کی دلیل میں ''**لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا فى مصر جامع**'' کی روایت مروی ہے، اور حنفیہ کے راجح قول کے مطابق نمازِ عید واجب ہے، جبکہ چاشت کی نماز واجب نہیں، اور وہ جماعت کے ساتھ بھی مشروع نہیں۔

پھر اس کے چاشت کے قائم مقام ہونے کا تقاضا یہ ہوگا کہ اس میں جماعت وغیرہ شرط نہ ہو، کیونکہ چاشت کی نماز باجماعت ثابت نہیں، یہی وجہ ہے کہ عام مشائخِ حنفیہ نے نمازِ عید کے لئے، نمازِ جمعہ کی شرائط بیان کی ہیں، نمازِ چاشت کی شرائط بیان نہیں کیں۔

اس کے علاوہ ''**المحيط البرهاني فى الفقه النعماني**'' میں تکبیرِ تشریق کے ذیل میں امام ابوحنیفہ کے قول کی دلیل میں ''**لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا فى مصر جامع**'' کی روایت سے استدلال کیا گیا ہے۔ [1]

---

[1] فوجه قولهما :أن التكبير تبع للمكتوبة فيجب على كل من تجب عليه المكتوبة بطريق التبعية.

وجه قول أبى حنيفة رحمه الله :قوله عليه السلام :لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع والمراد من التشريق تكبير أيام التشريق هكذا قاله النضر بن شميل، والخليل بن أحمد وهما كانا من أئمة اللغة، ولأن التشريق حقيقته تقديد اللحم؛ لأنه تفعيل من شرق تشريقا إذا قطع وأظهر للشمس سمى تقديد اللحم تشريقا؛ لأن فى ذلك تقطيعه وإظهاره للشمس والحقيقة وهو التقديد ليس بمراد؛ لأنه لا يختص بالمصر وله مجاز أن الصلاة والتكبير فى أدبار الصلوات لأن فى ذلك إظهار شعار الإسلام فإن أمكن حمله عليهما يحمل عليهما ويكون هذا تبعا للصلاة والتكبير إلا فى مصر جامع، وإن لم يمكن حمله عليهما يحمل على التكبير لأن نفى صلاة العيد إلا فى المصر استفيد برواية أخرى، وهو قوله عليه السلام والتحية :لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا فى مصر جامع والمراد من الفطر والأضحى صلاة الفطر والأضحى فلو حمل التشريق المذكور فى هذه الرواية على الصلاة كان تكرارا ومهما أمكن حمل اللفظ على فائدة جديدة لا يحمل على التكرار، وإذا ثبت أن المصر شرط وجب أن يشترط القوم الخاص والجماعة كما فى الجمعة وصلاة العيدينفوجه قولهما :أن التكبير تبع للمكتوبة فيجب على كل من تجب عليه المكتوبة بطريق التبعية.

وجه قول أبى حنيفة رحمه الله :قوله عليه السلام :لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع والمراد من التشريق تكبير أيام التشريق هكذا قاله النضر بن شميل، والخليل بن أحمد وهما كانا من أئمة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دیگر کتبِ حنفیہ کا حوالہ

حنفیہ کی دیگر متعدد کتب میں بھی امام کے ساتھ عید کی نماز فوت ہونے کے بعد، اس کی قضاء نہ ہونے کا ذکر ہے۔

اس قسم کی عبارات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک نمازِ عید کے لئے سلطان شرط ہے،

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اللغة، ولأن التشريق حقيقته تقديد اللحم؛ لأنه تفعيل من شرق تشريقا إذا قطع وأظهر للشمس سمى تقديد اللحم تشريقا؛ لأن فى ذلك تقطيعه وإظهاره للشمس والحقيقة وهو التقديد ليس بمراد؛ لأنه لا يختص بالمصر وله مجاز أن الصلاة والتكبير فى أدبار الصلوات لأن فى ذلك إظهار شعار الإسلام فإن أمكن حمله عليهما يحمل عليهما ويكون هذا تبعا للصلاة والتكبير إلا فى مصر جامع، وإن لم يمكن حمله عليهما يحمل على التكبير لأن نفى صلاة العيد إلا فى المصر استفيد برواية أخرى، وهو قوله عليه السلام والتحية :لا جمعة ولا تشريق ولا فطر ولا أضحى إلا فى مصر جامع والمراد من الفطر والأضحى صلاة الفطر والأضحى فلو حمل التشريق المذكور فى هذه الرواية على الصلاة كان تكرارا ومهما أمكن حمل اللفظ على فائدة جديدة لا يحمل على التكرار، وإذا ثبت أن المصر شرط وجب أن يشترط القوم الخاص والجماعة كما فى الجمعة وصلاة العيدين.

فإن قيل :هذه التكبيرات شرعت تبعا ولا يجوز أن يشترط التبع ما لا يشترط الأصل قلنا :نعم إلا أن هذه التبعية عرفت شرعا بخلاف القياس فإنه لم يشرع فى غير هذه الأيام فيراعى لهذه التبعية جميع الشرائط التى ورد بها، والنص جعل من إحدى شرائط إقامته المصر وجب أن يشترط القوم الخاص والجماعة كما فى الجمعة والعيد، واختلاف المشايخ على قول أبى حنيفة رحمه الله :أن الحرية هل هى شرط لوجوب هذه التكبيرات.

وفائدة الخلاف إنما تظهر فيما إذا أم العبد قوما صلاة مكتوبة فى هذه الأيام هل يجب عليه التكبير لمن شرط الحرية قال :فإن الذكورة والمصر شرط لإقامته مقصودا فكذا الحرية قياسا على الجمعة وصلاة العيد.

ومن لم يشترط الحرية قال :لم يشترط لإقامته السلطان فلا يشترط الحرية كسائر الصلوات وإنما لم يشترط لإقامته السلطان عند أبى حنيفة رحمه الله لما حكى عن الشيخ الإمام أبى بكر محمد بن الفضل البخارى رحمه الله :أن التكبير يشبه صلاة العيد وصلاة الجمعة من حيث إنه شرط لإقامته المصر بالنص كما شرط الإقامة للجمعة والعيد ويشبه سائر الصلوات من حيث إنه يقام فى يوم واحد خمس مرات، فكان له حظا من الخصوص والعموم، فأشبه بالخصوص شرطنا القوم الخاص والجماعة وأشبه بالعموم لم يشترط السلطان توفيرا على الشبهين حظهما بقدر الإمكان(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۲،ص ۱۱۹، الفصل السابع والعشرون فى تكبير أيام التشريق)

اور جب سلطان شرط ہے، تو اسی سے اس کی جماعت کا شرط ہونا بھی معلوم ہوتا ہے۔ [1]

اور جب حاکم کی طرف سے ایک سے زیادہ مقامات پر خود سے کسی کو امام مقرر کر کے نمازِ عید کی، ممانعت نہ ہو، بلکہ اس سے بڑھ کر اجازت وحکم ہو، تو پھر نمازِ عید کے فوت ہونے کا محدود تصور بھی ختم ہو جاتا ہے، اور قضاء ہونے کا محدود تصور بھی مرتفع ہو کر، توسع پیدا ہو جاتا ہے، جیسا کہ آج کل ایسا ہی ہے۔

اور اس قسم کے اُمور میں حکمِ حاکم کو رافع للخلاف بھی قرار دیا گیا ہے، اور بہت سے ممالک میں مسلم حکمرانوں کی طرف سے جب گھروں میں نمازِ عید باجماعت اور تنہاء پڑھنے کی اجازت، بلکہ حکم موجود ہو، تو اس کو کیونکر ناجائز وغیر درست قرار دیا جاسکتا ہے، بالخصوص جبکہ عندالحنفیہ انفرادی طور پر پڑھنے کا بھی فی الجملہ ثبوت موجود ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

---

[1] (ولا تقضى) صلاة العيد (إن فاتت مع الإمام) كلمة مع متعلقة بالضمير المستتر فى فاتت لا بفاتت والمعنى أن الإمام لو صلاها مع جماعة وفاتت عنه الصلاة بالجماعة لا يقضيها من فاتته وعند الأئمة الثلاثة تقضى(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج ١، ص ٧٤، باب صلاة العيدين)

وإن فسدت بخروج الوقت أو فاتت عن وقتها مع الإمام سقطت، ولا يقضيها عندنا.

وقال الشافعى يصليها وحده كما يصلى الإمام يكبر فيها تكبيرات العيد، والصحيح قولنا؛ لأن الصلاة بهذه الصفة ما عرفت قربة إلا بفعل رسول الله -صلى الله عليه وسلم - كالجمعة، ورسول الله -صلى الله عليه وسلم -ما فعلها إلا بالجماعة كالجمعة، فلا يجوز أداؤها إلا بتلك الصفة؛ ولأنها مختصة بشرائط يتعذر تحصيلها فى القضاء ، فلا تقضى كالجمعة ولكنه يصلى أربعا مثل صلاة الضحى إن شاء ؛ لأنها إذا فاتت لا يمكن تداركها بالقضاء لفقد الشرائط، فلو صلى مثل صلاة الضحى لينال الثواب كان حسنا لكن لا يجب لعدم دليل الوجوب، وقد روى عن ابن مسعود أنه قال من فاتته صلاة العيد صلى أربعا(بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج ١، ص ٢٧٩، فصل صلاة العيدين)

ومن فاتته صلاة العيد مع الإمام لم يقضها لأن الصلاة بهذه الصفة لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بالمنفرد(الهداية فى شرح بداية المبتدى، ج ١، ص ٨٥، باب :صلاة العيدين)

وقوله (ومن فاتته صلاة العيد مع الإمام) أى أدى الإمام صلاة العيد ولم يؤدها هو (لم يقضها) عندنا خلافا للشافعى فإنه قال :يصلى وحده كما يصلى مع الإمام لأن الجماعة والسلطان ليس بشرط عنده فكان له أن يصلى وحده.

وعندنا هى صلاة لا تجوز إقامتها إلا بشرائط مخصوصة من الجماعة والسلطان، فإذا فاتت عجز عن قضائها(العناية شرح الهداية، ج ٢، ص ٧٩، باب :صلاة العيدين)

پھر کتبِ حنفیہ میں قضاء ہونے کی صورت میں اگرچاہے، تو دو یا چار رکعتوں کے پڑھ لینے کا ذکر ہے۔ ۱؎

اسی کے ساتھ حنفیہ کی بعض کتب میں حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کی سند سے یہ روایت بھی مذکور ہے کہ جس کی عید کی نماز فوت ہوجائے، تو وہ چار رکعات پڑھے، اور ان میں مخصوص سورتیں پڑھنے کا بھی ذکر ہے، اور ان چار رکعات کے متعلق حدیث میں اجرِ عظیم وارد ہونے کا بھی ذکر ہے۔ ۲؎

۱؎ وإن فسدت بخروج الوقت سقطت، ولا يقضيها عندنا كالجمعة. ولكنه يصلى أربعا مثل صلاة الضحى إن شاء؛ لأنها إذا فاتته لا يمكن تداركها بالقضاء لفقد الشرائط فلو صلى مثل الضحى لنيل الثواب كان حسنا، وهو مروى عن ابن مسعود(البحرالرائق ،ج ۲ ص ۱۷۵، كتاب الصلاة، باب العيدين)

۲؎ ومن خرج على الجبانة ولم يدرک الإمام فى شىء من الصلاة إن شاء انصرف إلى بيته وإن شاء صلى ولم ينصرف والأفضل أن يصلى أربعاً فتكون له صلاة الضحى لما روى عن ابن مسعود رضى اللہ عنہ انه قال من فاتته صلوة العيدصلى اربع ركعات يقرأفى الاولىٰ سبح اسم ربک الاعلىٰ وفى الثانيه والشمس وضحها وفى الثالثة والليل اذايغشى وفى الرابعه والضحى وروى فى ذلک عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وعدا جميلاً وثواباً جزيلا (قاضى خان علىٰ هامش الهندية ج ۱ ص ۱۸۴، كتاب الصلاة)

حكم من فاتته صلاة العيد مع الإمام)

م :(ومن فاتته صلاة العيد مع الإمام لم يقضها) ش :كلمة مع متعلقة بالصلاة لا بقوله فاتته، أى فاتت الصلاة عنه بالجماعة، وليس معناه فاتت الصلاة عنه وعن الإمام، حاصله أدى الإمام صلاة العيد ولم يؤدها هو، وأما إذا فاتت الإمام أيضا فائتة يصليها مع الجماعة فى اليوم الثانى إذا كان الفوات بعذر. وفى "جوامع الفقه "و "قاضى خان "إذا تركها بغير عذر لا يقضيها أصلا، وبعذر يقضيها فى اليوم الثانى فى وقتها، وبه قال الأوزاعى والثورى وأحمد وإسحاق، وقال ابن المنذر :وبه أقول، وفى "جوامع الفقه :"العذر مثل أن يظهر أنهم صلوها بعد الزوال فى يوم غيم، وعلى قول ابن شجاع :لا يجوز فى اليوم الثانى، وبه قال مالک، فإن تركها فى اليوم الثانى بعذر أو بغير عذر لا يصليها.

وقال الشافعى :من فاتته صلاة العيد يصلى وحده كما يصلى مع الإمام، وهذا بناء على أن المنفرد هل يصلى صلاة العيد، عندنا لا يصلى، وعنده يصلى.

وقال السروجى :وللشافعى قولان الأصح قضاؤها، فإن أمكن جمعهم فى يوم صلى بهم، وإلا صلاها من الغد، وهو فرض قضاء النوافل عنده، وعلى القول الآخر هى الجمعة يشترط الجماعة والأربعين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

لیکن ہمیں عید کی نماز فوت ہونے کی قید کے ساتھ ان چار رکعتوں کی فضیلت کا کسی مستند حدیث میں ذکر دستیاب نہ ہوا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ودار الإقامة، وفعله من الغد إن قلنا إذا لا يصليها فى بقية اليوم، وإلا صلاها فى نفسه وهو الصحيح عندهم.

وتأخيرها عنه قيل لا يسقط أنه لو قيل إلى آخر الشهر، وقال السروجى فى الذى تفوته صلاة العيد مع الإمام :لكنه إن أحب أن يصلى إن شاء صلى ركعتين وإن شاء أربعا كصلاة الضحى كسائر الأيام، ومثله فى البدائع، وعن ابن مسعود -رضى الله عنه -يصلى أربعا، وبه قال أحمد، لكن إن شاء بتسليمة واحدة، وإن شاء بتسليمتين، واستحبه الثورى، وعند الأوزاعى يصلى ركعتين ولا يجهر فيهما بالقراء ة ولا يكبر تكبير الإمام.

وقال إسحاق :إن يصلى فى الجبانة صلاها ركعتين وإلا صلاها أربعا.

وقال السغناقى :فإن أحب أن يصلى فالأفضل أن يصلى أربع ركعات لما روى عن ابن مسعود أنه قال :من فاتته صلاة العيد صلى أربع ركعات يقرأ فى الركعة الأولى (سبح اسم ربک الأعلى) (الأعلى 1 :) (الأعلى :الآية 1) وفى الثانية (والشمس وضحاها) (الشمس1 :) (الشمس :الآية 1) وفى الثالثة (والليل إذا يغشى) (الليل1 :) (الليل :الآية 1) وفى الرابعة (والضحى) (الضحى: 1) (الضحى :الآية 1) وروى فى ذلک عن النبى -صلى الله عليه وسلم -وعدا جميلا وثوابا جزيلا، كذا فى "المحيط ."

قلت :قال ابن المنذر :لا يصح فيه حديث ابن مسعود -رضى الله عنه .-

م :(لأن الصلاة بهذه الصفة) ش :أراد بها التكبيرات المخصوصة بها .م :(لم تعرف قربة إلا بشرائط لا تتم بالمنفرد) ش :أراد بالشرائط هى الشرائط المخصوصة بها، نحو الجماعة والسلطان والمصر والمنفرد عاجز عن ذلک، فلا يجب عليه صلاتها.

وفى "نهاية المطلب "تصح صلاة العيد من المنفرد والمسافر والنساء فى الدور وراء الخدور كالنوافل، غير أن الجماعة فيها مستحبة، وقال ابن المنذر :يصليها المسافر ومن لا تجب عليه الجمعة والمرأة فى بيتها والعبد، وهو قول الحسن البصرى.

وقال الأوزاعى :ليس على المسافر صلاة الأضحى ولا الفطر، وبه قال مالک وإسحاق، وهو قول على بن أبى طالب -رضى الله عنه (البناية شرح الهداية، ج٣،ص ١٢٠ ،باب :صلاة العيدين)

السروجى 637) :وقيل 710 - 639وقيل 701هـ):

هو أحمد بن إبراهيم بن عبد الغنى، أبو العباس، شمس الدين السروجى، فقيه حنفى، تفقه على أبى الربيع سليمان بن أبى العز، وأبى الظاهر إسحاق بن على يحيى والشيخ نجم الدين كان مشاركا فى علوم وجمع وصنف وأفتى ودرس.

من تصانيفه " :اعتراضات على ابن تيمية فى علم الكلام "، و "شرح الهداية "وسماه الغاية ولم يكمله(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٣٨،ص ٣٩٦،مادة"تراجم الفقهاء")

اس لیے اہلِ علم حضرات کو اس حدیث کی سندی تصدیق ہوجانے سے قبل بیان ونقل کرنا مناسب نہیں۔

احادیث کی سندی تحقیق کے لئے کتبِ احادیث کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے، بنسبت فقہی کتابوں کے۔

جہاں تک حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی مستند روایت کا تعلق ہے، تو اس کا ذکر پیچھے گزر چکا ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حنفیہ کے نزدیک جب حاکم کی طرف سے ایک سے زیادہ مقامات پر لوگوں کو خود سے اپنے طور پر کسی کو امام مقرر کر کے نمازِ عید کی ممانعت نہ ہو، تو پھر نمازِ عید کے فوت ہونے کا محدود تصور ختم ہوجاتا ہے، اور قضاء ہونے کا محدود تصور بھی مرتفع ہوکر، توسع پیدا ہوجاتا ہے، اور ایسی صورت میں لوگوں کو اپنے طور پر گھروں وغیرہ میں امام مقرر کر کے نمازِ عید پڑھنا جائز ہوجاتا ہے، اور اِذنِ عام بھی ضرور نہیں رہتا، اور اگر دروازہ کھول دیا جائے، اور کسی کو منع نہ کیا جائے، تو اِذنِ عام بھی متحقق ہوجاتا ہے، جیسا کہ آج کل لوگوں کو حکمرانوں کی طرف سے اس طرح نماز پڑھنے کی ممانعت نہیں۔

اور اس قسم کے اُمور میں **حکمِ حاکم کو رافع للخلاف** بھی قرار دیا گیا ہے، اور جب حکمرانوں کی طرف سے گھروں میں نمازِ عید پڑھنے کی اجازت، بلکہ حکم موجود ہو، تو پھر اس کو کیونکر ناجائز قرار دیا جاسکتا ہے، جس کی تفصیل ہم نے نمازِ جمعہ سے متعلق اپنے دوسرے مضامین میں ذکر کردی ہے۔

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اگر کسی شخص کو باجماعت نمازِ عید دستیاب نہ ہو، تو اس پر عید کی نماز پڑھنا واجب نہیں رہتا، لیکن اگر وہ پڑھنا چاہے، تو اس کے لئے جائز ہے۔

اور اس کے لئے جس طرح دو رکعتیں پڑھنا جائز ہے، اسی طرح چار رکعتیں پڑھنا بھی جائز ہے۔

پھر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے اس بات کی تصریح دستیاب نہیں کہ یہ چار رکعتیں ایک سلام کے ساتھ پڑھے گا، یا دو سلاموں کے ساتھ پڑھے گا، اور یہ نماز مطلق تطوع و نفل ہوگی، یا عید کے قائم مقام ہوگی، اور اس کو عام نوافل کی طرح پڑھا جائے گا، یا زائد تکبیرات کے ساتھ پڑھا جائے گا۔

البتہ بعد کے متعدد مشائخِ حنفیہ نے ان کو مطلق نوافل اور بعض نے چاشت کے نوافل کا درجہ دیا ہے۔

لیکن بعض مشائخِ حنفیہ، مثلاً علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ وغیرہ نے اس کو نمازِ عید کا درجہ دیا ہے۔

اور ہمارے نزدیک یہی رائے راجح ہے، جس کی تائید بعض صحابۂ کرام کی روایات اور جلیل القدر تابعین کے آثار سے بھی ہوتی ہے، جن سے نمازِ عید رہ جانے کی صورت میں دو، یا چار رکعات پڑھنے کی تصریح ہے۔

اور غالباً امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے دو اور چار رکعات کا اختیار دے کر اس سلسلہ میں مروی متعدد روایات وآثار کی رعایت کو ملحوظ رکھا ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ مشائخِ حنفیہ کا نمازِ عید کی تکبیرات سے انکار مراد نہیں، البتہ قضاء واجب نہ ہونے اور جہری قرائت نہ ہونے اور خطبہ نہ ہونے جیسی وجوہات کی بناء پر چاشت سے مشابہت مراد ہے، تو پھر یہ ایک لفظی اختلاف شمار ہوتا ہے۔

اور یہ کہنا درست قرار پاتا ہے کہ نمازِ عید فوت ہونے کے بعد عندالحنفیہ اس کی قضاء واجب نہیں، البتہ اگر کوئی چاہے، تو زائد تکبیرات کے ساتھ دو، یا چار رکعات بغیر جہری قرائت وخطبہ کے پڑھ لے، جو بظاہر اور صورتاً، جہری قرائت اور خطبہ وجماعت نہ ہونے کی وجہ سے چاشت کا درجہ رکھتی ہیں، اگرچہ ان کو عید کا عنوان کیوں نہ دیا جائے۔

نیز تنہاء پڑھنے کی صورت میں تکبیر کو بھی واجب نہ کہا جائے، تو گنجائش ہے، یعنی تکبیر کے بغیر

بھی نمازِ عید کا حکم دینے کی گنجائش ہے۔

اور ہمارا رجحان اس طرف ہوا کہ دو رکعتیں مطلق عید کی نیت سے پڑھنا بہتر ہے، پھر اگر یہ درحقیقت نمازِ عید ہوئی، تو فبہـــا، ورنہ نفل ہو جائیں گی، اور یہ گزر چکا کہ نمازِ عید کے تطوع وغیرتطوع میں اختلاف کی وجہ سے عندالحنفیۃ بھی نمازِ عید میں مطلق نیت بہتر ہے، تاکہ اختلاف کی رعایت ہو جائے۔

جن روایات میں دو رکعات کا تکبیر کے ساتھ اور عید کی نماز کی طرح پڑھنے کا ذکر ہے، ان سے صاف طور پر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ عید کی نماز ہی کہلائے گی، اور ان روایات سے عید کی نماز کے تنہاء پڑھنے کا بھی ثبوت ہوتا ہے۔

اور بعض روایات میں چار رکعات پڑھنے کا ذکر آیا ہے، اگر کوئی چار رکعات پڑھنا چاہے، تو مزید دو رکعات بعد میں عام نفل کے طور پر پڑھ لے، تاکہ یہ جماعت اور خطبہ وغیرہ کی تلافی کے طور پر ہو جائیں۔

خلاصہ یہ کہ مختلف روایات وآثار کے پیشِ نظر امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک نمازِ عید باجماعت فوت ہونے کے بعد اس کی قضاء انفرادی طور پر واجب نہیں رہتی، البتہ بصورتِ تطوع جائز ومستحب رہتی ہے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک تطوع کے طریقہ پر درحقیقت یہ عید کی قضاء ہی ہے۔

لیکن جماعت، خطبہ اور جہری قرائت وغیرہ کی صفات مفقود ہونے کی وجہ سے یہ اپنی مخصوص ہیئت پر قائم نہیں رہتی، اس لیے اس کو نمازِ عید کی قضاء کا عنوان دینے سے اجتناب کیا گیا۔

اس لیے ایک جہت سے یہ نمازِ عید کی قضاء کہلائے گی، اور دوسری جہت سے تطوعِ محض کہلائے گی، بعض نے اس کی تعبیر تطوعِ محض، یا چاشت کی نماز سے کردی، اور بعض نے قضاء سے کردی، جیسا کہ پہلے دن کسی عذر سے نمازِ عید نہ پڑھی جانے کی صورت میں اگلے دن کی نماز کے متعلق اداء وقضاء کہلائے جانے میں فقہائے کرام کے مابین اختلاف رونما ہوا۔

اس حیثیت سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا یہ قول نہ تو جمہور کے خلاف کہلائے گا، اور نہ ہی آثارِ صحابہ وتابعین وغیرہ کے خلاف شمار ہوگا۔

چنانچہ دیگر فقہائے کرام میں سے بھی کسی نے تو قضاءِ عید، یا انفراداً نمازِ عید کو جائز کہا، کسی نے سنت، یا مستحب ومندوب وغیرہ کہا، اور کسی نے چار رکعات کی شکل میں پڑھنے کو راجح کہا، اور کسی نے دو رکعات کی شکل میں پڑھنے کو راجح کہا، اور کسی نے تکبیراتِ زوائد کے ساتھ پڑھنے کو راجح کہا، کسی نے خطبہ وتکبیر کے بغیر پڑھنے کو راجح کہا، اور یہ اختلاف اَولویت وغیر اَولویت کے مابین دائر رہا۔

اور یہ بات اپنے مقام پر طے ہوچکی ہے کہ اس قسم کے اجتہادی مسائل میں اختلاف سے خروج اولیٰ ہوا کرتا ہے، جو کہ مذکورہ صورت میں بہر حال مرد وعورت سب کے لیے پڑھ لینے میں ہی ملحوظ ہے، تا کہ اگر واجب، یا سنت ادا نہ ہو، تو تطوع کا تو بہر حال اجر وثواب حاصل ہو ہی جائے، جس پر کسی کا اختلاف نہیں، اور عید کے عمومی حکم میں شرکت سے کوئی مسلم مرد وعورت محروم نہ رہے۔ [1]

اور جب نمازِ عید کی قضاء کے وجوب وعدمِ وجوب اور سنت ومستحب ہونے وغیرہ میں بھی اختلاف ہے، یہاں تک کہ اگلے اور تیسرے دن تک پڑھنے کا بھی فی الجملہ ثبوت ہے، تو اس

---

[1] التورع للخروج عن الخلاف:

قال القرافی :من الورع الخروج عن خلاف العلماء بحسب الإمكان، فإن اختلف العلماء فی فعل هل هو مباح أو حرام فالورع الترک، أو هو مباح أو واجب فالورع الفعل مع اعتقاد الوجوب حتى يجزء عن الواجب على المذهب.

وإن اختلفوا فيه :هل هو مندوب أو حرام فالورع الترک، أو مكروه أو واجب فالورع الفعل، حذرا من العقاب فی ترک الواجب، وفعل المكروه لا يضره.

وإن اختلفوا هل هو مشروع أم لا فالورع الفعل، لأن القائل بالمشروعية مثبت لأمر لم يطلع عليه النافی، والمثبت مقدم على النافی كتعارض البينات(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۴۳،ص ۱۰۹ ،مادة"ورع")

(قوله وذاک) أی ما فی المتن أحوط للخروج عن الخلاف ولموافقته للآثار(رد المحتار على الدر المختار، ج ۱،ص ۲۱۵ ،باب المياه،فصل فی البئر)

حیثیت سے اس کا نمازِ جمعہ پر بھی قیاس درست نہیں، کیونکہ وقت گزرنے کے بعد جمعہ کی بالاتفاق قضاء نہیں، اوراس کے بجائے نمازِ ظہر کا حکم ہے۔

خلاصہ یہ کہ بحالاتِ موجودہ حنفیہ کے نزدیک بھی گھروں میں باجماعت نمازِ عید درست ہے، اور جمہور کے علاوہ خود حنفیہ کے نزدیک بھی انفراداً نمازِ عید کے درست ہونے کی گنجائش ہے۔ اور ممانعت کی کوئی معقول وجہ سامنے نہ آسکی، جس کی کچھ تفصیل پہلے گزرچکی ہے، کچھ مزید آگے خلاصۃُ الکلام میں آتی ہے۔

''بدایۃُ المجتھد'' کا حوالہ

علامہ ابنِ رشد مالکی نے ''بدایۃُ المجتھد'' میں عید کی نماز فوت ہونے کی صورت میں فقہائے کرام کے مختلف اقوال کا ذکر کر کے فرمایا کہ قضاء کے متعلق جمعہ کے ساتھ تشبیہ کا قول ضعیف ہے، کیونکہ جمعہ کے عوض میں ظہر کی چار رکعات کا ثبوت ہے، جبکہ عید کا معاملہ ایسا نہیں۔ [1]

---

[1] واختلفوا فيمن تفوته صلاة العيد مع الإمام فقال قوم :يصلي أربعا وبه قال أحمد والثورى وهو مروى عن ابن مسعود .وقال قوم :بل يقضيها على صفة صلاة الإمام ركعتين يكبر فيهما نحو تكبيره ويجهر كجهره وبه قال الشافعي وأبو ثور .

وقال قوم :بل ركعتين فقط لا يجهر فيهما ولا يكبر تكبير العيد .

وقال قوم :إن صلى الإمام فى المصلى صلى ركعتين وإن صلى المصلى صلى أربع ركعات .

وقال قوم :لا قضاء عليه أصلا وهو قول مالك وأصحابه .وحكى ابن المنذر عنه مثل قول الشافعي فمن قال أربعا الجمعة وهو تشبيه ضعيف ومن قال ركعتين كما صلاهما الإمام فمصيرا إلى أن الأصل هو أن القضاء يجب أن يكون على صفة الأداء ومن منع القضاء فلأنه رأى أنها صلاة من شرطها الجماعة والإمام كالجمعة فلم يجب قضاؤها ركعتين ولا أربعا إذ ليست هي بدلا من شيء وهذان القولان هما اللذان يتردد فيهما النظر :أعني قول الشافعي وقول مالك .وأما سائر الأقاويل في ذلك فضعيف لا معنى له لأن صلاة الجمعة بدل من الظهر وهذه ليست بدلا من شيء فكيف يجب أن تقاس إحداهما على الأخرى فى القضاء وعلى الحقيقة فليس من فاتته الجمعة فصلاته الظهر قضاء بل هي أداء لأنه إذا فاته البدل وجبت هي والله الموفق للصواب (بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ج ١، ص ٢٢٠، كتاب الصلاة الثانى، الباب الثامن فى صلاة العيدين)

نیز علامہ ابنِ رُشد نے عید کی نماز کے واجب اور سنت ہونے کے متعلق مختلف فقہائے کرام کے اقوال ذکر کیے ہیں، اور پھر فرمایا کہ اس اختلاف کا سبب نمازِ عید کو جمعہ پر قیاس کرنے، نہ کرنے پر مبنی ہے۔ [1]

"الفواكهُ الدوانی" کا حوالہ

مالکیہ کی کتاب "الفواکہ الدوانی" میں ہے کہ جس کی نمازِ عید فوت ہوجائے، تو اس کو عید کی نماز پڑھنا مندوب ہے۔ [2]

"شرح مختصر خليل" کا حوالہ

مالکیہ کی کتاب "شرح مختصر خلیل" میں امام کے ساتھ نمازِ عید فوت ہونے کے بعد،

---

[1] واختلفوا فيمن تجب عليه صلاة العيد -أعنى :وجوب السنة -فقالت طائفة : يصليها الحاضر والمسافر، وبه قال الشافعى والحسن البصرى، وكذلك قال الشافعى :إنه يصليها أهل البوادى، ومن لا يجمع حتى المرأة فى بيتها .وقال أبو حنيفة وأصحابه :إنما تجب صلاة الجمعة والعيدين على أهل الأمصار والمدائن .وروى عن على أنه قال :لا جمعة ولا تشريق إلا فى مصر جامع .وروى عن الزهرى أنه قال :لا صلاة فطر ولا أضحى على مسافر.

والسبب فى هذا الاختلاف :اختلافهم فى قياسها على الجمعة، فمن قاسها على الجمعة كان مذهبه فيها على مذهبه فى الجمعة، ومن لم يقسها رأى أن الأصل هو أن كل مكلف مخاطب بها حتى يثبت استثناؤه من الخطاب.

قال القاضى :قد فرقت السنة بين الحكم للنساء فى العيدين والجمعة، وذلك أنه ثبت أنه -عليه الصلاة والسلام -أمر النساء بالخروج للعيدين، ولم يأمر بذلك فى الجمعة. وكذلك اختلفوا فى الموضع الذى يجب منه المجىء إليها كاختلافهم فى صلاة الجمعة من الثلاثة الأميال إلى مسيرة اليوم التام(بداية المجتهد ونهاية المقتصد، ج ١ ،ص ٢٢٩، كتاب الصلاة الثانى

،الباب الثامن فى صلاة العيدين)

[2] صلاة العيد كصلاة الجمعة فى اشتراط الجماعة حتى تقع سنة، وأما من فاتته فيندب له فقط (الفواكه الدوانى على رسالة ابن أبى زيد القيروانى،ج ١ ،ص ٢٧٠،باب فى صلاة العيدين)

نمازِ عید کے جماعت کے ساتھ، یا بغیر جماعت کے پڑھے جانے میں اختلاف کا ذکر ہے۔ [1]
دیگر شروحات میں قضاء کرنے کی صورت میں خطبہ کے ہونے، نہ ہونے کے قول کا بھی ذکر ہے۔ [2]

---

[1] (ص) وإقامة من لم يؤمر بها أو فاتته (ش) أى إنه يستحب لمن لم يؤمر بالجمعة وجوبا أو فاتته صلاة العيد مع الإمام أن يصليها وهل فى جماعة، أو أفذاذا قولان فمن أمر بالجمعة وجوبا أمر بالعيد سنة ومن لم يؤمر بها وجوبا أمر بالعيد استحبابا(شرح مختصر خليل للخرشي، ج٢،ص ١٠٤،فصل صلاة العيد)

[2] (وإقامة من لم يؤمر بها) قال مالك فى أهل القرى الذين لا جمعة عليهم :لا يصلون العيد
قال ابن القاسم :ولا بأس أن يجتمعوا ويصلوا صلاة بغير خطبة، وإن خطب فحسن
ابن رشد :في هذه المسألة فى المدونة اختلاف فى الرواية.
وقال ابن يونس :قال ابن حبيب :صلاة العيد تلزم كل مسلم وتجب على الرجال والنساء والعبيد والمسافرين ومن يؤمر بالصلاة من الصبيان يؤمر بها، وإن لم يشهدوها فى جماعة صلوها ركعتين حيث كانوا على سنتها فى التكبير والقراء ة وهو قول مالك وجماعة من أصحابه
وقال أبو عمر :قال مالك فى المدونة :ليست على النساء إلا أنها تستحب لهن.
(أو فاتته) فى الموطأ قال مالك :من وجد الناس قد انصرفوا يوم العيد فلا أرى عليه صلاة، وإن صلى فى المصلى، أو فى بيته فلا بأس ويكبر سبعا وخمسا.
الباجى :وهل يصليها من تخلف عنها فى جماعة؟ قال فى المدونة :من لم يخرج إليها من النساء لا يجمع بهن أحد(التاج والإكليل لمختصر خليل، ج٢،ص ٥٨١،باب فى صلاة العيدين)
ص (وإقامة من لم يؤمر بها أو فاتته)
ش :قال فى المدونة :ولا تجب صلاة العيدين على النساء والعبيد ولا يؤمرون بالخروج إليها ومن حضرها منهم لم ينصرف إلا بانصراف الإمام وإذا لم يخرجن النساء ؛ فما عليهن بواجب أن يصلين، ويستحب لهن أن يصلين أفذاذا ولا تؤمهن منهن واحدة انتهى.
قال سند إذا لم يكن معهن رجل صلين أفذاذا فإن كان معهن رجل تخلف لعذر فهل يجمع بهن يختلف فيه بناء على أن من منعه العذر أن يجمع مع الإمام فى العيدين هل يجمع دونه؟ وسيأتى، ثم قال فى المدونة :ومن فاتته صلاة العيدين مع الإمام فيستحب له أن يصليها من غير إيجاب انتهى.
قال سند :إن جاء من فاتته والإمام يخطب فإنه يجلس ولا يصلى وسواء كان فى المصلى أو فى المسجد ثم قال فإن فاتت جماعة فأرادوا أن يصلوا بجماعتهم فهل يجوز؟ .
يختلف فيه قال ابن حبيب :من فاتته العيد لا بأس أن يجمعها مع نفر من أهله وقال سحنون :لا أرى أن يجمعوا وإن أحبوا صلوا أفذاذا ثم قال :والمذهب أنهم لا يخطبون ثم قال فى المدونة ويصليها أهل القرى كأهل الحضر فحمله سند على أن المراد به أهل القرى الصغار الذين لا تجب عليهم الجمعة وأنه يستحب لهم أن يصلوها ثم قال :إذا قلنا لا تجب فى غير موطن استيطان ويستحب لهم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

بہر حال مالکیہ کے نزدیک گھروں وغیرہ میں عید کی نماز جائز ہے، جس کے طریقۂ کار کے افضل وغیر افضل اور راجح وغیر راجح ہونے میں اگرچہ مختلف صورتوں میں ان کا اختلاف ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أن يقيموها فهل ذلك من غير خطبة قال عيسى عن ابن القاسم إن شاء من لا جمعة عليهم أن يصلوها بإمام فعلوا ولكن لا خطبة عليهم فإن خطبوا فحسن انتهى.

وما ذكره عن عيسى هو فى أول رسم من سماعه قال ابن رشد فى شرحه هو خلاف ما تقدم فى رسم العيدين آخر سماع أشهب وقال فى سماع أشهب المشار إليه :لم ير فى هذه الرواية أن يصلى العيدين فى جماعة وخطبة ومن لا تجب عليهم الجمعة وهو خلاف ما فى أول رسم من سماع عيسى وفى المدونة فى هذه المسألة اختلاف فى الرواية انتهى.

فالحاصل أن المراد بقول المصنف :إقامة من لم يؤمر بها أو فاتته أنه يستحب له أن يصليها وهل فى جماعة أو أفذاذا؟ .

قولان، والأصح أنه لا يجوز لهم جمعها، قال فى الشامل :وإقامتها لمن فاتته ولمن لا تلزمه فذا وكذلك جماعة على الأصح فيهما انتهى.

ويظهر من كلام صاحب الطراز ترجيح جواز الجمع.

وعلى جواز الجمع لمن فاتته من أهل المصر لا يخطب بلا خلاف وكذلك من تخلف عنها لعذر وكذلك العبيد والمسافرون واختلف فى أهل القرى الصغار على قولين والله أعلم.

(فرعان الأول) فلو أراد أن يجمعها من فاتته فى المسجد أو فى المصلى والظاهر أنهم يمنعون من ذلك ويدل لذلك قول ابن حبيب من فاتته العيد فلا بأس أن يجمع مع نفر من أهله والله سبحانه وتعالى أعلم(مواهب الجليل فى شرح مختصر خليل،ج٢،ص١٩٨،فصل صلاة العيدين)

من فاتته صلاة العيد مع الإمام، يندب له أن يقيم صلاة العيد، وهل يقيمها فذا أو جماعة؟ قولان، ومقتضى كلام الذخيرة أن الأول هو الراجح، وعلى إقامتها جماعة فلا يخطبون .قاله الشبراخيتى.

وكذا قال بنانى :إن الراجح صلاة من فاتته لها فذا لا جماعة .وهو ممن تسن فى حقه .وفى الحطاب :قال فى الشامل :وإقامتها لمن فاتته، ولمن لا تلزمه فذا، وكذا فى جماعة على الأصح فيهما انتهى .ويظهر من كلام صاحب الطراز ترجيح جواز الجمع، وعلى جواز الجمع فمن فاتته من أهل المصر لا يخطب بلا خلاف، وكذا من تخلف عنه لعذر، وكذا العبيد، والمسافرون .واختلف فى أهل القرى الصغار على قولين .والله أعلم .انتهى كلام الحطاب .وقال الحطاب :وقال الحطاب فلو أراد أن يجمعها محن فاتته فى المسجد أو فى المصلى فالظاهر أنهم يمنعون من ذلك، ويدل لذلك قول ابن حبيب :من فاته العيد فلا بأس أن يجمعها مع نفر من أهله .والله سبحانه أعلم .انتهى .وقال سحنون .لا أرى أن يجمعوا؛ يعنى من فاتته صلاة العيد وإن أحبوا صلوا أفذاذا، وفى الأجوبة الناصرية :أن أهل البادية يقيمون الصلاة ولا يخطبون (لوامع الدرر فى هتك أستار المختصر ،شرح مختصر خليل للشيخ خليل بن إسحاق الجندى المالكى، ج٢، ص٢٤٧)

''المجموع شرح المهذب'' کا حوالہ

امام نووی شافعی نے ''المجموع شرح المهذب'' میں فرمایا کہ:

جس کی نمازِ عید امام کے ساتھ فوت ہوجائے، تو وہ تنہاء پڑھے گا، اور عید کے دن سورج کے زوال سے پہلے اس کی نمازِ عید اداء کہلائے گی، اور سورج کے زوال کے بعد فوت ہوجائے گی، اور اس کے بعد اس کی قضاء کے مستحب ہونے میں دو قول ہیں، زیادہ صحیح مستحب ہونے کا ہے۔ [1]

عید کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھنا سنت ہے، اور اگر کوئی تنہاء پڑھے، تو شافعیہ کے مذہب میں اس کی نمازِ عید صحیح ہے۔ [2]

منفرد اور مسافر اور غلام اور عورت کے لئے مذہبِ شافعی میں صحیح قول یہ ہے کہ ان کو بھی گھر میں عید کی نماز پڑھنا مشروع ہے، کیونکہ یہ تطوع نماز میں داخل ہے، جس کو پڑھنا جائز ہے۔ انتہیٰ۔ [3]

---

[1] فإن فاتته صلاة العيد مع الإمام صلاها وحده وكانت أداء ما لم تزل الشمس يوم العيد وأما من لم يصل حتى زالت الشمس فقد فاتته وهل يستحب قضاؤها فيه القولان السابقان فى باب صلاة التطوع فى قضاء النوافل (أصحهما) يستحب وقال أبو حنيفة إذا فاتته مع الإمام لم يأت بها أصلا(المجموع شرح المهذب، ج۵،ص ۴،باب صلاة العيدين)

[2] (فرع) تسن صلاة العيد جماعة وهذا مجمع عليه للأحاديث الصحيحة المشهورة فلو صلاها المنفرد فالمذهب صحتها(المجموع شرح المهذب، ج۵،ص ۱۹،باب صلاة العيدين)

[3] قال المصنف رحمه الله *(روى المزنى رحمه الله انه يجوز صلاة العيد للمنفرد والمسافر والعبد والمرأة وقال فى الاملاء والقديم والصيد والذبائح لا يصلى العيد حيث لا تصلى الجمعة فمن اصحابنا من قال فيها قولان (احدهما) لا يصلون "لأن النبى صلى الله عليه وسلم كان بمنى مسافرا يوم النحر فلم يصل "ولانها صلاة شرع لها الخطبة واجتماع الكافة فلم يفعلها المسافر كالجمعة.

(والثانى)يصلون وهو الصحيح لانها صلاة نفل فجاز لهم فعلها كصلاة الكسوف ومن اصحابنا من قال يجوز لهم فعلها قولا واحدا وتأول ما قال فى الاملاء والقديم على انه اراد لا يصلى بالاجتماع والخطبة حيث لا تصلى الجمعة لان فى ذلک افتياتا على السلطان(المجموع شرح المهذب، ج۵،ص ۲۵،باب صلاة العيدين)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

”النجمُ الوھاج“ کا حوالہ

اور شافعیہ کی کتاب ”النجمُ الوھاج“ میں ہے کہ:

عید کی نماز، جماعت کے ساتھ بالاجماع مشروع ہے، اور منفرد اور غلام اور عورت اور مسافر کے لئے بھی جائز ہے۔

تاہم زیادہ صحیح قول کے مطابق منفرد، خطبہ نہیں دے گا۔ انتھیٰ۔ [1]

”الغررُ البھیة“ کا حوالہ

اور شافعیہ کی کتاب ”الغررُ البھیة“ میں ہے کہ:

جو شخص تنہاء عید کی نماز پڑھے، وہ خطبہ نہیں دے گا، کیونکہ خطبہ سے مقصود، دوسرے کو وعظ و نصیحت کرنا ہے، جو کہ منفرد کے حق میں موجود نہیں۔ انتھیٰ۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أما الأحكام فهل تشرع صلاة العيد للعبد والمسافر والمرأة والمنفرد فى بيته أو فى غيره فيه طريقان (أصحهما وأشهرهما) القطع بأنها تشرع لهم ودليله ما ذكره المصنف وأجابوا عن ترك النبى صلى الله عليه وسلم صلاة العيد بمنى بانه تركها لا شتغاله بالمناسك وتعليم الناس أحكامها وكان ذلك أهم من العيد(المجموع شرح المهذب، ج٥،ص ٢٦،باب صلاة العيدين)

[1] قال :(وتشرع جماعة) بالإجماع.

قال :(وللمنفرد والعبد والمرأة والمسافر) كسائر النوافل، إلا أن المرأة الجميلة وذات الهيئة يكره لها أن تحضرها، والعجوز يستحب لها الحضور لكن فى ثياب بيتها بلا طيب كما سيأتى، والخنثى فى هذا كالمرأة. ونقل عن القديم :أنها كالجمعة فى الشروط، حتى لا تصح للمنفرد ونحوه، إلا أنه يستثنى -على هذا القول -إقامتها فى خطة الأبنية، وتقديم الخطبتين، والعدد.

وإذا قلنا :يصلى المنفرد ..لا يخطب على الأصح.

وإذا اجتمع مسافرون ..صلى بهم واحد منهم وخطب، وكذلك من لا جمعة عليهم إذا اجتمعوا(النجم الوهاج فى شرح المنهاج،لأبى البقاء الشافعى، ج٢،ص٥٣٧، كتاب الصلاة)

[2] (ومن يصلى وحده) صلاة العيد (لا يخطب) إذ الغرض من الخطبة تذكير الغير وهو منتف فى المنفرد(الغرر البهية فى شرح البهجة الوردية،لزكريا بن محمد بن أحمد بن زكريا الأنصارى الشافعى،ج٢،ص ٥٦،باب صلاة العيد)

اس قسم کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ شافعیہ کے نزدیک بھی گھروں وغیرہ میں تنہاء اور بغیر جماعت کے نمازِ عید کا پڑھنا جائز ہے۔

”المغنی لابنِ قدامۃ“ کا حوالہ

حنابلہ کی کتاب ”المغنی لابن قدامۃ“ میں ہے کہ:

جس کی نمازِ عید فوت ہو جائے، تو وہ نفل نماز کی طرح چار رکعات پڑھے گا، اور اگر چاہے، تو دو رکعتوں کے درمیان سلام کا فاصلہ بھی کر لے گا۔

جس کی دلیل حضرت ابنِ مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کی روایات ہیں۔

اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ نمازِ عید کی قضاء ہے، لہٰذا نمازِ جمعہ کی طرح چار رکعتیں ہوں گی۔

اور اگر چاہے تو چار کے بجائے دو رکعتیں عام نوافل کی طرح پڑھ لے، امام اوزاعی کا یہی قول ہے۔

اور اگر چاہے تو دو رکعتیں نمازِ عید کے طریقہ پر تکبیر کے ساتھ پڑھ لے۔

امام احمد سے اسماعیل بن سعید نے اس قول کو نقل کیا ہے، جس کو جوزجانی نے اختیار کیا ہے، ابراہیم نخعی، اور امام مالک اور امام شافعی اور ابوثور اور ابنِ منذر کا یہی قول ہے، جس کی دلیل حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

اور ایک دلیل یہ بھی ہے کہ یہ نمازِ عید کی قضاء ہے، تو وہ دوسری نمازوں کی طرح نمازِ عید کی طرح ہی ہوگی، اور اس کو تنہاء اور جماعت کے ساتھ دونوں طرح پڑھنے کا اختیار ہے، خواہ وہ عیدگاہ میں پڑھے، یا جس جگہ چاہے پڑھے۔ انتھیٰ۔ [1]

---

[1] مسألة؛ قال :(ومن فاتته صلاة العيد صلى أربع ركعات، كصلاة التطوع، وإن أحب فصل بسلام بين كل ركعتين) . وجملته أن من فاتته صلاة العيد فلا قضاء عليه؛ لأنها فرض كفاية، قام بها من حصلت الكفاية به، فإن أحب قضاء ها فهو مخير، إن شاء صلاها أربعا، إما بسلام واحد وإما بسلامين.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

نیز مذکورہ کتاب میں ہی ہے کہ:

اگر عید کے دن سورج کے زوال کے بعد عید کا علم ہوا، تو اگلے دن صبح کے وقت عید کی نماز پڑھی جائے گی۔

اور جس کی نمازِ عید فوت ہو جائے، اور زوال بھی ہو جائے، اور وہ عید کی نماز قضاء کرنا چاہے، تو وہ جب چاہے، اس کو قضاء کر سکتا ہے۔

لیکن ابنِ عقیل نے فرمایا کہ اگلے دن قضاء نہیں کر سکتا، لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے، کیونکہ یہ تطوع اور نفل نماز ہے، جب بھی وہ اُس کو چاہے، پڑھ سکتا ہے۔

اور عید کی نماز واجب ہونے کے لئے استیطان شرط ہے، اور جمعہ کے لئے مشروط عدد بھی شرط ہے، اور اِذنِ امام کا ہونا صحیح تر قول کے مطابق شرط نہیں۔

لیکن عید کی نماز صحیح ہونے کے لئے ان میں سے کوئی چیز شرط نہیں۔

کیونکہ ایک شخص کی طرف سے بھی عید کی نماز کا پڑھنا جائز ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وروى هذا عن ابن مسعود، وهو قول الثورى؛ وذلك لما روى عبد الله بن مسعود، أنه قال :من فاته العيد فليصل أربعا، ومن فاتته الجمعة فليصل أربعا .وروى عن على -رضى الله عنه -أنه قال: إن أمرت رجلا أن يصلى بضعفة الناس، أمرته أن يصلى أربعا .رواهما سعيد .قال أحمد، -رحمه الله :-يقوى ذلك حديث على، أنه أمر رجلا يصلى بضعفة الناس أربعا، ولا يخطب.

ولأنه قضاء صلاة عيد، فكان أربعا كصلاة الجمعة.

وإن شاء أن يصلى ركعتين كصلاة التطوع .وهذا قول الأوزاعى لأن ذلك تطوع.

وإن شاء صلاها على صفة صلاة العيد بتكبير .نقل ذلك عن أحمد إسماعيل بن سعيد، واختاره الجوزجانى.

وهذا قول النخعى، ومالك، والشافعى، وأبى ثور وابن المنذر؛ لما روى عن أنس، أنه كان إذا لم يشهد العيد مع الإمام بالبصرة جمع أهله ومواليه، ثم قام عبد الله بن أبى عتبة مولاه فيصلى بهم ركعتين، يكبر فيهما.

ولأنه قضاء صلاة، فكان على صفتها، كسائر الصلوات، وهو مخير، إن شاء صلاها وحده، وإن شاء فى جماعة .قيل لأبى عبد الله :أين يصلى؟ قال :إن شاء مضى إلى المصلى، وإن شاء حيث شاء

(المغنى لابن قدامة، ج ٢، ص ٢٨٩، باب صلاة العيدين، مسألة فاتته صلاة العيد)

تاہم جب امام کسی شہر میں ایک مرتبہ خطبہ دیدے، پھر لوگ عید کی نماز پڑھنا چاہیں، تو وہ خطبہ نہیں دیں گے، بلکہ بغیر خطبہ کے نمازِ عید پڑھیں گے، تاکہ اس کی وجہ سے امام کے ساتھ افتراق و تفریق لازم نہ آئے۔ انتھیٰ۔ [1]

---

[1] فصل :إذا لم يعلم بيوم العيد إلا بعد زوال الشمس، خرج من الغد، فصلى بهم العيد .وهذا قول الأوزاعي، والثوري، وإسحاق، وابن المنذر .وصوبه الخطابي .وحكى عن أبي حنيفة أنها لا تقضى .وقال الشافعي :إن علم بعد غروب الشمس كقولنا، وإن علم بعد الزوال لم يصل، لأنها صلاة شرع لها الاجتماع والخطبة، فلا تقضى بعد فوات وقتها، كصلاة الجمعة.

وإنما يصليها إذا علم بعد غروب الشمس؛ لأن العيد هو الغد؛ لقول النبي -صلى الله عليه وسلم -: فطركم يوم تفطرون، وأضحاكم يوم تضحون، وعرفتكم يوم تعرفون .ولنا، ما روى أبو عمير بن أنس، عن عمومة له من أصحاب رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أن ركبا جاءوا

إلى النبي -صلى الله عليه وسلم -فشهدوا أنهم رأوا الهلال بالأمس، فأمرهم أن يفطروا .فإذا أصبحوا أن يغدوا إلى مصلاهم .رواه أبو داود.

قال الخطابي :سنة رسول الله -صلى الله عليه وسلم -أولى، وحديث أبي عمير صحيح، فالمصير إليه واجب .ولأنها صلاة مؤقتة، فلا تسقط بفوات الوقت، كسائر الفرائض، وقياسهم على الجمعة لا يصح؛ لأنها معدول بها عن الظهر بشرائط منها الوقت، فإذا فات واحد منها رجع إلى الأصل.

(فصل فاتته صلاة العيد حتى زالت الشمس وأحب قضاءها)

فصل :فأما الواحد إذا فاتته حتى تزول الشمس، وأحب قضاءها، قضاها متى أحب .وقال ابن عقيل :لا يقضيها إلا من الغد، قياسا على المسألة التي قبلها .وهذا لا يصح؛ لأن ما يفعله تطوع، فمتى أحب أتى به، وفارق ما إذا لم يعلم الإمام والناس، لأن الناس تفرقوا يومئذ على أن العيد في الغد، فلا يجتمعون إلا من الغد، ولا كذلك هاهنا، فإنه لا يحتاج إلى اجتماع الجماعة.

ولأن صلاة الإمام هي الصلاة الواجبة، التي يعتبر لها شروط العيد ومكانه وصفة صلاته، فاعتبر لها الوقت، وهذا بخلافه.

(فصل شرط صلاة العيدين الاستيطان) فصل :ويشترط الاستيطان لوجوبها؛ لأن النبي -صلى الله عليه وسلم -لم يصلها في سفره .ولا خلفاؤه وكذلك العدد المشترط للجمعة؛ لأنها صلاة عيد، فأشبهت الجمعة .وفي إذن الإمام روايتان :أصحهما، ليس بشرط.

ولا يشترط شيء من ذلك لصحتها، لأنها تصح من الواحد في القضاء، وقال أبو الخطاب في ذلك كله روايتان .وقال القاضي :كلام أحمد يقتضي روايتين :إحداهما، لا يقام العيد إلا حيث تقام الجمعة وهذا مذهب أبي حنيفة إلا أنه لا يرى ذلك إلا في مصر، لقوله :لا جمعة ولا تشريق إلا في مصر جامع .والثانية، يصليها المنفرد والمسافر، والعبد والنساء، على كل حال.

وهذا قول الحسن والشافعي، لأنه ليس من شرطها الاستيطان فلم يكن من شرطها الجماعة، كالنوافل.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

تفریق کا مفسدہ چونکہ خطبہ کی سنت کو ترک کرنے سے زیادہ نقصان دہ ہے، اس لیے اس علت کی وجہ سے ترکِ خطبہ کو راجح قرار دیا گیا۔

”الشرحُ الکبیر“ کا حوالہ

حنابلہ کی کتاب ”الشرحُ الکبیر“ میں بھی نمازِ عید فوت ہونے کی صورت میں اُس کی قضاء کے مستحب ہونے کا ذکر ہے، اور قضاء پڑھنے کی صورت میں ایک قول چار رکعات پڑھنے کا، اور دوسرا قول دو، اور چار رکعتوں کے درمیان اختیار ہونے کا مذکور ہے۔ [1]

مذکورہ عبارات سے معلوم ہوا کہ حنابلہ کے یہاں بھی نمازِ عید کے گھروں وغیرہ میں بلا جماعت اور باجماعت پڑھنے، بلکہ وقت گزرنے کے بعد قضاء کی صورت میں بھی اداء کرنے کے جواز میں کافی توسع موجود ہے۔

پس نمازِ عید کے گھروں میں اور باجماعت اور بلا جماعت مشروع ہونے پر جمہور فقہائے کرام

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

إلا أن الإمام إذا خطب مرة، ثم أرادوا أن يصلوا، لم يخطبوا وصلوا بغير خطبة، كي لا يؤدى إلى تفريق الكلمة، والتفصيل الذى ذكرناه أولى ما قيل به، إن شاء الله تعالى(المغنى لابن قدامة، ج۲،ص ۲۹۰ و ۲۹۱ ،باب صلاة العيدين)

[1] (مسألة) * (وإن فاتته الصلاة استحب أن يقضيها على صفتها وعنه يقضيها أربعاً وعنه أنه مخير بين ركعتين وأربع) وجملة ذلك أنه لا يجب قضاء صلاة العيد على من فاتته لأنها فرض كفاية وقد قام بها من حصلت به الكفاية وان أحب قضاء ها استحب له أن يقضيها على صفتها نقل ذلك عن أحمد اسماعيل بن سعيد واختاره الجوزجانى وهو قول النخعي ومالك والشافعي وأبى ثور لما روى عن أنس أنه كان إذا لم يشهد العيد مع الامام بالبصرة جمع أهله وموا ليه ثم قام عبد الله بن أبى عتبة مولاه فيصلى بهم ركعتين يكبر فيهما ولأنها قضاء صلاة فكانت على صفتها كسائر الصلوات وهو مخير إن شاء صلاها فى جماعة كما ذكرنا عن أنس.

وان شاء صلاها وحده وعنه أنه يقضيها أربعا اما بسلام واحد أو بسلامين وهو قول الثورى لما روى عن عبد الله بن مسعود أنه قال من فاته العيد فليصل أربعا.

وروى عن على أنه قال إن أمرت رجلاً أن يصلى بضعفة الناس أمرته أن يصلى أربعاً رواهما سعيد ولأنه قضاء صلاة عيد فكانت أربعا كقضاء الجمعة، وعنه أنه مخير بين ركعتين وأربع وهذا قول الأوزاعى لأنها صلاة تطوع أشبهت صلاة الضحى (الشرح الكبير على متن المقنع، ج۲،ص ۲۵۰)

ومحدثینِ عظام کا اتفاق ہے، اور دلائل کی رو سے یہ قول نہایت مضبوط ہے، اور حنفیہ کے نمازِ عید کے سنت ہونے کے قول پر اس کا انطباق زیادہ مؤثر طریقہ پر ہوتا ہے۔

اور نمازِ عید کے وجوب کے قول کی رو سے بھی عدمِ جواز، بمعنیٰ اثباتِ معصیت وکراہت کا ثبوت نہیں ہوتا، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

اور یہ پہلے گذر چکا کہ حنفیہ کے نزدیک بھی گھروں میں باجماعت نمازِ عید درست، بلکہ دیگر شرائط پائی جانے پر واجب ہے، اور حنفیہ کے نزدیک انفراداً نمازِ عید کے درست ہونے کی بھی گنجائش ہے، اور ممانعت کی کوئی معقول وجہ سامنے نہ آ سکی۔

واللہ تعالیٰ اعلم.

(فصل نمبر 3)

بحالتِ موجودہ نمازِ عید سے متعلق چند فتاویٰ و آراء

اب موجودہ حالات میں نمازِ عید سے متعلق عرب وعجم کے چند اصحابِ افتاء واصحابِ علم حضرات کی آراء بھی ملاحظہ کرلی جائیں، تاکہ معلوم ہوسکے کہ نمازِ عید سے متعلق موجودہ حالات میں دنیا بھر کے بڑے بڑے اصحابِ علم، اور اصحابِ افتاء اور دینی مقتداء حضرات نے کس قدر توسُّع کے ساتھ اس مسئلہ میں عوام کی رہنمائی کی، اور اُن کو تشویش سے بھی محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا، اور اسی کے ساتھ عید کے شِعار کو بھی حسبِ قُدرت باقی رکھنے کی کوشش کی۔

اللجنةُ الدائمة سعودی عرب کا فتویٰ

سعودی عرب کے، کِبار علماء کی کمیٹی نے اس سلسلہ میں یہ فتویٰ جاری کیا کہ:

گھر میں عید کی نماز پڑھنے کے بارے میں فقہاء کے مابین اختلاف ہے، جمہور کے نزدیک یہ مشروع ہے، برخلاف حنفیہ کے۔

اور جس کی نمازِ عید قضاء ہوجائے، تو اس کا، اس کو اسی طریقہ پر پڑھنا مستحب ہے، جس طریقہ سے عید کی نماز پڑھی جاتی ہے، البتہ اس کے بعد خطبہ نہیں دیا جائے گا۔

امام مالک، امام شافعی، امام احمد اور امام نخعی وغیرہ جیسے اصحابِ علم کا یہی قول ہے، جس کی بعض احادیث وروایات سے بھی تائید ہوتی ہے۔انتھیٰ۔ [1]

---

[1] السؤال: هل يجوز أن أصلى صلاة العيد فى البيت لأننى لا أستطيع الذهاب للمسجد بسبب وضعى الصحى ؟

نص الجواب: الحمد لله. صلاة العيدين فرض عين على كل رجل قادر ، فى أصح أقوال أهل العلم ،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دائرۃُ الافتاء اُردن کا فتویٰ

اُردن کے ''دائرۃُ الافتاء'' نے بھی موجودہ حالات میں یہ اعلان کیا کہ عید کی نماز اپنے ایک گھر

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كما هو مبين فى جواب السؤال رقم 48983)).
وإذا لم تستطع الذهاب إليها بسبب وضعك الصحى ، فلا شيء عليك ، وهل يشرع لك فعلها فى البيت ؟ فيه خلاف بين الفقهاء ، والجمهور على أنه يشرع ذلك خلافا للحنفية .
نقل المزنى عن الشافعى رحمه الله فى "مختصر الأم 8/125") " : ويصلى العيدين المنفرد فى بيته والمسافر والعبد والمرأة "انتهى .
وقال الخرشى (مالكى) " : يستحب لمن فاتته صلاة العيد مع الإمام أن يصليها ، وهل فى جماعة , أو أفذاذا ؟ قولان "انتهى باختصار من "شرح الخرشى.(2/104) "
وقال المرداوى فى "الإنصاف "(حنبلى)" : وإن فاتته الصلاة (يعنى :صلاة العيد) استحب له أن يقضيها على صفتها (أى كما يصليها الإمام "(انتهى .
وقال ابن قدامة فى "المغنى "(حنبلى)" : وهو مخير ، إن شاء صلاها وحده ، وإن شاء صلاها جماعة "انتهى .
وفى الدر المختار مع حاشية ابن عابدين 2/175)) (حنفى) " : ولا يصليها وحده إن فاتت مع الإمام "انتهى .
وقد اختار شيخ الإسلام ابن تيمية قول الحنفية ، ورجحه الشيخ ابن عثيمين رحمه الله ، كما فى "الشرح الممتع 5/156) ").
وجاء فى فتاوى اللجنة الدائمة للإفتاء 8/306))" : صلاة العيدين فرض كفاية؛ إذا قام بها من يكفى سقط الإثم عن الباقين .
ومن فاتته وأحب قضاء ها استحب له ذلك، فيصليها على صفتها من دون خطبة بعدها، وبهذا قال الإمام مالك والشافعى وأحمد والنخعى وغيرهم من أهل العلم .والأصل فى ذلك قوله صلى الله عليه وسلم :(إذا أتيتم الصلاة فامشوا وعليكم السكينة والوقار فما أدركتم فصلوا وما فاتكم فاقضوا) ، وما روى عن أنس رضى الله عنه أنه كان إذا فاتته صلاة العيد مع الإمام جمع أهله ومواليه، ثم قام عبد الله بن أبى عتبة مولاه فيصلى بهم ركعتين، يكبر فيهما .ولمن حضر يوم العيد والإمام يخطب أن يستمع الخطبة ثم يقضى الصلاة بعد ذلك حتى يجمع بين المصلحتين .وبالله التوفيق وصلى الله على نبينا محمد وآله وصحبه وسلم "انتهى .
اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء
الشيخ عبد العزيز بن عبد الله بن باز ، الشيخ عبد الرزاق عفيفى ، الشيخ عبد الله بن غديان.
والله أعلم (جهينة،نيوز،منوعات و غرائبالإثنين | 18-05-2020-
(http://www.johinanews.com/post.php?id=102317

کے فرد کے ساتھ بھی باجماعت، اور تنہاء پڑھنا مستحب ہے، لیکن اس کے لئے خطبہ ضروری نہیں، اور عید کی نماز تنہاء پڑھنے والے کے لئے خطبہ سنت نہیں۔ [1]

دیوانُ الافتاء جمہوریہ تونس کا فیصلہ

جمہوریہ تونس کے دیوانِ افتاء نے بھی موجودہ وباء کے باعث گھروں میں نمازِ عید کے جائز ہونے کا فتویٰ جاری کیا۔ [2]

---

[1] أعلنت الإفتاء الأردنية، اليوم الاثنين 18مايو، عن إجازة أداء صلاة عيد الفطر 2020في البيت؛ بسبب الأزمة الصحية الحالية التی سببتها أزمة فيروس كوفيد 19؛ لضمان سلامة المواطنين.
وقالت دائرة الإفتاء العام فی تصريح صحفی مُطول إن صلاة العيد سنة مؤكدة لمواظبة النبی صلی الله عليه وسلم عليها، موضحة أنه يستحب أن تصلی جماعة مع أهل البيت الواحد، أو أن تصلی فرادی.
وأضافت دائرة الإفتاء أنه لا يشترط لصحة الصلاة الخطبة، فلا يؤثر تركُ الخطبتين علی صحتها؛ لأن الخطبة فی العيد سنة وليست شرطا لصحة الصلاة، وفی هذه الحالة لا يُسنّ للمنفرد خطبة بعدها(وقت صلاة عيد الفطر 2020وكيفية أدائها فی البيت،الإثنين 18مايو 2020م 06:25 بتوقيت القدس)

[2] أجاز ديوان الإفتاء فی تونس، الثلاثاء ، صلاة عيد الفطر بالمنازل، للحد من تفشی فيروس كورونا المستجد.
وقال الديوان (حكومی)، فی فتوی اطلعت عليها الأناضول، إن "صلاة العيد سُنّة مؤكدة ووقتها من ضحی يوم العيد الی الزوال."
وأضاف أنه إذا تعذر إقامة صلاة عيد الفطر جماعةً لسبب من الأسباب، ومنها المرض أو تفشی الأوبئة مثل كورونا الذی ينتقل بسرعة ويتطلب الاحتراز، فإنه يجوز أداؤها فی المنزل.
وأردف" :ثبت بالطرق الصحيحة أن النبی صلی الله عليه وسلم أمرنا أن نبتعد عن كل أرض موبوء ة حفاظا علی أرواحنا وأرواح غيرنا."
وتابع" :وعليه، يجوز شرعا لولی الأمر (الدولة) الأمر بتعليق صلاة الجماعة فی المساجد والجوامع، وهو ما قررته كل الدول الإسلامية."
من جهته، قال مفتی الجمهورية، عثمان بطيخ، إنه "يجوز أداء صلاة العيد فی البيت توقيا من كورونا، لأن الحجر الصحی ما زال ساريا، ومن الصعب احترام تدابير الوقاية بالمساجد."
وأكد بطيخ، فی تصريحات إعلامية، أن "صلاة عيد الفطر هی صلاة نافلة وبالإمكان أداؤها فی

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

أحمد المنزلاوی سعودی عرب کا حوالہ

عرب کے مشہور عالمِ دین دکتور ''أحمد المنزلاوی'' نے موجودہ حالات میں عذر کے باعث گھروں میں نمازِ عید کے جائز ہونے پر ایک مضمون تحریر کیا، جس میں جمہور کے نزدیک نمازِ عید کے گھروں میں باجماعت اور بغیر جماعت جائز ہونے کے دلائل بھی تحریر کیے، جس میں یہ بھی لکھا کہ جب مرض، سفر اور خوف وغیرہ کے اعذار میں فرض نمازوں میں تخلُّف کو مباح وجائز قرار دیا گیا ہے، اور جس کی نمازِ عید فوت ہوجائے، اس کو بھی اپنے طور پر پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے، تو کسی وبائی عذر کی وجہ سے بڑے اجتماع کے ساتھ نمازِ عید کو قائم نہ کیا جاسکے، تو اس صورت میں بدرجہ اولیٰ اپنے گھر والوں کے ساتھ باجماعت، یا بلا جماعت، نمازِ عید کا پڑھنا جائز ہوگا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

البیت کما فی المسجد."

ومنذ نحو شهرين، تتخذ أغلب الدول الإسلامية قرارا بتعليق إقامة صلاة الجمع والجماعات، وإغلاق جميع المساجد والاكتفاء برفع الأذان، ضمن إجراء ات احترازية للحد من انتشار الفيروس.

ومن المقرر أن تستطلع معظم الدول العربية والإسلامية، نهاية الأسبوع، هلال شهر شوال الموافق لأول أيام عيد الفطر، وسط ترجيحات فلكية تذهب إلى حلوله الأحد(إسطنبول/ الأناضول ..فتوى رسمية بإقامة صلاة العيد بالمنازل،تحسبا من انتشار وباء كورونا، وفق ديوان الإفتاء الحكومی)

[1] الصلاة فی البیت بسبب الوباء

علمنا جواز صلاة العيد لمن فاتته جماعة المسلمين، لكن الجماعة منعقدة ..فكيف إذا لم تنعقد جماعة للمسلمين من الأساس بسبب الوباء وما تعانيه الآن الأمة من فيروس كورونا وحذر التجمعات؟

معلوم أن من الأعذار المبيحة للتخلف عن الجماعة المرض والسفر والخوف، ومن الأخير يدخل الخوف من الوباء ، قال صلى الله عليه وسلم :مَنْ سَمِعَ الْمُنَادِیَ فَلَمْ يَمْنَعْهُ مِنَ اتِّبَاعِهِ عُذْرٌ فَلَا صَلَاةَ لَهُ قَالُوا :وَمَا الْعُذْرُ؟ قَالَ :خَوْفٌ، أَوْ مَرَضٌ(رواه الحاكم والترمذی وصححه الألبانی).

ويستدل كذلك بما رواه أبو مليح عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ شَهِدَ النَّبِیَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَمَنَ الْحُدَيْبِيَةِ فِی يَوْمِ جُمُعَةٍ وَأَصَابَهُمْ مَطَرٌ لَمْ تَبْتَلَّ أَسْفَلُ نِعَالِهِمْ، فَأَمَرَهُمْ أَنْ يُصَلُّوا فِی رِحَالِهِمْ (رواه أحمد وأبو داود وابن ماجه، وصححه الألبانی).

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

هيئةُ كبار العلماء بالأزهر کا حوالہ

جامعہ اَزہر کی هيئةُ كبار العلماء نے بھی گھروں میں، حسبِ ضرورت گھر والوں کے ساتھ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فإذا كان القضاء مستحبًا فى حق من فاتته الصلاة مع الإمام الذى أدى صلاة العيد بالمسلمين، فمن باب أولى أن تكون إقامتها مشروعة فى حق من لم تُقم صلاة العيد فى بلدهم بسبب عذر الوباء وعدم التجمعات؛ لأن فى ذلك إقامة لتلك الشعيرة حسب الاستطاعة)، والله تعالى يقول: (فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ) (التغابن16 :)، وقال النبى صلى الله عليه وسلم :(إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم.(

كيفية صلاة العيد فى البيت

بمقتضى الآثار السابقة قال جمهور أهل العلم أن من فاتته صلاة العيد (ومثله من كان معذورًا) صلى ركعتين كما صلى الإمام مع له أن يكبر فيها التكبيرات الزوائد أو من دونها، وله أن يصليها فردًا أو يجمع بيها أهله، وذلك دون خطبة؛ لأن الخطبة مشروعة مع الجماعة.

ومن العلماء من قال :يصليها أربعاً واحتج بأثر وارد عن عبد الله بن مسعود رضى الله عنه أنه قال : من فاته العيد فليصل أربعاً، ولكنه منقطع كما قال العلامة الألبانى فى إرواء الغليل .121 /3ومن العلماء من خيره بين صلاة ركعتين أو أربع ركعات.

وأولى الأقوال هو القول الأول وهو أنه يقضيها ركعتين كأصلها، ولا يصح قياسها على الجمعة فمن فاتته الجمعة صلى أربعاً أى الظهر لأن الجمعة إنما تفوت إلى بدل وهو الظهر.

قال ابن قدامة المقدسى :وإن شاء صلاها على صفة صلاة العيد بتكبير، نقل ذلك عن أحمد إسماعيل بن سعد واختاره الجوزجانى وهذا قول النخعى ومالك والشافعى وأبى ثور وابن المنذر لما روى عن أنس :أنه كان إذا لم يشهد العيد مع الإمام بالبصرة جمع أهله ومواليه ثم قام عبد الله بن أبى عتبة مولاه فصلى بهم ركعتين يكبر فيهما ولأنه قضاء صلاة فكان على صفتها كسائر الصلوات وهو مخير إن شاء صلاها وحده وإن شاء فى جماعة .قيل لأبى عبد الله :أين يصلى؟ قال: إن شاء مضى إلى المصلى وإن شاء حيث شاء .(المغنى 290 /2).

ونقل القرافى أن مذهب الإمام مالك كما فى المدونة أنه يستحب لمن فاتته صلاة العيد مع الإمام أن يصليها على هيئتها .(الذخيرة 423 /2).

وقال الإمام الشافعى :ونحن نقول :إذا صلاها أحد صلاها كما يفعل الإمام يكبر فى الأولى سبعاً وفى الآخرة خمساً قبل القراء ة.(معرفة السنن والآثار 103 /5) .

وذكر المرداوى الحنبلى أن المذهب عند الحنابلة هو أنها تقضى على صفتها .(الإنصاف 2/ 433).

ومن عظيم فقه البخارى رحمه الله، أنه استدلّ على أن صلاة العيد تُصلّى ركعتين فى كل حال وفى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

باجماعت اور بغیر جماعت، عید کی نماز جائز ہونے اجتماعی حکم صادر کیا۔ [1]

دارُ الإفتاء المصرية کا حوالہ

دارُ الإفتاء المصرية سے بھی اس سلسلہ میں فتوٰی جاری کیا گیا، اور گھر میں، گھر والوں کے ساتھ باجماعت، یا تنہاء نماز پڑھنے کو جائز قرار دیا گیا، اور عذر کی وجہ سے گھر میں نمازِ عید اداء کرنے کی صورت میں اجروثواب سے محروم نہ ہونے سے آگاہ کیا گیا۔

اور یہ بھی تحریر کیا گیا کہ جو لوگ بحالاتِ موجودہ مساجد میں اجتماعات کے حکومتی فیصلے کی مخالفت کررہے ہیں، اور حکومت کی طرف مختلف قسم کے الزامات عائد کررہے ہیں، ان کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

كل صورة ومسألة، فقال :بَابٌ :إِذَا فَاتَهُ العِيدُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، وَكَذَلِكَ النِّسَاءُ، وَمَنْ كَانَ فِي البُيُوتِ وَالقُرَى؛ لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :هَذَا عِيدُنَا أَهْلَ الإِسْلاَمِ...أ.هـ

فقوله صلى الله عليه وسلم هذا يشمل اليومَ وما فيه من صلاةٍ ونسُكٍ، فهذا هو صفته فى شريعتنا لا يزاد فيها ولا ينقص.

فدلّ على أن هذه صلاة لا بدَل لها، ولا تصح بغير الصفة المشروعة شرعاً وهى ركعتين أبداً.

هذا الاستنباط من البخارى يدل دلالة واضحة أن العيد غير الجمعة، فالعيد يصلى فى البيت لمن فاته، خلاف الجمعة إذا فاتته صلاها ظهرًا.

وينصح فى ظل هذا الوباء ، اجتماع كل أسرة وتزيين مكان فى البيت وتجهيزه للصلاة فيه للعيد، والتكبير فى الوقت المشروع ولو حتى من الشرفات لتظهر شعيرة المسلمين بقدر المستطاع، وإدخال البهجة والسرور على قلوب المؤمنين والأطفال والنساء .

كتبه/ أحمد المنزلاوى

(روضة رقيم،الفقه ..-..٢٠:٤٨ ص ١٢ مايو،هل يجوز صلاة العيد فى البيت ؟)

[1] أصدرت هيئة كبار العلماء بالأزهر برئاسة الإمام الأكبر أحمد الطيب شيخ الأزهر، الأحد، بيانا للمسلمين حول العالم بشأن الأحكام المتعلقة بصلاة العيد، فى ظل استمرار تفشى فيروس كورونا المستجد.

وقالت الهيئة فى بيانها، إنه يجوز أداء صلاة عيد الفطر المبارك فى البيوت، بالكيفية التى تُصلى بها فى المساجد والساحات، وذلك لقيام العذر المانع من إقامتها فى المسجد أو الخلاء .

وتابعت " :ويجوز أيضا أن يصليها الرجل جماعة بأهل بيته، كما يجوز أن يؤديها المسلم منفردا، وذلك انطلاقا من أن أعظم مقاصد شريعة الإسلام حفظ النفوس وحمايتها ووقايتها من كل الأخطار والأضرار(17مايو 2020 - 16:08 بتوقيت أبوظبى)

طرزِ عمل درست نہیں۔ [1]

---

[1] قالت دار الإفتاء المصرية إن صلاة العيد سُنة مُؤكّدة، ويستحب أن تكون فى جماعة مع الإمام سواء فى المسجد أو الخلاء ، فإذا وُجد مانع من اجتماع الناس كما هو الحال الآن من انتشار الوباء القاتل الذى يتعذّر معه إقامة الجماعات؛ فإنه يجوز أن يُصلى المسلم العيد فى البيت منفردًا أو مع أهل بيته، ويمكن إقامة تكبيرات العيد بصورة عادية كما لو كانت صلاة العيد فى المساجد.
وأوضحت الدار فى أحدث فتواها طريقة صلاة العيد فى البيت بأنها تكون بنفس صفة صلاة العيد المعتادة، فيُصلى المسلم ركعتين بسبع تكبيرات بعد تكبيرة الإحرام فى الأولى قبل القراء ة، وخمس تكبيرات فى الثانية بعد تكبيرة القيام قبل القراء ة، ثم يجلس للتشهد ويُسلم، ولا خطبة بعد أداء الصلاة.
ويبدأ وقت صلاة العيد من وقت ارتفاع الشمس، أى بعد شروقها بنحو ثلث الساعة، ويمتد إلى زوال الشمس، أى قبيل وقت الظهر.
وأضافت الدار أنه على المسلم ألا يحزن ويخاف من ضياع الأجر فيما اعتاد فعله من العبادات لكن منعه العذر؛ وذلک لأنّ الأجر والثواب حاصل وثابت حال العُذر، بل إنّ التعبُّد فى البيت فى هذا الوقت الذى نعانى فيه من تفشى الوباء يوازى فى الأجر التعبُّد فى المسجد.
وقالت دار الإفتاء " :على المسلم أن يَعْلَم أنّ الأجر والثواب حاصلٌ وثابتٌ لما اعتاد فعله من العبادات لكنه عَدَل عنه لوجود العذر؛ فقد روى البخارى عن أنس بن مالک رضى الله عنه أن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم رجع من غزوة تبوک فدنا من المدينة، فقال :إِنّ بِالْمَدِينَةِ أَقْوَامًا مَا سِرْتُمْ مَسِيرًا وَلاَ قَطَعْتُمْ وَادِيًا إِلاَّ كَانُوا مَعَكُمْ، قالوا :يا رسول الله، وهم بالمدينة !قال: وَهُمْ بِالْمَدِينَةِ؛ حَبَسَهُمُ الْعُذْرُ .فأخبر النبى عليه الصلاة والسلام أَنّ للمعذور مِن الأجر مثل ما للقوى العامل؛ لأنهم لما نووا الجهاد وأرادوه وحبسهم العذر كانوا فى الأجر كمن قطع الأودية والشعاب مجاهدًا بنفسه."
وعن أبى موسى الأشعرى رضى الله عنه، أن النبى صلى الله عليه وآله وسلم قال :إِذَا كَانَ الْعَبْدُ يَعْمَلُ عَمَلًا صَالِحًا، فَشَغَلَهُ عَنْهُ مَرَضٌ أَوْ سَفَرٌ، كُتِبَ لَهُ كَصَالِحِ مَا كَانَ يَعْمَلُ وَهُوَ صَحِيحٌ مُقِيمٌ . أخرجه أبو داود فى السنن، وابن حبان فى الصحيح، والحاكم فى المستدرک، وصَحّحه .وفى رواية :إِذَا مَرِضَ الْعَبْدُ، أَوْ سَافَرَ، كُتِبَ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيمًا صَحِيحًا أخرجه الإمام البخارى فى الصحيح عن أبى موسى أيضًا .ولفتت إلى أن الأجر والثواب لا يقتصر على حصول العبادة بالفعل، بل بنيتها أيضًا، ففى حديث سهل بن سعد الساعدى قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :نية المؤمن خير من عمله رواه الطبرانى فى معجمه الكبير.
وأشارت الدار إلى أن الله تعالى شرع صلاة العيدين الفطر والأضحى إظهارًا للسُّرور بما تمّ قبلهُما من عبادتى الصوم والحج، وجمعًا للمسلمين فى هذين اليومين على الفرح بهاتين العبادتين؛ فعن أنس رضى الله عنه قال :قدم رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم المدينة ولهم يومان يلعبون فيهما، فقال :ما هذان اليومان؟، قالوا :كنا نلعب فيهما فى الجاهلية، فقال رسول الله :إنّ الله قد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

وکیلُ الأزھر الشریف کا حوالہ

سابق وکیلُ الأزھر الشریف، دکتور عباس شومان نے بھی اس سلسلہ میں گھروں کے اندر نمازِ عید کے جائز ہونے کا حکم جاری کیا۔ [1]

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

أبدلكم بهما خيرًا منهما :يوم الأضحى، ويوم الفطر.

ونبهت دار الإفتاء فى فتواها على أنّه فى ظل الظروف الاستثنائية التي يمر بها العالم -ومنه مصرنا الحبيبة -من انتشار فيروس كورونا؛ يجب على المسلمين الالتزامُ بتعليمات الجهات المسئولة التى ارتأت إيقاف صلاة العيد فى كل المساجد والساحات، والاكتفاء ببث صلاة العيد من أحد المساجد الكبرى مع وضع كافة الإجراء ات الاحترازية التى تضمن سلامة حياة الناس والحفاظ على أرواحهم؛ وذلک لما تَقَرّر فى القواعد مِن أَنّ درء المفاسد مُقدّم على جلب المصالح.

وأضافت الدار أن مَنْ قال بجواز مخالفة تعليمات الدولة الرسمية القاضية بمنع صلاة العيد فى المساجد والساحات فى هذه الآونة؛ فقد قال قَوْلًا بغير علمٍ، وتسبّب فى إيقاع الناس فى المهالک، ولا يستشفع لهذا القول حُسن القصد؛ فهو غير كافٍ فى مثل هذه الأمور؛ بل يُعدُّ قتلًا إذا مات الناس بسبب قوله.

وأشارت إلى أنّ اتهام ولاة الأمور، والخوض فى دينهم وأعراضهم، والتطاول عليهم بنسبة فِعْلهم من منع صلاة العيد فى المساجد والساحات إلى المنكر؛ هو اتهام كاذبٌ ودعوى باطلة تُوقِع صاحبها فى الإثم، وفيه افتياتٌ صارخٌ على ما خُوِّل إلى ولاة الأمور مما فيه مصلحة الناس الدينية والدنيوية؛ فالمحافظة على النفوس -والتى هى من أهم المقاصد الكلية التى حَثّت عليها الشرائع السماوية -اقتضت المنع من صلاة العيد فى المساجد والساحات.

وأكدت الدار فى ختام فتواها أن العبادة فى البيت فى هذا الوقت توازى فى الأجر العبادة فى المسجد، بل قد تزيد أجرًا على العبادة فى المسجد؛ وذلک لأنّ هذا هو واجب الوقت الآن، لا سيما مع تَفَشِّي الوباء القاتل الذى ذهب ضحيتَه آلافُ البشر، وانتشر فى عشرات البلدان، كما أنّ فيه معنى الصبر على هذا البلاء ، والثبات والالتزام بالتعليمات من قِبل الجهات المختصة، وهذا سببٌ لتكفير سيئات المؤمن ورفع درجاته(الأربعاء ، 20مايو 2020 10:17)

[1] أوضح الدكتور عباس شومان ، وكيل الأزهر الشريف السابق، كيفية صلاة العيد فى البيت، مشيرا إلى أن صلاة العيد ين عند جمهور الفقهاء سنة مؤكدة.

وأوضح شومان، أن السنة المؤكدة يثاب فاعلها ولايعاقب تاركها، ولكنه يلام ويعاتب من رسول الله -صلى الله عليه وسلم فى الآخرة، فإذا صليت فى مسجد أو ساحة فيكون معها خطبة أشبه بخطبة الجمعة إلا أنها يسن أن تبدأ بالتكبير، ويبين فيها أحكام العيد وما على المسلمين أن يفعلوه،

﴿ بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں ﴾

الأمينُ العام للاتحاد العالمی لعلماء المسلمین کا حوالہ

فضیلۃ الشیخ دکتور علی محی الدین (الأمینُ العام للاتحاد العالمی لعلماء المسلمین) نے بھی موجودہ حالات میں گھروں کے اندر، عید کی نماز، باجماعت اور بغیر جماعت جائز ہونے کا فتویٰ دیا، اور اس سلسلہ میں شریعت کی طرف سے وُسعت اور گنجائش ہونے کی وضاحت کی، اور موجودہ حالات میں گھروں میں ہی نمازِ عید کے افضل ہونے کا حکم لگایا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وتكون الخطبة بعد الصلاة، وفى ظل الأزمة التى نمر بها وتعليق الصلوات فى المساجد، وحرصا على الحصول على ثوابها فيمكن أن نصليها في بيوتنا ونحصل على الأجر بإذن الله.

وتابع عبر صفحته الرسمية بموقع التواصل الاجتماعى "فيسبوك"، يمكن لمصليها فى بيته أن يكتفى بصلاة ركعتين كصلاة الصبح ويسن أن يكبر فيهما على النحو التالى:

-1أن يكبر بعد تكبيرة الإحرام وقبل البدء فى الفاتحة سبع تكبيرات يقول فى كل تكبيرة :الله أكبر، ثم يتم ركعته كما يفعل فى صلواته، فإذا كان فى الركعة الثانية :كبر بعد تكبيرة القيام خمس تكبيرات ثم يتم صلاته، وهذا على مذاهب الجمهور.

-2أن يجعل التكبيرات ثلاثا قبل القراء ة فى الأولى وثلاثا بعد القراء ة وقبل الركوع فى الثانية على مذهب الحنفية.

-3إذا لم يحسن التكبير وكيفيته فترك التكبير وصلاها كصلاة الصبح تماما دون زيادة تكبير فصلاته صحيحه .فالصلاة سنة والتكبيرات فيها سنة أيضا لاتبطل بتركها.

-4إذا كان رب البيت يحسن الخطبة أمكنه أن يخطب خطبة قصيرة فى أهله، ويجوز الاكتفاء بالصلاة وترك الخطبة فهى سنة حتى إذا صليت فى مسجد جاز الانصراف بعد الصلاة دون الاستماع لها.

وشدد على أن صلاة العيد ممكنة للجميع، لأن الجميع يصلى الصبح، وهى يجوز أن تصلى كصلاة الصبح دون زيادة، حتى لا يفوتكم الثواب، داعيا أن يتقبل الله منا وأن يرفع الغمة ويعيدنا إلى بيوته، وحرمه، وأن يشفى مرضانا وأن يحفظ صحة الأصحاء ، ويحمى بلادنا وبلاد المسلمين من كل سوء وشر(دنيا ودين،بعد قرار الأوقاف ..تعرف على خطوات صلاة العيد من المنزلشيماء عبد الهادى، 15:47 | 2020-5-23)

[1] أداء صلاة العيد فى ظل كورونا فى البلاد التى لا زالت المساجد، وأماكن التجمع ممنوعة؛ ففى ظل هذه الجائحة يجوز أداء صلاة العيد داخل البيوت والأفضل الأصح أن تقام جماعة، بحيث يتقدم أحسنهم قراء ة من أهل البيت فيصلى بهم صلاة العيد فيكبر فى الركعة الأولى بعد تكبيرة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اکرم کساب (رکن اتحاد العالمی لعلماء المسلمین) کا حوالہ

دکتور اکرم کساب، رکن اتحاد العالمی لعلماء المسلمین، نے بھی اس سلسلہ

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

الإحرام ست تكبيرات، ثم يقرأ الفاتحة وسورة، وفى الركعة الثانية يبدأ بخمس تكبيرات ثم الفاتحة وسورة، ثم بعد الركعتين خطبة مؤجرة.

فقد جاء فى مختصر الأم للمدنى نقلاً عن الإمام الشافعى :(ويصلى العيدين المنفرد فى بيته، والمسافر، والمرأة ..... .) وكذلك بقية الفقهاء المالكية، والحنابلة على أنه إذا فاتته صلاة العيد مع الإمام أن يصليها جماعة أو منفرداً، وقال ابن قدامة فى المغنى :(وهو مخير إن شاء صلاها وحده، وإن شاء صلاها جماعة.

ولذلك فالحمدالله ، فإن فى الموضوع فسحة ويسراً، فلا تضيقوا على أنفسكم، لذلك فالأفضل أداء صلاة العيدين جماعة داخل البيت فى ظل حظر التجمعات، وإغلاق المساجد، ونتضرع إلى الله تعالى أن يرفع هذه الجائحة حتى نعود إلى مساجدنا وشعائرها، آمين.

وصلى الله على سيدنا محمد وعلى آله وصحبه وسلم(الوطن،تاريخ النشر || 22-05-2020 : 16:50،فضيلة الشيخ الدكتور على قره داغى،الأمين العام للإتحاد العالمى لعلماء المسلمين)

أكد علماء ودعاة جواز صلاة العيد فى البيوت فى ظل جائحة كورونا (كوفيد 19 -)، حيث ما زالت المساجد فيها معطلة بسبب الخوف من تفشى الجائحة .ويفضل صلاتها جماعة فى البيت بدون خطبة.

وقال فضيلة الشيخ الدكتور على محيى الدين القره داغى الأمين العام للاتحاد العالمى لعلماء المسلمين إن صلاة العيدين سنة مؤكدة عند أكثرية الفقهاء ومنهم المالكية والشافعية، وأما الحنفية فيرون أنها واجبة -وهى مرتبة أعلى من السنة المستحبة، وأدنى من الفرض -والحنابلة يرون أنها فرض كفاية إذا قام بها البعض سقط عن الباقين.

وأضاف أن صلاة العيدين من الشعائر العظيمة فى الإسلام، يشترك فيها الجميع الرجال والنساء حتى الحيض، ووقتها؛ بعد شروق الشمس يوم العيد وارتفاعها بمقدار رمح، أو رمحين، أى بعد حوالى 15دقيقة من طلوع الشمس، وينتهى وقتها بما قبل صلاة الظهر بحوالى 20دقيقة، وعند فواتها يجوز قضاؤها منفردا أو جماعة.

مكانها؛ هو كل مكان طاهر مسجدًا أو غيره.

كيفية أدائها

وبين فضيلته أنها تؤدى جماعة وجوبًا عند الحنفية والحنابلة ومنفرداً عند غيرهم، حيث تبدأ الركعة الأولى بسبع تكبيرات (أو أقل) والثانية بخمس أو ثلاث.

وحول أداء صلاة العيد فى ظل كورونا فى البلاد التى ما زالت المساجد فيها مغلقة، وأماكن التجمع

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

میں ایک مضمون تحریر کیا، جس میں مدلّل انداز میں گھروں میں نمازِ عید کے جائز ہونے کا حکم بیان کیا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ممنوعة؛ قال فضيلته إنه في ظل هذه الجائحة يجوز أداء صلاة العيد داخل البيوت والأفضل الأصح أن تقام جماعة، بحيث يتقدم أحسنهم قراءة من أهل البيت فيصلي بهم صلاة العيد فيكبر في الركعة الأولى بعد تكبيرة الإحرام ست تكبيرات، ثم يقرأ الفاتحة وسورة، وفي الركعة الثانية يبدأ بخمس تكبيرات ثم الفاتحة وسورة، ثم بعد الركعتين خطبة مؤجرة.

ونقل ما جاء في مختصر الأم للمدني نقلاً عن الإمام الشافعي :(ويصلي العيدين المنفرد في بيته، والمسافر، والمرأة.....) وكذلك بقية الفقهاء المالكية، والحنابلة على أنه إذا فاتته صلاة العيد مع الإمام أن يصليها جماعة أو منفرداً، وقال ابن قدامة في المغني :(وهو مخير إن شاء صلاها وحده، وإن شاء صلاها جماعة.(

وأكد الأمين العام للاتحاد العالمي لعلماء المسلمين أن الموضوع فيه فسحة ويسر، مضيفاً :لا تضيقوا على أنفسكم، لذلك فالأفضل أداء صلاة العيدين جماعة داخل البيت في ظل حظر التجمعات، وإغلاق المساجد، ونتضرع إلى الله تعالى أن يرفع هذه الجائحة حتى نعود إلى مساجدنا وشعائرها(لوسيل ،مصطفى شاهين 23 مايو 2020)

[1] الحكمة من صلاة العيد:

للعيد حكمة تتجلى من خلال ما رواه أحمد عن أَنَس بْنِ مَالِكٍ، قَالَ :قَدِمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُونَ فِيهِمَا، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَا هَذَانِ الْيَوْمَانِ؟ قَالُوا :كُنَّا نَلْعَبُ فِيهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ، قَالَ" :إِنَّ اللهَ قَدْ أَبْدَلَكُمْ بِهِمَا خَيْراً مِنْهُمَا :يَوْمَ الْفِطْرِ، وَيَوْمَ النَّحْرِ(1) ."(رواه أحمد 13622))، فهو يوم للفرح والسرور، كما أنه يوم للشكر، قال تعالى :(وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ) (البقرة185 :).

حكمها :اختلف العلماء في حكم صلاة العيد، فقال الأحناف :صلاة العيدين واجبة (الواجب عند الحنفية :أنه منزلة بين الفرض والسنة .(أما الشافعية والمالكية، فقد ذهبوا إلى القول بأنها سنة مؤكدة .وذهب الحنابلة إلى القول بأنها فرض كفاية(2).

مكان أدائها :لم يعهد الناس من قبل صلاة العيد في البيوت؛ لأن الأصل فيها الجماعة، وهي من النوافل التي جاءت السُّنة بصَلاتها خارج البيت لا داخله، وقد اتفق الفقهاء على أن :كل مكان طاهر، يصلح أن تؤدى فيه صلاة العيد، سواء كان مسجداً أو عرصة وسط البلد أو مفازة خارجها . إلا أنه يسن الخروج لها إلى الصحراء أو إلى مفازة واسعة خارج البلد، تأسياً بما كان يفعله رسول الله صلى الله عليه وسلم(3).

صلاة العيد في هذه الأزمة:

إذا استمر الأمر على ما هو عليه من حظر التجول، ومن التجمعات، وغلق المدارس والمساجد،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

عبد اللّٰہ بن شیخ محفوظ بن بیّہ کا حوالہ

عرب کے ایک اور مشہور عالِم دین عبد اللّٰہ بن شیخ محفوظ بن بیّہ نے بھی اس سلسلہ میں ایک فتویٰ جاری کیا، جس میں گھروں کے اندر نمازِ عید کے جائز ہونے کا حکم بیان کیا۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فتكون صلاة العيد على هذا النحو:

-1يصلى الإمام فى مسجده بمن يحضر معه من موظفى المسجد حتى لا يهجر بيت الله تعالى.

-2يصلى كل امرء صلاته فى بيته فيجمع أهل بيته ويصلى ركعتين فى الأولى سبع تكبيرات قبل القراء ة، وفى الثانية خمس تكبيرات .(كصلاتها فى الخلاء أو المصلى.(

-3لا مانع من سماع الخطبة من المسجد مع الإمام باعتبارها موعظة، فالخطبة ليست شرطاً للعيد كما فى صلاة الجمعة، بل ورد عن النبى صلى الله عليه وسلم تخيير الناس فى الجلوس لها، روى أبو داود عنْ عَبْدِ اللّهِ بْنِ السّائِبِ، قَالَ :شَهِدْتُ مَعَ رَسُولِ اللّهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ الْعِيدَ، فَلَمّا قَضَى الصّلَاةَ، قَالَ " :إِنّا نَخْطُبُ، فَمَنْ أَحَبّ أَنْ يَجْلِسَ لِلْخُطْبَةِ فَلْيَجْلِسْ، وَمَنْ أَحَبّ أَنْ يَذْهَبَ فَلْيَذْهَبْ"، قَالَ أَبُو دَاوُدَ" :هَذَا مُرْسَلٌ عَنْ عَطَاءٍ، عَنِ النّبِيّ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ(4)."

-4يصلى الناس فى بيوتهم، وجمهور العلماء على أن صلاة العيد جائزة فى كل مكان؛ لأن الأصل أن تصلى فى الخلاء ، قال الشافعى :ويصلى العيدين المنفردُ فى بيته(5).

-5لا يحتاج المرء فى صلاته فى بيته إلى خطبة، فإن صلى الركعتين صحت صلاته، وإن أعطى موعظة لأهل بيته وذكّرهم بنعم الله فلا بأس.

-6من فاتته صلاة العيد فى بيته لعُذر؛ كأن سهر أهل البيت حتى الفجر ثم ناموا؛ فإن استيقظوا قبل الزوال صلوها فى يومهم، وإن قاموا بعد الزوال صلوها من الغد، روى البيهقى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ أَبِى بَكْرِ بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ خَادِمِ رَسُولِ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ قَالَ " :كَانَ أَنَسٌ إِذَا فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعِيدِ مَعَ الْإِمَامِ جَمَعَ أَهْلَهُ فَصَلّى بِهِمْ مِثْلَ صَلَاةِ الْإِمَامِ فِى الْعِيدِ"(6).

-7لا يلجأ الناس لصلاتها فى الخلاء بحجة أنها ستكون فى الفضاء ، والمكان متسع، لأنه عند التطبيق سيصعب ضبط الناس فى المكان، وقد يعزّ على البعض عند اللقيا عدم المصافحة أو المعانقة، وهذا مما سيوقع الناس فى ضرر بالغ، وفى المسند عَنِ ابْنِ عَبّاسٍ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلّمَ " :لَا ضَرَرَ وَلَا ضِرَارَ(عربى پوست ،أكرم كساب،داعية إسلامى مقيم فى أمريكا،تم النشر20/05/2020 12:25 AST :،تم التحديث20/05/2020 12:25 AST :)

[1] مع قرب انتهاء شهر رمضان سادت حالة من الجدل حول كيفية أداء صلاة عيد الفطر فى ظل الإجراء ات الاحترازية الحالية التى فرضها تفشى فيروس كورونا المستجد فى العديد من دول العالم، وهو الأمر الذى حسمه مجلس الإمارات للإفتاء الشرعى، حيث أفتى بأن يصلى الناس العيد

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

الدولُ العربية و الاسلامية کا حوالہ

الـدولُ العربية و الاسلامية، نے موجودہ حالات میں گھروں میں نمازِ عید کو جائز قرار دیا، اور نمازِ عید کے اداء کرنے پر لوگوں کو اَجرِ عظیم حاصل ہونے کی تعلیم دی، اور عذر کی حالت میں عید کی نماز سے محروم نہ ہونے کی لوگوں کو تبلیغ کی۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فی بیوتهم، فرادی أو جماعات، بدون خطبة.

"الإمارات للإفتاء :"الأخذ بأسباب الوقاية الصحية "واجب شرعی وضرورة حياتية"

جاء ذلک ردا علی سؤال "ما حکم صلاة العيد فی البيوت خلف إمام المسجد أو المذياع أو التلفاز أو عبر وسائل التواصل الاجتماعی؟"، بحسب الموقع الرسمی للشيخ عبدالله بن بيه، رئيس المجلس.

واستند المجلس فی فتواه إلی أن "صلاة العيد سنة مؤكدة عند مالک والشافعی وفرض کفاية عند أحمد وواجبة لدی الأحناف، والأصل فيها :أن تصلّی فی المصليات، إلا فی مكة المكرمة، واختار الشافعی صلاتها فی المساجد مطلقًا، كما الأصل :أن تصلّی جماعةً، إلا أنَّ الجمهور اتفقوا علی جواز صلاتها فی البيوت عند وجود مانع أو عند فواتها "(العين الإخبارية،السبت 2020/5/16 06:51م بتوقيت أبوظبی)

[1] کيفية صلاة العيد فی البيت 2020، صلاة عيد الفطر السعيد هی من اهم الشعائر الاسلامية التی يقوم بها المسلمين، حيث يعتبر عيد الفطر السعيد من اهم المناسبات الدينية التی تحل علی المسلمين بعجد شهر رمضان المبارک، ولکن هنالک الكثير من المسلمين يجهلون کيفية صلاة عيد الفطر السعيد فی البيت بعدما اصدرت الحكومة العربية والاسلامية فرض حظر التجول وعدم التجمهر والتجمع لمنع تفشی فيروس كورونا، ومن هنا بدأ الكثير من المسلمين بالبحث عبر مواقع الانترنت لمعرفة کيفية صلاة العيد فی البيت 2020، فمن خلال المقال اليكم الطريقة الصحيحة لصلاة عيد الفطر السعيد فی البيت.

کيفية صلاة العيد فی البيت 2020

يجهل الكثير من المسلمين فی عيد الفطر السعيد طريقة صلاة عيد الفطر فی البيت بعدما فرضت الحكومات حظر التجول ومنع الصلاة فی المساجد والساحات العامة، حيث تعتبر صلاة عيد الفطر السعيد هی من اهم الشعائر الاسلامية التی يقوم بها المسلمين، حيث يعتبر عيد الفطر السعيد من اهم المناسبات الدينية التی تحل علی المسلمين بعجد شهر رمضان المبارک، ولکن هنالک الكثير من المسلمين يجهلون کيفية صلاة عيد الفطر السعيد فی البيت بعدما اصدرت الحكومة العربية والاسلامية فرض حظر التجول وعدم التجمهر والتجمع لمنع تفشی فيروس كورونا.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اس کے علاوہ عالَمِ عرب کی تقریباً تمام ریاستوں کے علماء واَصحابِ علم کی طرف سے یہی حکم جاری کیا گیا۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

اکد العدید من علماء المسلمین وکبار الشیوخ طریقة صلاة عید الفطر السعید والتی تتمثل فی رکعتین دون خطبة، وبهذا یکون اجرها کما هو، حیث تمنع اقامة الصلاة بشکل جماعی بسبب الخطر الذی یهدد حیاة البشریة کما اعلنت منظمة الصحة العالمیة، حیث تسبب انتشار فیروس کورونا فی العالم العربی والاسلامی وجمیع دول العالم فی منع التجمعات واقامة الفعالیات والمهرجانات والصلاة والکثیر من الانشطة، وایضا اغلاق الحدود بین الدول بعضها البعض.
اعلنت السلطات فی الدول العربیة والاسلامیة بفرض حظر التجول للحد من انتشار فیروس کورنا فی البلاد العربیة والاسلامیة، حیث سجلت وزارة الصحة فی المملکة وغیرها الکثیر من الدول العربیة والاسلامیة اصابات بفیروس کورونا فی البلاد، وجاء ت هذه القرارات للحد من انتشار الفیروس فی البلاد، کما ان منظمة الصحة العالمیة اکدت ان فیروس کورونا اصبح وباء عالمی ولا یوجد له لقاح او علاج وبهذا یجب اتخاذ اجراء ات الوقایة لتجنب انتشار المرض فی البلاد.
اجر صلاة عید الفطر السعید
لصلاة بشکل عام عند الله عز وجل اجر وثواب عظیم وکبیر، حیث تعتبر صلاة عید الفطر السعید هی من اهم الشعائر الاسلامیة التی یقوم بها المسلمین، حیث یعتبر عید الفطر السعید من اهم المناسبات الدینیة التی تحل علی المسلمین بعجد شهر رمضان المبارک، وبناء علی ذلک یوجد لها اجر وثواب عظیم فی الدنیا والاخرة وفق ما هو موضح فی الدین الاسلامی.
اجر صلاة عید الفطر السعید یتمثل فی کسب رضا الله عز وجل ونیل الاجر والثواب فی الدنیا والاخرة، لأن احیاء صلاة عید الفطر من الشعائر الهامة التی اکدها الدین الاسلامی، ومن یقوم بهذه الصلاة له اجر وثواب عظیم، فمع حلول عید الفطر السعید بدأ الکثیر من المسلمین فی مختلف دول العالم العربی بالبحث عن طریقة لمعرفة کیفیة صلاة عید الفطر السعید فی البیت بعدما اصدرت الحکومة العربیة والاسلامیة فرض حظر التجول وعدم التجمهر والتجمع لمنع تفشی فیروس کورونا، ومن هنا بدأ الکثیر من المسلمین بالبحث عبر مواقع الانترنت لمعرفة کیفیة صلاة العید فی البیت .2020(کیفیة صلاة عید الفطر 2020،سُئل مایو 18فی تصنیف معلومات عامة بواسطة علاء جهاد)

۱؎ أجمعت أغلب الجهات الدینیة فی الدول العربیة والإسلامیة علی منع أداء صلاة عید الفطر هذا العام فی المساجد والمصلیات؛ لمنع انتشار فیروس کورونا، وبالتالی یتطلع کثیرون لمعرفة کیفیة أداء صلاة العید فی البیت وتوقیتها(خبرنی ،التاریخ 2020-05-23 :الوقت 11:40 AM : Shareکیفیة أداء صلاة العید بالبیت وتوقیتها)

یصلی المسلمون العید فی بیوتهم جماعاتٍ أو فرادی، فقد رُوِیَ عَنْ أَنَسٍ بن مالک رضی الله عنه، أَنَّهُ کَانَ إِذَا لَمْ یَشْهَدُ الْعِیدَ مَعَ الْإِمَامِ بِالْبَصْرَةِ

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

یہاں تک کہ خلیجِ عرب میں نمازِ عید کے لئے ”صلوا فی بیوتکم و صلوا فی رِحالکم“

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

جَمَعَ أَهْلَهُ وَمَوَالِيهِ، ثُمّ قَامَ عَبْدُ اللّهِ بْنُ أَبِى عُتْبَةَ مَوْلَاهُ فَيُصَلّى بِهِمْ رَكْعَتَيْنِ، يُكَبّرُ فِيهِمَا (رواه ابن أبى شيبة وغيره، وذكره البخارى فى صحيحه فى مقدمة باب :إِذَا فَاتَهُ الْعِيدُ يُصَلِّى رَكْعَتَيْن .(وقد نقل الإمام المزنى عن الإمام الشافعى رحمهما الله :وَيُصَلِّي الْعِيدَيْنِ الْمُنْفَرِدُ فِى بَيْتِهِ وَالْمُسَافِرُ وَالْعَبْدُ وَالْمَرْأَةُ (مختصر الأم :8/125) .وقال الإمام الخرشي المالكى رحمه الله :يُسْتَحَبُّ لِمَن فَاتَتْهُ صَلَاةُ الْعِيدِ مَعَ الإِمَامِ أَن يُصَلِّيَهَا، وَهَلْ فِى جَمَاعَةٍ أَوْ أَفْذَاذًا فرادى -؟ قَوْلَانِ (حاشية الخرشى : 2/301) .وقد بيّن الإمام ابن قدامة المقدسى الحنبلى رحمه الله أنّ من فاتته صلاة العيد مع الإمام يُصَلِّيها على صفتها، وهو مخيرٌ إن شاء صلاها وحده، وإن شاء فى جماعة (المغنى: 2/125).

وإنّ قول الحنفية بأنّه لا قضاء لمن فاتته صلاة العيد (حاشية ابن عابدين 2/175 :) لا ينطبق على حالتنا؛ لأنّ أداء صلاة العيد فى البيوت فى زمن الوباء ليس قضاءً لفائتة، بل هو أداءٌ للصلاة التى لم نتمكن من أدائها وفق السنة فى مصليات العيد أو المساجد لتحقق العذر .وقت صلاة العيد كوقت صلاة الضحى، يبتدء بعد ارتفاع الشمس قدر رمح أى :بعد ربع أو ثلث ساعة تقريباً من طلوع الشمس، وينتهى قبيل زوال الشمس أى :قبل أذان صلاة الظهر بربع أو ثلث ساعة خروجاً من الأوقات المنهى عن الصلاة فيها.

الراجح أنّ صلاة العيد تُصلّى فى البيوت على صفتها، فتُصلّى ركعتين مع التكبيرات الزوائد على الهيئة التى ذكرناها عند الحديث عن الأحكام العامة لصلاة العيد.

ويتأكد أداء صلاة العيد على صفتها الأصلية فى زمن الوباء ؛ كونها ليست قضاءً لفائتة، بل هى الصلاة الأصلية التى لم نتمكن من أدائها فى مصليات العيد أو المساجد لتحقق العذر، فتُصلّى على صفتها مع التكبيرات الزوائد.

إذا صلى المسلم العيد منفرداً فلا خطبة له، أمّا إذا صلى جماعة مع أهله أو غيرهم، فقد اختلف العلماء هل يخطبون أم لا ؟ ، ومذهب المالكية أنّهم لا يخطبون (مواهب الجليل 2/197 :)، أما الشافعية فقد نصوا على سُنِّيّة خطبة العيد (حاشية الجمل :3/508) .وعلى كل حال خطبة العيد سنةٌ وليست فرضاً، فمن استطاع أن يفعلها أصاب سُنّةً، ومن لم يستطع فلا حرج وصلاته صحيحة إن شاء الله تعالى، قال الإمام الشافعى رحمه الله :لَوْ صَلّى العيد -وَلَمْ يَخْطُبْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِ إِعَادَةُ خُطْبَةٍ، وَلَا صَلَاةٍ (الأم: 1/270).

والخلاصة :يجوز للمسلمين -فى الدول التى تم منع إقامة صلاة العيد فيها -أداء صلاة العيد فى بيوتهم جماعاتٍ أو فرادى على صفتها مع التكبيرات الزوائد، وفى وقتها بعد طلوع الشمس بربع أو ثلث ساعة تقريباً حتى قبيل أذان الظهر بربع أو ثلث ساعة تقريباً، ولا خطبة لمن يصلى منفرداً، أما من يصلى مع جماعة، فلهم أداء الخطبة أو تركها ولا حرج إن شاء الله تعالى .وتنطبق هذه الأحكام على المرضى وكبار السن والمصابين بأمراض مزمنة وغيرهم من أصحاب الأعذار فى الدول التى سُمح فيها بإقامة صلاة العيد، فيصلون فى البيوت وفقاً لما بيناه، والله تعالى أعلى وأعلم(اسلام اون لاين،22/05/2020)

کا شِعار بلند ہو گیا۔ ۱؎

۱؎ رفعت بلدان الخليج العربية شعار "ألا صلوا فى بيوتكم ..ألا صلوا فى رحالكم "صلاة عيد الفطر، بسبب تزايد أعداد الإصابات بفيروس كورونا المستجد "كوفيد "19، وفى إطار الإجراءات التى اتخذت فى العالم كله بمنع أى شكل من أشكال التجمعات للحد من انتشار الوباء العالمى، ففى المملكة العربية السعودية، أفتى مفتى عام المملكة بجواز اقامة صلاة العيد فى البيوت.

وقال الشيخ عبد العزيز بن عبد الله آل الشيخ مفتى عام المملكة العربية السعودية، رئيس هيئة كبار العلماء والرئيس العام للبحوث العلمية والإفتاء ، إن صلاة العيد إذا استمر الوضع كما هو الحال عليه فى هذه الأيام من عدم إقامة الجمع والجماعات فى المساجد والجوامع فإنها تصلى فى البيوت بدون خطبة بعدها.

وبحسب إحدى الصحف، سبق صدور فتوى من اللجنة الدائمة للفتوى السعودية جاء فيها :(ومن فاتته صلاة العيد وأحب قضاء ها استُحب له ذلک فيصليها على صفتها من دون خطبة بعدها)، فإذا كان القضاء مستحباً فى حق من فاتته الصلاة مع الإمام الذى أدى صلاة العيد بالمسلمين، فمن باب أولى أن تكون إقامتها مشروعة فى حق من لم تُقم صلاة العيد فى بلدهم لأن فى ذلک إقامة لتلک الشعيرة حسب الاستطاعة، والله تعالى يقول :(فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ) ، وقال النبى صلى الله عليه وسلم :(إذا أمرتكم بأمر فأتوا منه ما استطعتم)

وفى دولة الإمارات العربية المتحدة، حسم مجلس الإمارات للإفتاء الشرعى أمر صلاة عيد الفطر، حيث أفتى بأن يصلى الناس العيد فى بيوتهم، فرادى أو جماعات، بدون خطبة.

وردا على سؤال "ما حكم صلاة العيد فى البيوت خلف إمام المسجد أو المذياع أو التلفاز أو عبر وسائل التواصل الاجتماعى؟"، بحسب الموقع الرسمى للشيخ عبدالله بن بيه، رئيس المجلس الإماراتى.

واستند المجلس الإماراتى فى فتواه إلى أن "صلاة العيد سنة مؤكدة عند مالک والشافعى وفرض كفاية عند أحمد وواجبة لدى الأحناف، والأصل فيها :أن تصلّى فى المصليات، إلا فى مكة المكرمة، واختار الشافعى صلاتها فى المساجد مطلقًا، كما الأصل :أن تصلّى جماعةً، إلا أنَّ الجمهور اتفقوا على جواز صلاتها فى البيوت عند وجود مانع أو عند فواتها."

وقرر سلطنة عمان حظر التجمعات فى العيد بما فيها صلاة العيد، وأصدرت اللجنة العليا المكلفة ببحث آلية التعامل مع التطورات الناتجة عن انتشار فيروس "كورونا "عدة قرارات قى مقدمتها حظر التجمعات المرتبطة بالعيد مثل "الهبطات "(تجمعات نحر الذبائح) بمختلف أنواعها وتجمعات المعايدة والاحتفالات الجماعية بالعيد، وذلک لخطورة مثل هذه التجمعات على نشر المرض فى أوساط المجتمع.

كما كلفت اللجنة شرطة عمان السلطانية بمراقبة التزام الافراد والمنشآت والمؤسسات العامة والخاصة بالقرارات التى تصدرها اللجنة العليا وتفويضها مباشرة بفرض الغرامات المالية المقررة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اہلِ تشیع کی طرف سے بھی اسی طرح کا حکم جاری کیا گیا۔ [1]

میڈیا اور ذرائع ابلاغ کے ذریعہ سے اس طرح کے سینکڑوں حوالہ جات دستیاب ہو سکتے ہیں، جن میں سے بہت سے اُردو اخبارات میں بھی شائع ہوئے۔

چنانچہ 20 / اپریل 2020ء کو جسارت اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ:

> ریاض (آئی این پی) سعودی عرب میں علما کی سپریم کونسل نے دنیا بھر کے مسلمانوں پر زور دیا ہے کہ اگر وہ ایسے ملکوں میں رہ رہے ہیں، جہاں کورونا وائرس کا حملہ جاری ہے، تو ایسے میں وہ ان ملکوں میں نافذ کرفیو اور لاک ڈاؤن جیسی احتیاطی تدابیر کی لازمی پابندی کرتے ہوئے رمضان المبارک میں نمازیں اور تراویح اپنے گھروں میں ادا کریں، مسلمان جن ملکوں میں رہائش پذیر ہیں، انہیں وہاں عالمی وبا کی روک تھام کی خاطر نافذ کردہ احتیاطی تدابیر کو لحاظ رکھتے ہوئے اپنے دینی فرائض اداء کرنے کی مثال پیش کرنی چاہیے، سعودی عرب کے مفتیِ اعظم نے جمعہ کے روز ایک بیان میں کہا تھا کہ رمضان المبارک کے دوران تراویح

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

والحبس الاحتياطي لجميع المخالفين لهذه القرارات.

وقررت إعادة فتح حزمة جديدة من الأنشطة التجارية والصناعية، مع ضرورة التزام تلك الأنشطة بالضوابط الوقائية اللازمة، وستقوم الجهات المختصة بالإعلان عن تفاصيل تلك الأنشطة.

مع التزام الجميع بارتداء الكمامات فى الأماكن العامة، وتشمل جميع مواقع الأنشطة التجارية والصناعية المسموح بها، وفى أماكن العمل فى القطاعين العام والخاص ووسائل النقل العامة.

وفى مختلف البلدان الخليجية الأخرى متوقع أن تتخذ قرارات متشابهة لتلك التى أقرتها دور الافتاء فى الامارات والسعودية، فقد فرضت الكويت حظراً شاملاً فى العاشر يستمرّ إلى ما بعد عيد الفطر، وذلك للحد من انتشار فيروس كورونا(كتبت :إسراء أحمد فؤاد.

Share on facebook Share on twitter Share on facebook)

[1] صلاة العيد، صلاة يُقيمها المسلمون (شيعة وسنة) فى عيد الفطر وعيد الأضحى وهى من الصلوات الواجبة فى زمن حضور الإمام المعصوم مع اجتماع الشرائط، ومستحبة فى عصر الغيبة جماعة وفرادى، ولا يعتبر فيها العدد ولا تباعد الجماعتين، ولا غير ذلك من شرائط صلاة الجمعة ولا إقامة فيها، ولا يجب قضاؤها على من لم يصلّها.

(وكى شيعة. صلاة-العيد/http://ar.wikishia.net/view)

اور عید کی نماز گھروں میں ادا کی جائے، تا کہ کورونا وائرس کے پھیلاؤ کو روکا جاسکے۔

سعودی عرب سمیت متعدد اسلامی ملکوں، مصر اور متحدہ عرب امارات نے غیر معینہ مدت کے لیے مساجد کے اندر نماز باجماعت پر پابندی عاید کردی ہے، تا کہ وائرس کے پھیلاؤ کو روکا جاسکے۔

مصر نے احتیاطی تدبیر کے طور پر افطار و سحر کے روایتی خیمے اور کھلی جگہوں پر ان کے انعقاد پر پابندی لگادی ہے (جسارت، ۲۰، اپریل ۲۰۲۰ء)

اور 19 / مئی 2020ء کو عالمی اخبار میں یہ خبر شائع ہوئی کہ:

شام، مصر، الجزائر میں کہیں پر عید الفطر کے اجتماعات پر پابندی اور کہیں اس موقع پر کرفیو کے نافذ کرنے کا اعلان کردیا گیا۔

سعودی عرب، الجزائر، مصر اور شام میں نمازِ عید کے اجتماعات پر پابندی عائد کی گئی ہے، جبکہ شامی وزارتِ مذہبی امور کی جانب سے شامی عوام کو ہدایت کی گئی ہے کہ گھر کے افراد کے ساتھ گھر پر ہی نمازِ عید ادا کی جائے۔

ترکی کے صدر رجب طیب اردوان نے ملک بھر میں عید پر کرفیو نافذ کرنے کا اعلان کردیا ہے (عالمی اخبار، ۱۹، مئی ۲۰۲۰ء)

اور 19 / مئی 2020ء کو جیو نیوز میں یہ خبر شائع ہوئی کہ:

شامی حکام کا کہنا ہے کہ مملکت میں عید الفطر کی نماز کے اجتماعات پر پابندی ہوگی تا کہ عالمی وبا کورونا وائرس کو پھیلنے سے روکا جاسکے۔

شامی وزارتِ مذہبی امور نے اپیل کی ہے کہ گھر کے افراد کے ساتھ گھر پر ہی نمازِ عید ادا کی جائے۔

اس سے قبل ترکی، سعودی عرب، الجزائر اور مصر میں بھی نمازِ عید کے اجتماعات پر پابندی عائد کی جاچکی ہے۔

سعودی حکومت نے 23 مئی سے 27 مئی تک تمام شہروں میں 24 گھنٹے کے کرفیو کا اعلان کررکھا ہے، جبکہ سعودی مفتیِ اعظم کا کہنا ہے کہ موجودہ حالات کے تناظر میں عید کی نماز گھر پر ادا کی جاسکتی ہے۔

ترکی نے بھی 23 تا 26 مئی ملک بھر میں مکمل لاک ڈاؤن کا اعلان کردیا ہے

(جیونیوز، ۱۹، مئی ۲۰۲۰ء)

اور ظاہر ہے کہ اس طرح کی خبریں، عامۃُ الناس کے سامنے بھی آتی ہیں۔

پس جب اتنے مسلم ممالک وریاست کے جید اور کِبار علمائے کرام ومفتیانِ عظام کی طرف سے گھروں میں نمازِ عید کے جواز کے فتاویٰ جاری کیے جارہے ہوں، تو بعض اہلِ علم کی طرف سے، ان کو نظر انداز کرکے ایک ہمہ گیر مسئلہ پر یکطرفہ مخالف حکم لگادینا، اور دوسرے موقف پر نکیر کرنا، مناسب طرزِ عمل نہیں کہلاتا، اور وہ عوام کے لئے سخت تشویش کا باعث بنتا ہے۔

اس کے علاوہ ہندوستان کے متعدد اصحابِ علم کی طرف سے بھی گھروں میں نمازِ عید کے جواز کا حکم بیان کیا گیا، جس میں حنفیہ کی بیان کردہ شرائط کا بھی لحاظ کیا گیا۔

اور پاکستان کے چند ایک دارُ الافتاؤں سے بھی اس کے متعلق فتویٰ جاری ہوا۔

اس لیے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ گھروں میں عید کی نماز کا جواز صرف غیر حنفیہ کے نزدیک ہے، اور حنفیہ کے نزدیک اس کی گنجائش نہیں۔

اس سلسلہ میں چند فتاویٰ اور عبارات وحوالہ جات نقل کیے جاتے ہیں۔

دارُ العلوم دیوبند کا فتویٰ

باسمہٖ سبحانہٗ وتعالیٰ

حضرات مفتیانِ کرام، دارالافتاء دارُ العلوم دیوبند

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ!

ملک میں جاری لاک ڈاؤن اور سماجی فاصلہ برقرار رکھنے کی ہدایت کے پیشِ نظر دارالافتاء کی طرف سے نمازِ جمعہ سے متعلق ہدایات حاصل کی گئی تھیں، اب جبکہ رمضانُ المبارک کا مہینہ قریبُ الختم ہے، اور ابھی لاک ڈاؤن کے سلسلہ میں کوئی صورتِ حال واضح نہیں ہے، اس لئے نمازِ عیدُ الفطر کے سلسلہ میں رہنمائی کی ضرورت ہے۔ اگر لاک ڈاؤن کا سلسلہ اسی طرح برقرار رہا، تو نمازِ عیدُ الفطر کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہوگا۔ رہنمائی فرمائی جائے۔

والسلام

مہتمم دارالعلوم دیوبند

۲۲/۹/۱۴۴۱ھ۔ ۱۶/۵/۲۰۲۰

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الجواب وباللّٰہ العصمۃ والتوفیق، حامداً ومصلیاً ومسلماً

عیدین کی نماز احناف کے نزدیک اصح اور مفتی بہ قول کے مطابق واجب ہے، اور اس کے لئے وہی شرائط ہیں، جو جمعہ کے لئے ہیں، البتہ جمعہ میں خطبہ شرط ہے، اور وہ نماز سے پہلے ہوتا ہے، اور عیدین میں خطبہ سنت ہے، اور وہ نماز کے بعد ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر عیدُ الفطر تک لاک ڈاؤن کا سلسلہ جاری رہتا ہے، اور مساجد وغیرہ میں پانچ سے زائد لوگوں کو نماز کی اجازت نہیں ہوتی ہے، تو 6/ شعبان، سنہ 1441ھ (مطابق: یکم اپریل، سنہ 2020ء) کے فتوے (۶۸۱/ن، ۱۰۶/تتمہ/ن) میں جن شرائط وتفصیلات کے ساتھ مساجد میں اور گھروں کی بیٹھک یا باہری کمروں میں جمعہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اُنہی کی رعایت کے ساتھ مساجد اور گھروں کی بیٹھک یا باہری کمروں میں نمازِ عید بھی ادا کی

جائے۔ [1]

اور جن لوگوں کے لئے نمازِ عید کی کوئی صورت نہ بن سکے، عذر و مجبوری کی وجہ سے اُن سے نمازِ عید معاف ہوگی، لہٰذا انہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔

البتہ یہ حضرات اگر اپنے اپنے گھروں میں انفرادی طور پر 2 یا 4 / رکعت چاشت کی نماز پڑھ لیں، تو بہتر ہے، کیونکہ جنہیں عید کی نماز نہ مل سکے، اُن کے لئے فقہاء نے 2 یا 4 / رکعت چاشت کی مستحب قرار دی ہیں۔

فقط واللہ سبحانہٗ تعالیٰ أعلم

محمود حسن بلند شہری غفرلہٗ

دارالعلوم دیوبند

۲۳/۹/۱۴۴۱ھ، الموافق ۱۷/۵/۲۰۲۰ء، یومُ الاحد

الجواب صحیح	الجواب صحیح	الجواب صحیح
وقار علی غفرلہ	نعمان سیتاپوری غفرلہ	حبیبُ الرحمٰن عفااللہ عنہ
۲۳/ رمضان ۱۴۴۱ھ	۲۳/۹/۱۴۴۱ھ	۲۳/۹/۱۴۴۱ھ

جامعۃُ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کا فتویٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سوال

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ کرام اس مسئلے کے بارے میں کہ:

1۔ عید کی نماز کا کیا حکم ہے؟

2۔ اگر کسی ملک میں وبائی امراض، یا وائرس کے پیشِ نظر عیدگاہ میں جانے سے منع

[1] یہ فتاویٰ ادارہ غفران کی ویب سائٹ وغیرہ کے ذریعے، پہلے نشر کیے جا چکے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

کیا جائے، تو کیا عید کی نماز گھر یا گھر کی چھت، پارکنگ وغیرہ میں ادا کی جاسکتی ہے؟

جواب دے کر مشکور وممنون فرمائیں

مستفتی

عبدالمنان، کراچی

جواب

واضح رہے کہ عید کی نماز دین کے شعائر میں سے بنیادی شعار ہے۔ (1)

اور عید کی نماز سے مقصود مسلمانوں کی شان وشوکت اور قوت کا اظہار ہے، یہی وجہ ہے کہ عید کی نماز عیدگاہ میں پڑھنا مسنون ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ مسلمان ایک جماعت میں شریک ہوسکیں۔ (2)

1۔صورتِ مسئولہ میں شہر، فنائے شہر اور بڑا گاؤں، جہاں جمعہ قائم کرنے کی شرائط پائی جاتی ہیں، وہاں عید کی نماز پڑھنا واجب ہے، تاہم جمعہ اور عید کی نماز کی شرائط میں فرق یہ ہے کہ جمعہ کے درست ہونے کے لئے خطبہ شرط ہے، جبکہ عید کی نماز کے لئے خطبہ شرط نہیں، سنت ہے۔ (3)

اسی طرح عید کی نماز کے لئے اِذنِ عام کا ہونا بھی شرط نہیں۔ (4) [1]

جمعہ اور عید کی نمازوں کے لئے جماعت کا ہونا شرط ہے، انفرادی طور پر جمعہ یا عید کی نماز ادا کرنا درست نہیں، جماعت کے ساتھ پڑھنا ضروری ہے، لیکن جمعہ اور عید کی جماعت کے لئے کتنے افراد ضروری ہیں، اس میں فرق ہے، جمعہ کی نماز درست ہونے کے لئے امام کے علاوہ تین بالغ مردوں کا ہونا ضروری ہے، اور عید

---

[1] بعض حنفیہ نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے، لیکن دیگر حضرات نے اس سے اختلاف کیا ہے، اور انہوں نے عید کی نماز کے لیے بھی اذنِ عام کو ضروری قرار دیا ہے، لیکن باضابطہ تعددِ عیدین کے موجودہ ماحول میں اذنِ عام شرط نہیں رہتا، جس کی تفصیل ہم جمعہ سے متعلق اپنے سابق مضامین میں بیان کر چکے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

کی نماز کے لئے امام کے علاوہ ایک بالغ مرد کا ہونا کافی ہے۔(5) ۱

2۔ اگر کسی ملک میں وائرس، یا کسی وبائی مرض کی وجہ سے حکومت عیدگاہ یا مسجد میں عید کی نماز پڑھنے سے منع کرے، تو شہر، فنائے شہر یا بڑے گاؤں کے رہنے والے مسلمان کوشش کریں کہ وہ عید کی نماز، عیدگاہ میں یا مسجد میں پڑھیں۔

لیکن اگر کسی علاقے میں عید کی نماز عیدگاہ، یا مسجد میں پڑھنا ممکن نہ ہو تو کم از کم دو افراد گھر، گھر کی چھت، صحن یا بلڈنگ کی پارکنگ وغیرہ میں جمع ہو کر پڑھیں۔ ۲

عید کی نماز کا طریقہ:

عید کی نماز کے لیے اذان اور اقامت نہیں، جب نماز کھڑی کی جائے، تو عید کی نماز چھ زائد تکبیرات کے ساتھ پڑھنے کی نیت کرے، اس کے بعد تکبیر کہہ کر ہاتھ ناف کے نیچے باندھ لے، اور ثناء پڑھے، اس کے بعد تین زائد تکبیریں کہے، دو تکبیروں میں ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر چھوڑ دے، اور تیسری تکبیر پر ہاتھ اُٹھا کر ناف کے نیچے باندھ لے، اس کے بعد امام اونچی آواز میں قراءت کرے، قرائت مکمل ہونے کے بعد بقیہ رکعت (رکوع اور سجدہ وغیرہ) دیگر نمازوں کی طرح ادا کرے۔

---

۱ یہ بھی بعض حنفیہ کے بقول ہے، ورنہ دیگر حنفیہ نے جمعہ کی طرح عید کی نماز کے لیے بھی امام سمیت کم از کم چار افراد کو ضروری قرار دیا ہے، جیسا کہ دارُالعلوم دیوبند کے فتوے میں بھی گزرا، اس کے بعد دارُالعلوم دیوبند کے ایک فتوے میں اس کی بھی وضاحت کی گئی کہ عید کی نماز میں امام کے علاوہ ایک فرد ہونے کا قول تسامح پر مبنی ہے، جو بنیادی طور پر تکبیرِ تشریق کے مسئلہ سے متعلق تھا، بعد کے حضرات نے تسامح کی وجہ سے اس کو نمازِ عید کے مسئلہ میں نقل کر دیا۔ محمد رضوان خان۔

۲ چھت، صحن، یا بلڈنگ کی قید، سوال میں ان چیزوں کا ذکر ہونے کی وجہ سے ہے، اذنِ عام کی وجہ سے نہیں، کیونکہ اس کو تو عید کی نماز کے لیے مذکورہ فتوے میں ضروری قرار ہی نہیں دیا گیا، اور یہ قید مجمع کے بڑا ہونے کی وجہ سے بھی نہیں، کیونکہ اس فتوے میں ساتھ ہی کم از کم دو افراد کے عید کی نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔

اور ہمارے نزدیک اصل دارومدار لوگوں کے حالات اور قانونی وغیر قانونی پیچیدگیوں پر ہے۔

ممکن ہے کہ کسی کو نہ چھت میسر ہو، نہ صحن میسر ہو، اور نہ پارکنگ، تو اس کو اپنے حسبِ حال گھر کے کسی کمرہ میں بھی نمازِ عید کا اداء کرنا جائز ہوگا، جس کی مدلل تفصیل ہم اپنے جمعہ سے متعلق مضامین میں ذکر کر چکے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

پھر دوسری رکعت کے شروع میں امام اونچی آواز میں قراءت کرے، اس کے بعد تین زائد تکبیریں کہے، تینوں تکبیروں میں ہاتھ کانوں تک اُٹھا کر چھوڑ دے، پھر ہاتھ اُٹھائے بغیر چوتھی تکبیر کہہ کر رکوع میں جائے، اور پھر دیگر نمازوں کی طرح دوسجدوں کے بعد التحیات، درود اور دعا پڑھ کر سلام پھیر دے، پھر نماز مکمل کرنے کے بعد امام دو خطبے دے، دونوں خطبوں کے درمیان تھوڑی دیر بیٹھے۔(6) ۱

حوالہ جات

(1) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (84/3)

ولأنها من شعائر الإسلام فلو كانت سنة فربما اجتمع الناس على تركها فيفوت ما هو من شعائر الإسلام فكانت واجبة صيانة لما هو من شعائر الإسلام عن الفوت.

(2) صحيح البخارى (22/2)ط: دارالشعب

عن أبى سعيد الخدرى، قال: كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يخرج يوم الفطر والأضحى إلى المصلى، فأول شىء يبدأ به الصلاة، ثم ينصرف.

فتح البارى (450/2)

واستدل به على استحباب الخروج إلى الصحراء لصلاة العيد وأن ذلك أفضل من صلاتها فى المسجد لمواظبة النبى صلى الله عليه وسلم على ذلك مع فضل مسجده.

الدرالمختار وحاشية ابن عابدين (169/2)

وفى الخلاصة والخانية السنة أن يخرج الإمام إلى الجبانة، ويستخلف غيره ليصلى فى المصر بالضعفاء بناء على أن صلاة العيدين فى موضعين جائزة بالاتفاق، وإن لم يستخلف فله ذلك .اهـ .نوح.

الفتاوى الهندية (150/1)

الخروج إلى الجبانة فى صلاة العيد سنة وإن كان يسعهم المسجد الجامع، على هذا عامة المشايخ وهو الصحيح، هكذا فى المضمرات.

(3) بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع (85/3)

وأما شرائط وجوبها وجوازها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة وجوازها فهو شرط وجوب صلاة العيدين وجوازها من الإمام والمصر والجماعة والوقت إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة.

الدرالمختار وحاشية ابن عابدين (166/2)

(تجب صلاتهما) فى الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى

---

۱ یہ طریقہ حنفیہ کے مطابق ہے، دیگر فقہائے کرام کے نزدیک تکبیراتِ عیدین کی تعداد مختلف ہے، جس کا ذکر ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں۔ محمد رضوان خان۔

الخطبة) فإنها سنة بعدها.
وفى الرد: (قوله فإنها سنة بعدها) بيان للفرق وهو أنها فيها سنة لا شرط وأنها بعدها لا قبلها بخلاف الجمعة .قال فى البحر: حتى لو لم يخطب أصلا صح وأساء لترك السنة ولو قدمها على الصلاة صحت وأساء ولا تعاد الصلاة.
بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع (89/3)
وأما الخطبة فليست بشرط؛ لأنها تؤدى بعد الصلاة وشرط الشىء يكون سابقا عليه أو مقارنا له، والدليل على أنها تؤدى بعد الصلاة ما روى عن ابن عمر أنه قال: صليت خلف رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وخلف أبى بكر وعمر – رضى الله عنهما – وكانوا يبدئون بالصلاة قبل الخطبة وكذا روى عن ابن عباس – رضى الله عنهما – أنه قال: صليت خلف رسول الله – صلى الله عليه وسلم – وخلف أبى بكر وعمر وعثمان فبدئوا بالصلاة قبل الخطبة ولم يؤذنوا ولم يقيموا ولأنها وجبت لتعليم ما يجب إقامته يوم العيد والوعظ والتكبير فكان التأخير أولى ليكون الامتثال أقرب إلى زمان التعليم.
(4) النهر الفائق شرح كنز الدقائق (373/1) ط: دار الكتب العلمية
وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر فى الظاهر.
(5) النهر الفائق شرح كنز الدقائق (373/1) ط: دار الكتب العلمية
نعم بقى أن يقال: من شرائطها الجماعة التى هى جمع والواحد هنا مع الإمام جماعة، فكيف يصح أن يقال: إن شروطه الجمعة.
الدر المختار وحاشية ابن عابدين (166/2)
(تجب صلاتهما) فى الأصح (على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة (سوى الخطبة) فإنها سنة بعدها.
وفى الرد: لكن اعترض ط ما ذكره المصنف بأن الجمعة من شرائطها الجماعة التى هى جمع والواحد هنا مع الإمام كما فى النهر.
الفقه على المذاهب الاربعة (531/1)
الحنفية قالوا: صلاة العيدين واجبة فى الأصح على من تجب عليه الجمع بشرائطها، سواء كانت شرائط وجوب أو شرائط صحة، إلا أنه يستثنى من شرائط الصحة الخطبة، فإنها تكون قبل الصلاة فى الجمعة وبعدها فى العيد، ويستثنى أيضاً عدد الجماعة، فإن الجماعة فى صلاة العيد تتحقق بواحد مع إمام، بخلاف الجمعة.
(6) الفتاوى الهندية (150/1)
ويصلى الإمام ركعتين فيكبر تكبيرة الافتتاح ثم يستفتح ثم يكبر ثلاثا ثم يقرأ جهرا ثم يكبر تكبيرة الركوع فإذا قام إلى الثانية قرأ ثم كبر ثلاثا وركع بالرابعة فتكون التكبيرات الزوائد ستا ثلاثا فى الأولى وثلاثا فى الأخرى، وثلاث أصليات تكبيرة الافتتاح وتكبيرتان للركوع فيكبر فى الركعتين تسع تكبيرات ويوالى بين القرائتين

وهذه رواية ابن مسعود بها أخذ أصحابنا، كذا في محيط السرخسي.
ويرفع يديه في الزوائد ويسكت بين كل تكبيرتين مقدار ثلاث تسبيحات، كذا في التبيين وبه أفتى مشايخنا، كذا في الغياثية ويرسل اليدين بين التكبيرتين ولا يضع هكذا في الظهيرية.
ثم يخطب بعد الصلاة خطبتين، كذا في الجوهرة النيرة، ويجلس بينهما جلسة خفيفة، كذا في فتاوى قاضي خان، وإذا صعد المنبر لا يجلس عندنا، كذا في العيني شرح الهداية، ويخطب في عيد الفطر بالتكبير والتسبيح والتهليل والتحميد والصلاة على النبي – صلى الله عليه وسلم –، كذا في التتارخانية.

فقط واللہ أعلم

کتبہٗ

محمد عمران ممتاز

دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ

علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

24 رمضان المبارک 1441ھ۔18 مئی 2020ء

الجواب صحیح	الجواب صحیح
محمد شفیق عارف	محمد انعام الحق
۱۴۴۱/۹/۲۴ھ	۱۴۴۱/۹/۲۴ھ

ہندوستان کے بعض مفتیان کا فتویٰ

ہندوستان کے فقہ حنفی سے منسلک ایک دارالافتاء سے موجودہ حالات میں درجِ ذیل فتویٰ جاری ہوا۔

جن مقامات پر جمعہ کی شرائط پائی جاتی ہیں، وہاں موجودہ حالات میں امام کے علاوہ کم از کم تین بالغ مرد ہوں، تو گھروں میں بھی عید کی نماز ہوسکتی ہے۔

مناسب یہ ہے کہ لاک ڈاؤن کے اصول و ضابطوں کی پابندی کرتے ہوئے

مسجدوں اور عیدگاہوں میں بھی کچھ لوگ عیدُ الفطر کی نماز ادا کریں۔

حالات کی نزاکت، اربابِ سیاست کی شرارت اور میڈیا کی بدنیتی کو محسوس کرتے ہوئے مسجدوں وعیدگاہوں، یا کسی بھی مقام پر بڑی تعداد میں نمازِ عید کی ادائیگی کی کوشش نہ کی جائے اور نہ ہی اس سلسلے میں حکومت سے کوئی مطالبہ کیا جائے؛ بلکہ جس طرح رمضان کے مقدس مہینے میں ہم نے صبر وتحمل کے ساتھ گھروں میں تراویح پڑھیں اور جمعہ کی نمازیں ادا کی ہیں، اسی طرح عید کی نماز بھی سادگی کے ساتھ بغیر بھیڑ بھاڑ کے ادا کی جائے۔

لاک ڈاؤن کے موقع پر نمازِ عید کے تعلق سے مذکورہ بالا بنیادی باتوں کے بعد نفسِ مسئلہ ذیل میں ملاحظہ کریں۔

نمازِ عید الفطر کی ادائیگی کے لئے شہر سے باہر کھلے میدان میں جانا سنت ہے۔

یہ حکم عام صحت منداور غیر معذورین کے لئے ہے؛ لیکن جو لوگ اپنی پیرانہ سالی، یا ضعف وبیماری کی وجہ سے باہر جا کر عید کی نماز ادا نہیں کر سکتے ہیں، ان کے لئے گنجائش ہے کہ وہ شہر ہی میں دوسری جماعت کر کے عید کی نماز ادا کرلیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کمزوروں اور ضعیفوں کے لئے شہر کے اندر ہی الگ سے عیدین کی جماعت کا اہتمام فرماتے تھے۔

جب عام حالات میں ضُعَفاء کے لئے یہ رعایت ہے کہ وہ عیدگاہ جانے کے بجائے شہر کے مسلمانوں کی پنچایت، یا کمیٹی کی ہدایت وانتظام کے مطابق شہر کے اندر مسجد ہی میں عید کی نماز ادا کرلیں، تو آج کے مخصوص حالات میں جن مقامات پر شرائطِ جمعہ پائی جاتی ہیں، اور وہاں جن لوگوں پر جمعہ واجب ہے، ان پر عیدین کی نماز ادا کرنا بھی واجب ہے۔

ایسے مقامات پر لاک ڈاؤن کے عذر کی وجہ سے متعدد مقامات پر عید کی نمازیں

ادا کی جاسکتی ہیں، اوران مقامات میں مسجد کے علاوہ رہائشی مکان، ہال، کارخانہ، دالان، برآمدہ، بیٹھک، رِسَیپشن ہال وغیرہ جگہوں پرعیدین کی نماز ادا کی جاسکتی ہے۔

موجودہ صورت میں جماعت میں تقلیل مقصود ہے؛ اس لیے اس طرح گھروں میں تعددِ جماعت، اذنِ عام کی شرط کے منافی نہیں ہے؛ کیوں کہ ان صورتوں میں غلقِ ابواب ممنوع نہیں ہے۔کتبِ فقہ میں اس کی تصریحات موجود ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہدایت پر تکلیف سے بچانے کے لئے شہر کے اندر صرف ضُعَفا و معذورین کی جماعت کی جاتی تھی، جس میں اذنِ عام کی کوئی تصریح نہیں ہے۔ پھر بھی کمزور وضعیف صحابۂ کرام کی نمازوں کی صحت پر کسی صحابی نے اعتراض اور نکیر نہیں کیا۔اسی طرح موجودہ حالات میں تکلیف سے بچانے کے لئے تقلیلِ جماعت ہی مقصود ہے، جو کہ اذنِ عام کے منافی نہیں ہے۔

کچھ لوگوں کی طرف سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ حکومت کی طرف سے اجازت نہیں ہے۔ یہ بات صحیح نہیں ہے؛ بلکہ حکومت نے مجمع اور بھیڑ جمع کرنے پر پابندی لگائی ہے، نہ کہ جمعہ وعیدین پر۔

جو عُلماءِ شہر کے مختلف مکانات میں مختصر ٹکڑیوں میں جمعہ وعیدین کو ناجائز کہتے ہیں وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر اور غلقِ ابواب کے سلسلے میں فُقہاء کی تصریحات پر سنجیدگی سے غور فرمالیں۔

شہروں میں شرائط کے پائے جانے پر عیدین میں چھ زائد تکبیروں کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرنا واجب ہے۔

نمازِ جمعہ کے برخلاف عیدین میں خطبہ واجب نہیں، بلکہ سنت ہے۔اسی طرح عیدین میں، خطبہ، نمازِ دوگانہ کے بعد پڑھا جائے گا۔اگر کسی وجہ سے خطبہ نہ پڑھا

جاسکے، تو بھی عیدین کی نماز ادا ہوجائی گی، البتہ سنت کی فضیلت سے محرومی رہے گی، اور خطبہ چھوڑنا بُرا ہے............۔

کچھ لوگوں نے موجودہ حالات میں عید کی نماز سے منع کر کے کہا ہے کہ لوگ اپنے اپنے گھروں میں، دو، یا چار رکعت چاشت پڑھیں؛ لیکن یہ بھی کہا ہے کہ چاشت کی نماز عید کی نماز سے قبل مکروہ ہے؛ اس لئے جب کہیں شہر میں عید کی نماز ہو جائے، تو پھر چاشت کی نماز پڑھی جائے۔

ان لوگوں کی یہ بات صرف تشویش اور انتشار کا ذریعہ ہے؛ کیوں کہ انہوں نے ایک طرف عید کی نماز کی ادائیگی سے لوگوں کو منع کر دیا ہے۔

دوسری طرف شہر میں کہیں عید کی نماز ہوجانے کے انتظار کی تعلیم دے رہے ہیں، جب عید کی نماز ہے ہی نہیں، تو کہیں عید کی نماز ہوجانے کا کیا مطلب ہے؟ ان کی باتوں میں تضاد اور الجھاؤ ہے۔ اس لئے انہیں اپنے موقف کی اصلاح کرنی چاہئے............۔

فقط

واللہ اعلم بالصواب

کتبہ

محمد اشرف قاسمی (خادم الافتاء شہر مہد پور، ضلع اجین۔ ایم۔ پی)

24 رمضان المبارک 1441ھ، مطابق 18 مئی 2020ء

ashrafgondwi@gmail.com

تصدیق: مفتی عبدالخالق صاحب قاسمی (جامعہ اصحابِ صفہ، مکسی ضلع شاجاپور۔ ایم پی، خلیفہ حضرت مولانا قمرُ الزماں صاحب الہ آبادی مدظلہٗ)

مفتی محمد توصیف صدیقی (معین مفتی : دارالافتاء شہر مہد پور)

(ٹیلی گرام چینل لنک https://t.me/joinchat/AAAAAFNnLgIqVN-kH8EibQ)

مذکورہ بالا فتوے میں اِذنِ عام کے مسئلہ کو بھی سادہ انداز میں حل کر دیا گیا ہے، لیکن ہمارے یہاں جمعہ جیسے قطعی ، واجتماعی فریضے سے ،مسلک صرف عند الحنفیہ ، اس چھوٹے سے اجتہادی، وفروعی نکتہ پر بھی کئی ماہ کے عرصہ میں اتفاق نہ ہوسکا اور یہ گھتی نہ سلجھ سکی، اور گو، مگو، اگر، مگر، چوں، چرا، کی کیفیت سے عوام میں اضطراب، وانتشار الگ پایا جاتا رہا۔

جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کا حوالہ

آل انڈیا مسلم، پرسنل لاء بورڈ کے جنرل سیکرٹری، اور امیرِ شریعت بہار، اُڑیسہ، مولانا محمد ولی رحمانی صاحب نے بھی بروقت مسلمانوں کی اس سلسلہ میں، رہنمائی فرمائی، اور اس کی، بعض ذرائع ابلاغ میں درجِ ذیل طریقہ پر اشاعت ہوئی:

عید کی نماز، اعتکاف پر لوگوں کا اضطراب بڑھتا جارہا ہے اور ہر طرف سے سوال اٹھ رہے ہیں۔

ایسے میں جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، مولانا محمد ولی رحمانی امیرِ شریعت بہار، اڈیشہ وجھارکھنڈ نے واضح پیغام جاری کیا ہے۔

اپنے پیغام میں انھوں نے کہا ہے کہ اندازہ ہے کہ لاک ڈاؤن لمبا کھنچے گا، اور ہم لوگوں کو ان ہی حالات کے اندر رمضان کا آخری عشرہ گزارنا ہے اور عید کی نماز پڑھنی ہے۔ لوگوں کے ذہن میں یہ سوال ہے کہ اعتکاف کے لیے کیا کیا جائے اور عید کی نماز کے سلسلے میں شرعی حکم کیا ہوگا؟ جہاں تک تعلق اعتکاف کا ہے، ان شاء اللہ لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں اعتکاف کریں گے، لیکن ان کی تعداد ایک، یا زیادہ سے زیادہ دو فرد کی ہوگی اور وہ اعتکاف کا اہتمام کریں گے۔ ایک مسجد میں اگر ایک آدمی نے بھی اعتکاف کرلیا، تو پورے محلے اور پورے گاؤں کی طرف سے وہ اعتکاف، اللہ کے دربار میں قبول ہوگا اور کسی پر ذمہ داری عائد نہیں ہوگی۔ لیکن

یہ خیال رہے کہ رمضان کے اخیر عشرے میں بھی مسجد کے اندر زیادہ مجمع نہ کیا جائے عام طور پر جس طرح تین چار آدمی مسجد میں نماز پڑھتے ہیں، نماز پڑھیں گے، بقیہ لوگ تراویح کی نماز گھروں پر ادا کریں گے، چاہے کسی حافظِ قرآن کے پیچھے مکمل قرآن پڑھیں، یا سورہ تراویح پڑھنے کا اہتمام کریں۔ امیرِ شریعت نے عید کی نماز کے تعلق سے کہا کہ اندازہ ہے کہ عید کا موقع بھی لاک ڈاؤن کے اندر ہی آئے گا۔ عید کی نماز جس طرح پڑھی جاتی رہی ہے، اس سال اس طرح پڑھنے کا موقع نہیں ملے گا۔ مسجدوں میں عید کی نماز، جس طرح جمعہ کی نماز ابھی پڑھی جارہی ہے، تین چار افراد کے ساتھ، اسی طرح مسجدوں میں عید کی نماز پڑھی جائے گی اور بقیہ لوگ عید کی نماز اپنے گھروں میں ادا کریں گے۔

یہ خیال رہے کہ عید کی نماز کی ادائیگی واجب ہے اور اس میں عید کی نماز کے بعد جو خطبہ دیا جاتا ہے، وہ سنت ہے۔

اس کا بھی خیال رکھا جائے کہ عید کی نماز میں جو کم سے کم تعداد ہے، وہ امام کو چھوڑ کر تین آدمیوں کا ہونا ضروری ہے، اس لیے عید کی نماز میں ایک امام اور تین مقتدی ہوں اور نماز ادا کی جائے۔ گھروں میں جو لوگ عید کی نماز ادا کریں گے، وہ دو رکعت عید کی نماز پڑھیں گے اور دو رکعتوں کے بعد امام صاحب خطبہ دیں گے، چاہے وہ کسی کتاب کو دیکھ کر خطبہ دیں، یا کسی کاغذ پر خطبہ لکھا ہو، اسے دیکھ کر دیں، یا زبانی خطبہ دیں۔ ان شاء اللہ وہ خطبہ معتبر ہے۔ لیکن اگر کسی گھر میں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے، جو خطبہ دے سکے، یا خطبہ پڑھ سکے، تو پھر دو رکعت عید کی نماز تکبیراتِ زائدہ کے ساتھ گھر میں پڑھی جائے گی اور کیوں کہ کوئی خطبہ جاننے والا، پڑھنے والا موجود نہیں ہے، اس لیے بغیر خطبے کے نماز ادا کی جائے گی۔ اور اگر عید کی نماز کی امامت کرنے والا بھی گھر میں کوئی نہیں ہے، تو ایسی شکل میں گھر کا

ہر آدمی چار رکعت نفل نماز ادا کرے۔ جس طرح چاشت کی نماز پڑھی جاتی ہے، لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ عید کی قضا نہیں ہے، بلکہ یہ اللہ کے دربار میں سر جھکانا ہے، جس میں فائدہ ہی فائدہ ہے اور اس کا پڑھنا مستحب ہے (الہلال، میڈیا، مونگیر ۱۴ مئی ۲۲۰، آئی این ایس انڈیا)

ملاحظہ فرمایئے کہ مندرجہ بالا بیان میں کس حکمت وبصیرت کے ساتھ مسلمانوں کی رہنمائی کی گئی ہے، اور ان کو مایوسی و پریشانی سے بچنے، بچانے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

مفتی خلیل الرحمٰن قاسمی کا حوالہ

ہندوستان کے ایک اور مفتی خلیل الرحمٰن قاسمی برنی صاحب نے نمازِ عید کے سلسلے میں درجِ ذیل حکم بیان کیا۔

اگر لاک ڈاؤن جاری رہتا ہے اور عید کی نماز عید گاہوں اور مساجد میں پڑھنے کی اجازت نہیں ملتی، تو یہ نماز بھی جمعہ ہی کی طرح گھروں میں پڑھ لی جائے۔ جو شرائط جمعہ کی نماز کے لئے ہیں، عیدین کی نماز میں ان شرائط کا لحاظ کیا جانا ضروری ہے۔ مثلاً جمعہ کے لئے جماعت شرط ہے، تو عید کی نماز کے لیے بھی جماعت شرط ہے۔ جمعہ کی نماز کے لئے امام کے علاوہ تین مقتدی کل چار افراد ہونے چاہییں، اسی طرح عید کی نماز کے لئے بھی امام کے علاوہ تین مقتدی ضروری ہیں، یعنی امام کو شامل کر کے کم از کم چار افراد ہونے ضروری ہیں۔

عید کی نماز میں خطبہ چوں کہ سنت ہے، اس لئے اگر خطبہ نہ دیا گیا، تو نماز ہو جائے گی۔ اس لئے اگر کوئی خطبہ دینے والا نہ ہو، صرف نمازِ عید ہی پڑھا سکتا ہو، تو نمازِ عید ہی پر اکتفا کریں۔ واضح رہے کہ عید کی نماز میں اذان واقامت نہیں ہے۔

جو لوگ نماز عید بالکل ہی نہ پڑھ سکیں، تو وہ اس کی جگہ چار رکعت نماز چاشت پڑھ

لیں۔ یہ نماز چاشت عید کا بدل نہیں ہے۔ بلکہ بعض فقہاء کے نزدیک عید نہ پڑھ سکنے والوں کے لئے ایک مستحب عمل ہے (مفتی خلیل الرحمٰن قاسمی برنی بنگلور، ہندوستان، اُردو ٹائمز)

ڈاکٹر محمد نجیب سنبھلی قاسمی کا حوالہ

ہندوستان کے ڈاکٹر محمد نجیب سنبھلی قاسمی نے بھی اس سلسلہ میں درجِ ذیل بیان جاری کیا۔

عید کی نماز، عیدگاہ اور مساجد میں ادا کی جاتی ہے، مگر لاک ڈاؤن کی وجہ سے عید الفطر کی نماز بھی جمعہ کی طرح گھروں میں ادا کی جائے گی، جس کے لئے امام کے علاوہ تین افراد کافی ہیں۔ عید کی نماز بالکل نہ پڑھنے کے مقابلہ میں گھروں میں ادا کرنا بہتر ہے۔ جن بعض علماء کو گھروں میں نمازِ جمعہ کی ادائیگی میں اختلاف بھی تھا، انہیں بھی لاک ڈاؤن میں گھروں میں نماز عید الفطر کی اجازت دینی چاہئے تاکہ مسلمان اس وقت مایوس نہ ہوں، بلکہ وہ کم از کم گھروں میں نماز عید پڑھ کر اپنے آپ کو کسی حد تک مطمئن کرسکیں (ڈاکٹر محمد نجیب سنبھلی قاسمی، ادارہ فکروخبر، ۲۰ مئی ۲۲۰، مرکزی صفحہ کورونا وبائی مرض کے سائے میں نمازِ عید کیسے پڑھیں؟ share with us)

ملاحظہ فرمایئے کہ مذکوہ بیان میں مسلمانوں کی مایوسی اور پریشانی کو دُور کرنے کا کتنا لحاظ کیا گیا ہے۔

چند علماءِ ہند کا متفقہ فیصلہ

اس کے علاوہ ہندوستان کے متعدد علماء نے، پولیس انتظامیہ کے ساتھ مذاکرات کرکے اس سلسلہ میں گھروں کے اندر جمعہ کے جواز کا حکم بیان کیا، جس کے متعلق اخبارات میں درجِ ذیل خبر شائع ہوئی۔

مالیگاؤں، دھولیہ، ناندیڑ اور دیگر شہروں میں نمازِ عید گھروں پر ہی پڑھنے پر اتفاق

ہو گیا ہے۔

اس سلسلے میں مالیگاؤں میں محکمہ پولیس کی جانب سے منعقدہ نشست سے خطاب کرتے ہوئے، بزرگ عالمِ دین مولانا عبدالحمید ازہری نے کہا کہ اسباب و وسائل کے باوجود آج اس بات کی ضرورت ہے کہ عید کی نماز عیدگاہوں پر ادا نہ کی جائے، بلکہ سرکاری انتظامیہ کے ساتھ مکمل تعاون کر کے گھروں پر ہی ادا کی جائے۔

نمازِ عید کے لئے عیدگاہوں، یا مساجد میں اجازت دیئے جانے کی بابت محکمہ پولیس نے مشاورتی نشست منعقد کی۔

پہلی نشست میں عبدالمالک سیٹھ بکراوالا اور حاجی یوسف الیاس کی جانب سے موقف پیش کیا۔

مفتی اعظم ہند عیدگاہ کی جانب سے شکیل احمد سبحانی نے پہلی نشست میں اعلان کیا کہ نمازِ عید، مفتی اعظم عیدگاہ مالیگاؤں میں ادا نہیں کی جائیگی۔

رکن اسمبلی مفتی محمد اسماعیل قاسمی نے نمازِ عید کی افادیت بتائی۔

اس معاملے میں دوسری نشست بے نتیجہ رہی، البتہ مئی کی شب ساڑھے دس بجے اے۔ٹی۔ ہائی اسکول گراؤنڈ میں تیسری نشست میں پولیس انتظامیہ اور عیدگاہوں کے ٹرسٹیان کے درمیان طے پایا کہ نمازِ عید کی ادائیگی گھروں میں کی جائے۔

ادھر دھولیہ ضلع کے سرپرست وزیر عبدالستار جمعرات کو ضلع کے دورہ پر آئے تھے۔

ان کی صدارت میں ضلع کلکٹر دفتر کے اجلاس ہال میں شہر کے سرکردہ افراد اور عوامی نمائندوں کی میٹنگ عمل میں آئی۔

اس دوران شہر کے رکن اسمبلی ڈاکٹر فاروق شاہ، سابق ڈپٹی میئر شوال امین، الحاج

صابر سیٹھ، منظور انصاری، کارپوریٹر امین پٹیل و دیگر نے شہر کے مسلمانوں کی جانب سے مسائل پیش کیے، لیکن یہ بھی یقین دلایا کہ حالات کے پیشِ نظر مسلمان اپنے اپنے گھروں میں ہی عید الفطر کی نماز ادا کریں گے۔

ادھر ناندیڑ میں ضلع پولیس انتظامیہ کے ساتھ علماءِ کرام کی ایک میٹنگ کا انعقاد کیا گیا۔

میٹنگ کا انعقاد آل انڈیا امام کونسل اور جمعیۃ علماء کی جانب سے کیا گیا تھا۔

میٹنگ میں ضلع ایس۔ پی۔ وجئے کمار اور دیگر افسران موجود تھے۔

جبکہ ضلع اور شہر کے علماءِ کرام میں مولانا ایوب قاسمی، مولانا عبدالحسیب قادری، قاضی محمد رفیق وغیرہ موجود تھے، اس کے علاوہ سینئر قانون، داں ایڈوکیٹ۔ ایم۔ زیڈ۔ صدیقی اور سماجی کارکن مسعود حسین کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔

ان سب ہی نے نمازِ عید گھر پر ہی ادا کرنے پر اتفاق کیا (Updated: May 23, 2020, 4:26 AM IST | Mukhtar Adeel/ Z.A Khan | Malegaon/ Nanded/ Dhule)

شریعت کونسل، جماعتِ اسلامی ہند کا فیصلہ

جماعتِ اسلامی، ہندوستان نے اس سلسلہ میں عیدُ الفطر کے موقع پر درجِ ذیل اعلان کیا۔

کورونا وائرس سے نپٹنے کے لیے حکومتی سطح پر مارچ کے اواخر میں لاک ڈاؤن کا جو اعلان کیا گیا تھا اور مذہبی مقامات پر جمع ہونے کی جو پابندی عائد کی گئی تھی، اس کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ اس کے نتیجے میں ماہِ رمضان المبارک میں بھی پنج وقتہ نماز، اسی طرح جمعہ اور تراویح کی نمازیں محدود رہیں اور مسلمان گھروں پر ہی انفرادی اور اجتماعی طور پر انھیں ادا کرتے رہے۔ امکان ہے کہ یہ سلسلہ ابھی کچھ

اور دن جاری رہے گا۔ چنانچہ سوال کیا جارہا ہے کہ اس صورتِ حال میں رمضانُ المبارک کے آخری دنوں کے معمولات کیسے ہوں؟ اور نماز کیسے ادا کی جائے؟ اس مسئلے پر غور وخوض کرنے کے لئے شریعہ کونسل جماعتِ اسلامی ہند کے صدر مولانا سید جلال الدین عمری اور کونسل کے سکریٹری ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کی نگرانی میں ایک نشست منعقد ہوئی اور کونسل کی جانب سے درجِ ذیل فیصلے کیے گئے:

رمضانُ المبارک کا ایک اہم عمل صدقۃُ الفطر کی ادائیگی ہے، یہ ہر صاحبِ حیثیت مسلمان پر اپنی طرف سے اور گھر کے تمام افراد کی طرف سے واجب ہے۔ رمضان کے آخری دنوں میں اسے ضرور ادا کرنا چاہیے، اس کی مقدار کھجور، کشمش، پنیر اور جَو میں ایک صاع (ساڑھے تین کلو) اور گیہوں میں نصف صاع (پونے دو کلو) ہے۔ اس کی قیمت بھی نکالی جاسکتی ہے۔ نصف صاع گیہوں کی قیمت چالیس روپے ہے۔ حسبِ استطاعت اس میں اضافہ کیا جاسکتا ہے۔

رمضانُ المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے کسی رات میں شبِ قدر ہوسکتی ہے۔ اس لیے ان میں عبادات (نوافل، تلاوتِ قرآن، اذکار اور دعا وغیرہ) کا اہتمام کیا جائے۔

رمضان المبارک کا آخری جمعہ (جمعۃ الوداع) دیگر جمعوں کے مثل ہے۔ اس کی کوئی خصوصی فضیلت نہیں ہے۔

موجودہ حالات میں گھروں میں اگر چار افراد ہوں، تو وہ باجماعت نمازِ جمعہ، یا نمازِ ظہر پڑھ سکتے ہیں، کوئی شخص تنہا ہو، تو وہ انفرادی طور پر ظہر پڑھ لے۔

موجودہ حالات میں عید الفطر کی نماز عیدگاہوں، جامع مساجد اور محلے کی مساجد میں (جتنے لوگوں کی اجازت ہو) ادا کی جائے۔

گھروں میں اگر چار افراد ہوں، تو وہ عید کی نماز دو رکعت زائد تکبیرات کے ساتھ باجماعت پڑھیں۔

نماز کے بعد خطبہ دیا جا سکتا ہے، لیکن ضروری نہیں۔ چار افراد نہ ہوں تو چار رکعت نفل تنہا پڑھ لی جائے۔

رمضان کے آخری دنوں میں خریداری کے لیے بازاروں میں بھیڑ لگانے سے حتی الامکان گریز کیا جائے۔

عید کے دن نئے یا پرانے صاف ستھرے کپڑے، جو بھی میسر ہوں، زیب تن کیے جائیں اور اللہ کا شکر ادا کیا جائے۔

عید کے دن گھومنے پھرنے اور ملاقات و مبارک باد کے لیے زیادہ اِدھر اُدھر جانے سے اجتناب کیا جائے۔ عید کی خوشیوں میں غریبوں اور ناداروں کا، خاص طور پر مسلم قیدیوں کا جیلوں میں اور ان کے پریشان حال گھر والوں کا خیال رکھا جائے۔

دعا کی جائے کہ اللہ تعالیٰ کورونا کی مہلک بیماری سے جلد از نجات دے اور معمول کی زندگی لوٹ آئے۔

شریعہ کونسل جماعتِ اسلامی ہند حکومت اور انتظامیہ سے مطالبہ کرتی ہے کہ چوتھے لاک ڈاؤن میں عبادت گاہوں کو پابندی سے مستثنیٰ کیا جائے اور ان میں سماجی فاصلہ برقرار رکھتے ہوئے معمول کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت دی جائے

(جاری کردہ: شعبہ میڈیا، جماعتِ اسلامی ہند)

مختلف تنظیموں کا فیصلہ

اس کے علاوہ ہندستان کی ''جمعیت علمائے ہند، جماعتِ اسلامی، جمعیت اہلِ حدیث، سمیت

تمام بڑی مسلم تنظیموں کی جانب سے“ اس سلسلہ میں اجتماعی اور متفقہ فیصلہ کیا گیا، جو ذرائع ابلاغ پر درجِ ذیل طریقہ پر شائع ہوا:

نئی دہلی، 27 مارچ (یواین آئی) جمعیت علمائے ہند، جماعتِ اسلامی، جمعیتِ اہلِ حدیث سمیت تمام بڑی مسلم تنظیموں کی جانب سے ملک بھر میں کورونا وائرس اور لاک ڈاؤن کے خطرات کے پیشِ نظر، نمازِ جمعہ سمیت ہر دن پڑھی جانے والی پانچ وقت کی نمازوں کو اپنے اپنے گھروں میں ادا کرنے کی اپیل کے بعد یہ پہلا جمعہ تھا جب اس کا ملا جلا اثر دیکھنے کو ملا۔

دارالحکومت کے سبھی علاقوں کی مسجدوں میں جمعہ کی اذان ہوئی اور مسجد کے امام اور موذن سمیت چار، چھ لوگوں نے نماز ادا کی۔

سبھی لوگوں نے اس پر سختی سے عمل کیا اور سب نے اپنے گھروں میں نماز پڑھی۔

(Posted at: Mar 27 2020 3:17PM،National)

ملاحظہ فرمایئے کہ ہندوستان کی تمام بڑی مسلم تنظیموں نے اتفاقِ رائے کے ساتھ کس طرح سے فیصلے کیے، جو ہمارے ملک کے جملہ طبقات کے لئے باعثِ عبرت، اور آئینہ نمائی کا ذریعہ ہیں۔

مولانا مفتی اطہر شمسی کیرانہ کا حوالہ

مولانا مفتی اطہر شمسی کیرانہ، ہندوستان کا درجِ ذیل بیان، ذرائع ابلاغ میں شائع ہوا:

کیرانہ 23 / مارچ (یو۔این۔آئی) القرآن اکیڈمی کے ڈائریکٹر مولانا مفتی اطہر شمسی صاحب نے ملت پر زور دیا ہے کہ وہ کورونا قہر کے پیشِ نظر، عین قرآنی تعلیم کی روشنی میں عافیت پسندانہ قدم اٹھاتے ہوئے، نمازیں اپنے گھروں پر ہی ادا کریں۔

انہوں نے کہا کہ قرآن کی سورۃ بقرہ آیت نمبر 185 میں کہا گیا ہے کہ اللہ تمہارے ساتھ مشکل نہیں چاہتا، وہ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اس آیت پر غور کریں اور نمازیں اپنے گھروں پر ہی ادا کریں۔

مولانا مفتی شمسی نے کہا کہ مساجد کو آباد رکھنے کی اس وقت بہتر صورت یہ ہوگی کہ امام اور مؤذن مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے رہیں، باقی لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھیں۔

اُنہوں نے مشکل پسندی کو ہی دین تصور کر لینے کی سوچ سے باہر نکلنے کی تلقین کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک خودساختہ تصور ہے، جس سے ملت کو فوری طور پر باہر نکلنا چاہئے اور دین کی اصل حقیقت کو سمجھنا چاہیے، جو فطرتِ آسانی پر مبنی ہے۔

مولانا مفتی اطہر شمسی نے واضح کیا کہ ایک بار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جذام کا ایک مریض بیعت کرنے کے لئے حاضر ہوا۔ آنحضور نے اس سے ہاتھ نہیں ملایا اور فاصلے سے ہی بیعت قبول کر لی۔ یہ کراہیت ہرگز نہیں، بلکہ احتیاط ہے، جو عین فطری ہے۔

مولانا مفتی شمسی نے کہا کہ ان تعلیمات سے واضح ہو گیا کہ لوگوں کو متعدی امراض سے بچاؤ کی تمام تدابیر اختیار کرنی چاہئیں اور احتیاطی تدابیر کو دین کے خلاف نہیں سمجھنا چاہیے (یو۔ این۔ آئی۔ سلام۔ Posted at: Mar 23 2020 Regional 7:15PM)

پروفیسر، محمد مشتاق تجاروی کا حوالہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ ملیہ، دہلی کے شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے اسسٹنٹ پروفیسر محمد مشتاق تجاروی

کا درجِ ذیل مضمون ذرائع ابلاغ میں شائع ہوا:

اس وقت کرۂ ارض کا پورا محیط مقفل ہے، اگرچہ اب کہیں ہلکی پھلکی چہل پہل شروع ہورہی ہے، لیکن ایک ایسا وقت گزرا ہے کہ 90 فیصد تک انسان کی ساری مصروفیات اس کے گھر تک محدود ہوگئیں تھیں اور یہ ناگزیر بھی تھا۔ اس لیے کہ کورونا وائرس کی یہ بیماری انسانوں کے کندھوں پر سفر کرتی ہے۔ بلکہ تمام وبائی امراض اسی طرح پھیلتے ہیں۔ ایک جلیلُ القدر صحابی حضرت عمرو بن عاص نے طاعون کے بارے میں کہا تھا کہ یہ آگ کی طرح ہے۔ یعنی وبائی امراض آگ کی طرح ہوتے ہیں۔ جب تک ان کو ایندھن ملتا رہے گا، وہ پھیلتے رہیں گے اور جب ان کو چاروں طرف سے اس طرح محدود کردیا جائے گا کہ دوسرے انسانوں تک اس کی رسائی نہ ہو، تو وہ وبا اپنی موت آپ مرجائے گی۔

کورونا وائرس کی اس وبا میں بھی اسی لیے لاک ڈاؤن کیا گیا کہ اس وائرس کی چین ٹوٹ جائے، اس لیے اسکول بند ہوئے، یونیورسٹیاں بند ہوئیں، جہاز بند ہوئے، بازار بند ہوئے، ٹرینیں رک گئیں اور سڑکیں ویران ہوگئیں، مسجدوں میں جماعت کی نماز محدود کردی گئی، مذہبی اور غیر مذہبی ہر طرح کی تقریبات پر پابندی عائد کردی گئی۔

عیدُ الفطر مسلمانوں کے دو عظیم تیوہاروں میں سے ایک ہے۔ چوں کہ یہ رمضانُ المبارک کے بعد آتا ہے، اس لیے اس کی خوشیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ لیکن اس وقت لاک ڈاؤن کے دور میں، بلکہ لاک ڈاؤن میں کہیں ڈھیل بھی ہو، تب بھی عید الفطر کو اس روایتی جوش کے ساتھ منانا کہیں کسی ناخوشگوار حادثہ کا پیش خیمہ نہ بن جائے، اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ ہم اس خوشی کے موقع کو پوری خوشی کے ساتھ منائیں، لیکن ہماری خوشیاں کسی غم کا موجب نہ بن جائیں، اس لیے

اپنے گھروں میں رہیں۔ عیدگاہ نہ جائیں اور نہ علاقے کی مساجد میں جائیں، بلکہ عیدالفطر کی نماز کے لیے مثالی احتیاط کا ماحول قائم کرکے اس کا ثبوت دیں کہ آپ زندہ اور باشعور لوگ ہیں اور وقت کے تقاضوں سے بے خبر نہیں ہیں۔

1: عیدالفطر کی نماز واجب ہے اور عیدالفطر کا خطبہ سنت ہے۔

عیدالفطر کے لیے جمعہ کی طرح یہ شرط ہے کہ امام کے علاوہ کم از کم تین مرد ہوں۔ تو جن گھروں میں چار مرد ہیں اور پہلے سے ایک ساتھ رہ رہے ہیں، ان کو اجازت ہے کہ وہ اپنے گھر میں عید کی نماز ادا کرلیں۔ اس کا طریقہ وہی ہوگا، جو عام طور پر عید کا ہوتا ہے۔ یعنی چھ زائد تکبیروں کے ساتھ ادا کریں۔ اگر خطبہ یاد ہو، یا دیکھ کر پڑھ سکتے ہوں، تو خطبہ پڑھ لیں۔ لیکن اگر خطبہ یاد نہ ہو، تو پہلے خطبے میں اللہ کی حمد وثنا، سورہ فاتحہ پڑھ لیں اور دوسرے میں درود شریف پڑھ لیں۔

2: اگر ایک گھر میں چار مرد نہ ہوں، تو انفرادی طور پر چاشت کی نماز پڑھیں۔ البتہ اس کے لیے پورا اہتمام کریں۔ نہا دھوکر صاف ستھرے کپڑے پہنیں، گھر میں خوشبو ہو، تو خوشبو لگائیں، اہتمام کے ساتھ دو دو رکعت کرکے چار رکعت نماز ادا کریں۔ یہ نماز عید کے قائم مقام ہوگی۔ اس میں چھ زائد تکبیریں کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ چوں کہ یہ نفل ہے، اس لیے ان کو انفرادی طور پر بھی پڑھا جاسکتا ہے اور جماعت بھی کی جاسکتی ہے۔ البتہ جماعت نفل نماز کی ہوگی، عید کے دوگانہ کی نہیں، چوں کہ اس کے لیے امام کے علاوہ کم از کم تین لوگوں کا ہونا ضروری ہے اور اس میں خطبہ بھی نہیں ہوگا۔

3: عید کے دن بھی ان تمام چیزوں کا اہتمام کریں، جن کا اہتمام ہم روزانہ کر رہے ہیں، جیسے کسی سے ملنے نہ جائیں، کوئی پڑوسی سامنے پڑجائے، تو فاصلے سے بات کریں، زبان سے مبارک باد دیں، لیکن ہاتھ نہ ملائیں۔ سوئیاں، شیر وغیرہ

اپنے گھر بنائیں اور خود ہی کھائیں، نہ کسی کے گھر جائیں اور نہ کسی کے گھر اپنے گھر سے کچھ بھیجیں، اور اگر کوئی بھیجے، تو محبت سے اس کو بھی سمجھا دیں۔

4: عید سے قبل جمعۃ الوداع بھی باقی ہے۔ لیکن جمعۃ الوداع کی اصل اہمیت یہی ہے کہ وہ جمعہ ہے اور رمضان المبارک کا جمعہ ہے۔ اس میں الگ سے کوئی اہتمام نہ کریں، بلکہ جیسے دوسرے جمعے ادا کیے جا رہے ہیں، جمعۃ الوداع کو بھی اسی طرح ادا کریں۔

اس وقت دنیا کی جو صورتِ حال ہے، وہ تو استثنائی ہے، ماضی میں ایسے حالات شاید کبھی نہیں آئے۔

لیکن فقہاء نے اپنی کتابوں میں مختلف طرح کی امکانی صورتوں پر بھی بحث کی ہے، ان کی روشنی میں آج کے ان مشکل مسائل کے لیے رہنمائی مل جاتی ہے۔

اس لیے اس موقع پر ان علماء وفقہاء کے لیے خاص طور پر دعا کریں، جنھوں نے ساری عمر دین وشریعت کی تفہیم اور اس کی اشاعت میں صرف کر دی۔

دوسرا کام یہ کریں کہ عید الفطر کا موقع بھی قبولیت دعا کا موقع ہے۔ اپنے لیے ساری امت کے لیے اور پوری دنیائے انسانیت کے لیے دعا کریں۔

اور اللہ سے دعا کریں کہ اللہ اس وبا سے ساری دنیا کو نجات عطا فرمائے۔

(اخبار، اردو، ۲۰ مئی ۲۰۲۰ء۔ لاک ڈاؤن میں عید الفطر کی نماز)

مذکورہ بالا بیانات سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ عوام کے دینی اقدار کی کس قدر رعایت کی گئی ہے، اور ہر قسم کی ٹھیس پہنچانے سے گریز کیا گیا ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی کا حوالہ

یہاں پہنچ کر حال ہی میں سوشل میڈیا پر وائرل ہونے والی حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی

صاحب زید مجدہٗ کی ایک آڈیو کال دستیاب ہوئی، جس میں، مولانا نبیل صاحب کو خطاب کرتے ہوئے مفتی صاحب موصوف نے فرمایا کہ:

’’جو مسجد میں پانچ آدمیں ہیں، اُن کی نمازِ عید تو ہو جائے گی۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک گھر میں عید کی نماز پڑھنا درست نہیں ہے۔

البتہ بعض دوسرے مذاہب میں گھر میں نمازِ عید پڑھنے کی گنجائش ہے۔

اگر کوئی نہ پڑھنے کے مقابلہ میں، دوسرے ائمہ کے قول پر عمل کرتے ہوئے گھر میں عید کی نماز پڑھ لے، تو بھی ٹھیک ہے، یعنی مطلب یہ ہے کہ ان شاء اللہ، امید ہے کہ کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

البتہ عید کا جو ایک مقصود ہے، یعنی اسلام کے شعائر میں سے ہونا، میرے خیال میں اس کے پیشِ نظر نمازِ عید کو گھروں میں پڑھنے کی رِیت ڈالنا درست نہیں ہے۔

اور جہاں گھروں میں، ہو رہی ہے، تو اُن کی نمازِ عید تو ہو ہی جائے گی۔

لیکن مجھے گھروں میں عید کی نماز پڑھنے کے بارے میں تردُّد ہے۔

لیکن بعض دوسرے ائمہ کا قول، چونکہ موجود ہے، اس لیے اگر کوئی کر لے، تو اس کو ملامت بھی نہیں کرنی چاہئے۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ‘‘

(صوت العلماء Eid ki Namaz ghar par parh sakty he? 23 May 2020)

(http://www.videomuzik.biz/video/Rahmatullah Ashrafi)

مذکورہ بالا بیان میں جو پانچ آدمیوں کی قید لگائی گئی ہے، وہ غالباً حکومتی اعلان اور سائل کے سوال کے مطابق ہے، ورنہ حنفیہ کے راجح قول کے مطابق امام سمیت چار افراد کا ہونا کافی ہے، جبکہ حنفیہ کا ایک قول امام سمیت تین افراد کے کافی ہونے کا بھی ہے، جس کے متعلق پہلے باحوالہ وضاحت گزر چکی ہے، اور آگے بھی آتی ہے۔

اور مذکورہ بیان میں حنفیہ کے نزدیک جو گھر میں نمازِ عید کے درست نہ ہونے، اور پھر اس پر

تردُّد کا اظہار فرمایا گیا ہے، اس کی کوئی واضح علت ذکر نہیں کی گئی۔

اس پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر مسجد میں چند افراد کے ساتھ حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز درست ہوسکتی ہے، تو اتنے ہی افراد کے ساتھ حنفیہ کے نزدیک گھروں میں نمازِ عید کے درست ہونے میں کیا شبہ اور ان میں ما بہ الفرق کیا ہے؟

مسجد اور غیر مسجد، اور عمارت وغیر عمارت میں جب فقہائے کرام نے کوئی فرق نہیں کیا، تو اس فرق کی وجہ بیان کرنے کی ضرورت ہے؟

اگر اس کی وجہ گھروں میں نمازِ عید پڑھ لینے کی رِیت اور رواج پڑ جانے کا خدشہ ہو، جس کا مذکورہ بالا بیان میں ذکر بھی ہے، تو یہ ایک مجبوری والی اور عارضی صورت ہے، اسی لیے، جن فقہائے کرام کے نزدیک صراحت کے ساتھ گھروں میں عید کی نماز کو جائز قرار دیا گیا، اور اُن کا مذکورہ بالا بیان میں بھی ذکر ہے، ان فقہاء نے مجتہدِ مطلق ہونے کے باوجود، اس خدشہ کا اعتبار نہیں فرمایا، اور نہ ہی ان کے مسلک پر چلنے والوں نے عام حالات میں اس کو رواج دیا، اسی لیے ان کے علماء وحکمرانوں نے موجودہ مخصوص صورتِ حال میں عوام کو گھروں میں پڑھنے کی بار بار تلقین وتبلیغ کی۔

دوسرے کسی خدشہ کی وجہ سے نمازِ عید کے درست نہ ہونے کا حکم لگانا، محلِ نظر ہے، بالخصوص جبکہ متعدد روایات وآثار سے بھی گھروں میں نمازِ عید کے جواز کا ثبوت ہوتا ہو۔

اور اگر اس فرق کی وجہ عندالحنفیہ اِذنِ عام وغیرہ کا نہ ہونا ہو، تو اس پر حنفیہ کی طرف سے مفصَّل کلام گزر چکا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستان وغیرہ میں بسنے والے متعدد حنفی علماء واصحابِ افتاء اور اہلُ الرائے حضرات نے گھروں میں نمازِ عید کے جواز کا واضح حکم بیان کیا ہے، اور بہت سے حضرات نے اس کی وجوہات کا بھی ذکر کیا ہے۔

اس لیے مندرجہ بالا بیان میں جہاں مذکورہ بالا خدشہ محلِ نظر ہے، اسی طرح حنفیہ کے نزدیک گھروں میں نمازِ عید کے نادرست ہونے کا حکم لگانا بھی محلِ نظر ہے۔

تاہم مذکورہ بالا بیان میں تشدُّد کے موجودہ ماحول میں یہ توسُّع بہت اہمیت کا حامل ہے کہ دوسرے فقہائے کرام کے قول پر عمل کرنے والوں کی نماز کو درست قرار دیا گیا ہے، اور ان پر ملامت سے منع کیا گیا ہے۔

فجزاهم الله تعالیٰ خیر الجزاء۔

اور ہم نے گھروں میں نمازِ عید کے درست ہونے اور قابلِ ملامت نہ ہونے کی باحوالہ توضیح وتشریح بھی ذکر کر دی ہے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

مذکورہ بالا تحریرات، عبارات، بیانات اور فتاویٰ جات سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دنیا بھر کے، متعدد مقتدر، سنجیدہ طبقات نے اس سلسلہ میں کس قدر، حکمت وبصیرت پر مشتمل، بروقت، انفرادی واجتماعی فیصلے کیے۔

لیکن ہمارے یہاں لاک ڈاؤن کا عرصہ اور ماہِ رمضان کا پورا مبارک مہینہ اسی کش مکش میں گزر گیا، نہ اَصحابِ علم میں کوئی اتفاق ہوسکا، نہ عوام کا اضطراب اور تشویش ختم ہوسکی۔ [1]

---

[1] چنانچہ اَواخرِ مارچ میں بی بی سی، اُردو میں یہ خبر شائع ہوئی کہ:

پاکستان میں نمازِ جمعہ اور باجماعت نمازوں کے اجتماعات محدود رکھنے کی حکومتی ہدایات کے ردِعمل میں لوگ اپنی رائے کا اظہار کر رہے ہیں کہ آیا کورونا وائرس سے بچاؤ کے لیے کیے جانے والے یہ حفاظتی اقدامات درست ہیں یا نہیں۔

اس حوالے سے سوشل میڈیا پر جمعہ مبارک (Jummah Mubarak) مساجد (Mosques) اور جمعہ (Juma) جیسے الفاظ ٹرینڈ کر رہے ہیں۔

مساجد پر پابندی نامنظور کے نام سے ایک ٹرینڈ ایسا بھی ہے، جس میں لوگ اس ہدایت کی مخالفت کر رہے ہیں۔

دوسری طرف پرے فرام ہوم (Pray from home) یعنی گھر میں نماز پڑھیں بھی ٹرینڈ کر رہا ہے، جس میں لوگوں سے مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی رہائش گاہوں میں قیام کرتے ہوئے نماز ادا کریں اور مساجد میں جانے سے گریز کریں، کیونکہ اس سے کووڈ 19 کے پھیلاؤ کا خدشہ ہے۔

بعض لوگوں کا کہنا تھا کہ حکومتی ہدایات کے باوجود مساجد میں بڑی تعداد میں لوگ نمازِ جمعہ کی ادائیگی کے لیے موجود تھے (بی۔بی۔سی۔اردو۔۲۷، مارچ ۲۰۲۰ء)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

ہمارے یہاں اب تک پورے لاک ڈاؤن کے عرصہ، بلکہ ماہِ رمضان کے مبارک مہینے میں ذرائع ابلاغ اور سوشل وغیر سوشل میڈیا پر، کیا کچھ ہوتا رہا، کتنے مسلمان زخمی ہوئے، کتنے علماء اور عوام پر کیس بنے، پکڑ دھکڑ، گرفتاریاں، پتھراؤ، گھیراؤ، ایک دوسرے کے خلاف بدکلامی، بدزبانی، طعن و تشنیع، سبّ وشتم، غیبت، جھوٹ، بہتان، الزام تراشی، اور باہم مسلمانوں کے مابین کیا کچھ نہیں ہوا۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

اور جب ملکِ پاکستان میں حکومت اور مختلف مکاتبِ فکر کے علمائے کرام کے مابین SOP، کے تحت، مساجد میں نمازیں ادا کرنے کا معاہدہ طے پا گیا تھا، تو اس کے بعد ڈی ڈبلیو اکیڈمی، کی یہ خبر شائع ہوئی کہ:

رمضان کے پہلے دو ہفتوں کے دوران حکومت اور علماء کے بیس نکاتی ہدایات کو مساجد میں بڑے پیمانے پر نظرانداز کر دیا گیا ہے۔ ایک تازہ سروے میں مساجد کے امام اور نمازیوں کی اکثریت نے کہا ہے کہ وہ حفاظتی ایس او پیز کے بارے میں جانتے ہیں، تاہم پچاسی فیصد نمازیوں اور چونسٹھ فیصد آئمہ نے مانا کہ ان پر کوئی خاص عمل نہیں ہوا۔

یہ سروے اسلام آباد سمیت پنجاب اور سندھ کے سولہ شہروں میں غیر سرکاری تنظیم "پتن" نے انتیس اپریل سے سات مئی کے دوران کرایا۔ سروے میں شامل سندھ کی نوے فیصد مساجد میں بیس نکاتی قواعد وضوابط کی خلاف ورزی نوٹ کی گئی۔

تنظیم کا کہنا ہے کہ سروے کے ذریعے حفاظتی اقدامات کے حوالے سے لوگوں کے رویوں کا اندازہ لگانا اور یہ دیکھنا تھا کہ اس سے کیا سبق سیکھا جا سکتا ہے۔

سروے میں شاید سب سے تشویش ناک بات یہ سامنے آئی کہ چوہتر فیصد نمازیوں نے کہا کہ ان سب باتوں کے باوجود وہ گھر پر عبادت کرنے کی بجائے مسجد میں باجماعت نماز اور تراویح کو ترجیح دیتے ہیں، کیونکہ ان کے بقول، ''زندگی اور موت تو خدا کے ہاتھ میں ہے''، آئمہ میں صرف سینتالیس فیصد نے ایک مہلک وبا کے دوران اس طرح کے رویے کی حمایت کی۔

سروے میں شامل ایک تہائی نمازیوں نے کہا کہ ایس او پیز پر عملدرآمد میں کوتاہی کے ذمہ دار امام اور مساجد کمیٹیاں ہیں۔ ساٹھ فیصد نمازیوں نے بتایا کہ مساجد کے آئمہ کی طرف سے لوگوں کو حفاظتی ہدایات کے حوالے سے کوئی خاص تلقین نہیں کی جاتی، لیکن جب آئمہ سے اس بارے میں پوچھا گیا تو سبھی نے کہا کہ وہ اپنی پوری کوشش کرتے ہیں۔ اڑتالیس فیصد نمازیوں نے عملدرآمد میں ناکامی پر پولیس کو مورد الزام ٹھہرایا۔

پتن کے مطابق اس سروے میں پچانوے مساجد کے ایک سو بتیس آئمہ اور مساجد کمیٹیوں نے حصہ لیا، جبکہ تیئیس مساجد کے آئمہ نے اس میں حصہ لینے سے انکار کیا۔

(DW.COM IN 30 LANGUAGES.11.05.2020)

ان مناظر کا تماشہ، سب نے دیکھا، کیا دنیا کے کسی دوسرے ملک میں، مسلمانوں کے مابین اس طرح کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں۔

عوام تو **کالانعام**، ہوتے ہیں، لیکن اس قسم کے حالات میں سنجیدہ، مقتداؤں کی طرف سے وسیع تر فقہی اقوال کی روشنی میں عوام کی رہنمائی اپنی جگہ ایک اہم دینی فریضہ ہے، جس پر سنجیدہ، علمی و تحقیقی کلام کی ضرورت ہے، جس سے عوام کی ذہن سازی میں مدد حاصل ہو۔

اور بندہ اس موضوع پر کئی مفصَّل اور مسلسل مضامین، اصحابِ علم کی خدمت میں پیش کر چکا ہے، جن کو شاید تا حال بہت سے اصحابِ علم کو ملاحظہ فرمانے کی نوبت بھی نہ آسکی ہو، اور نہ ہی شاید آئندہ ان بحرِ ذخار کی طرف سے کسی دریا، بلکہ برساتی نالہ و پرنالہ کی کوئی خاطر خواہ ضرورت محسوس کی جائے۔

مگر ان حالات میں بندہ کی سابقہ شکایت وحکایت، اور آئینہ نمائی، اپنی جگہ پھر بھی برقرار ہے، جو اہلِ نظر و فکر کو، بنظرِ انصاف واعتدال، تفکر و تدبر کی دعوت ضرور دیتی ہے، وہ الگ بات ہے کہ نقار خانہ میں طوطی کی آواز، زیادہ اہمیت نہ رکھے، لیکن تشنہ طلب کے لیے کسی درجہ میں اگر پیاس بجھانے کے کام نہ آئے، تو کم از کم خشک لبوں کو تری فراہم کرنے کا کام تو پھر بھی دے سکتی ہے۔ **واللہ الموفق**۔

خلاصۃُ الکلام وحاصلُ المرام

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک عید کی نماز سنتِ مؤکدہ ہے، اور جو شخص کسی عذر یا بلا عذر جماعت کے ساتھ اس کو ادا نہ کرسکے، تو وہ نمازِ تراویح کی طرح بغیر جماعت کے بھی اپنے مقام پر رہتے ہوئے پڑھ سکتا ہے، خواہ مرد ہو، یا عورت، اور شہری ہو، یا دیہاتی۔

اور حنابلہ کے نزدیک عید کی نماز فرضِ کفایہ ہے، اگر شہر میں معتدبہ لوگ اس فرضِ کفایہ کو ادا کرلیں، تو باقی لوگوں کے لئے عید کی نماز ترک کردینے میں گناہ لازم نہیں آتا، اور اگر کوئی جماعت کے ساتھ، یا بغیر جماعت کے عید کی نماز پڑھنا چاہے، تو وہ بھی جائز ہوتا ہے، خواہ وہ مرد ہو یا عورت، اور شہری ہو، یا دیہاتی۔

اور حنفیہ کے نزدیک نمازِ عید کے واجب اور سنت ہونے میں اختلاف ہے، حنفیہ کا ایک قول نمازِ عید کے سنت ہونے کا ہے، لیکن بہت سے مشائخِ حنفیہ نے نمازِ عید کے واجب ہونے اور اس کے لیے جمعہ کی شرائط لازم ہونے کے قول کو راجح قرار دیا ہے، اور عام کتبِ حنفیہ میں، اسی کے مطابق حکم مذکور ہے۔

پھر اکثر فقہائے کرام، یعنی مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک اذنِ حاکم، اذنِ عام، اور مخصوص تعداد، اور مخصوص مقام، مثلاً عیدگاہ، یا مسجد، یا شہر کی قید وشرط کے بغیر عید کی نماز درست ہوجاتی ہے، البتہ خطبہ وغیرہ جیسی چیزوں میں جزوی اختلاف ہے، جو اصل مقصود میں مخل ومضر، اور رکاوٹ نہیں، عید کا خطبہ ویسے بھی سنت ہے، جس پر نمازِ عید کا وجود موقوف نہیں، اور عیدین کی زائد تکبیرات کے سنت اور واجب ہونے میں بھی اختلاف ہے، حنفیہ کے علاوہ دیگر فقہائے کرام ان تکبیرِ زوائد کو سنت ومستحب قرار دیتے ہیں، اور اگر کوئی ان تکبیرات کو عمداً یا سہواً ترک کردے، تو سجدہ سہو وغیرہ کے بغیر درست قرار دیتے ہیں۔

اور جہری قرائت بھی دیگر فقہائے کرام کے نزدیک سنت یا مستحب ہے۔ [1]

اور حنفیہ کے نزدیک اذنِ حاکم، اذنِ عام، اور مخصوص تعداد، کی شرکت شرط ہے، مخصوص مقام، مثلاً عیدگاہ، یا مسجد، ان کے نزدیک بھی شرط نہیں، بلکہ کسی دوسری جگہ بھی باجماعت ادا کرنا جائز ہے، خواہ وہ جگہ کوئی گھر ہو، یا دفتر ہو، الا ان یکون غیر المصر. [2]

لیکن اگر حاکم کی طرف سے لوگوں کو اپنے طور پر امام مقرر کر کے نمازِ عید کی ممانعت نہ ہو، جیسا کہ آجکل ہمارے یہاں اسی طرح کی صورتِ حال ہے، یا کسی جگہ حکمران غیر مسلم ہو،

---

[1] وهذه التكبيرات الزائدة قد خالف في وجوبها المالكية والشافعية والحنابلة، ثم اختلفوا في عدد هذه التكبيرات ومكانها.

فالشافعية قالوا :هي سبع في الركعة الأولى بين تكبيرة الإحرام وبدء القراء ة، وخمس في الركعة الثانية بين تكبيرة القيام وبدء القراء ة أيضا.

وذهب المالكية والحنابلة إلى أنها ست تكبيرات في الركعة الأولى عقب تكبيرة الإحرام، وخمس في الثانية عقب القيام إلى الركعة الثانية أي قبل القراء ة في الركعتين .

والجهر بالقراء ة واجب عند الحنفية فقط .واتفق الجميع على مشروعيته (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲۷، ص ۲۴۶، مادة"صلاة العيدين")

[2] (باب صلاة العيدين) لا خفاء في وجه المناسبة بين صلاة العيد والجمعة، ولما اشتركت صلاة العيد والجمعة في الشروط حتى الإذن العام إلا الخطبة لم تجب صلاة العيد إلا على من تجب عليه الجمعة(فتح القدير،لابن الهمام، ج۲، ص ۷۰، باب صلاة العيدين)

ويشترط للعيد ما يشترط للجمعة من المصر والسلطان والأذان العام إلا في شيئين أحدهما في الخطبة والخطبة في صلاة العيد تخالف الخطبة في الجمعة من وجهين أحدهما أن الجمعة لا تجوز بدون الخطبة وصلاة العيد تجوز بدونها والثاني أن في الجمعة تقدم الخطبة على الصلاة وفي العيدين تؤخر عن الصلاة فإن قدم الخطبة في صلاة العيد جاز أيضاً ولا تعاد الخطبة بعد الصلاة ويخطب في صلاة العيد خطبتين كما هو المعتاد ويجلس بينهما جلسة خفيفة ويكبر في الخطبة في العيدين وليس ذلك عدد في ظاهر الرواية لكن ينبغي أن لا يكون أكثر الخطبة التكبير ويكبر في عيد الأضحى أكثر مما يكبر في خطبة عيد الفطر(فتاوى قاضي خان، ج ۱، ص ۱۴۲، باب صلاة العيدين وتكبيرات أيام التشريق)

(على من تجب عليه الجمعة بشرائطها) المتقدمة حتى الإذن العام (سوى الخطبة) فإنها سنة وليست بشرط، لأنها تؤدى بعد الصلاة وشرط الشيء يسبقه أو يقارنه وتأخيرها إلى ما بعد صلاة العيد سنة كذا في (الظهيرية(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ۱، ص ۳۶۶، باب صلاة العيدين)

(وشرط لها) أي لصلاة العيد (شروط الجمعة وجوبا وأداء) حتى الإذن العام (إلا الخطبة) فإنها شرط لأداء الجمعة دون العيدين (شرح النقاية، للقاري، ج۲، ص ۶)

جیسا کہ ہندوستان اور بعض دوسرے غیر مسلم ممالک میں صورتِ حال ہے، تو ایسی صورت میں لوگوں کو اپنے اپنے طور پر امام مقرر کر کے نمازِ عید کا باجماعت ادا کرنا جائز ہوتا ہے۔

جہاں تک اِذنِ عام کا تعلق ہے، تو اگر شہر میں ایک سے زیادہ مقامات پر نمازِ عید کی حاکم کی طرف سے ممانعت نہ ہو، اور متعدد مقامات پر نمازِ عید جاری ہو، جیسا کہ آج کل عموماً شہروں میں ایسا ہی ہے، تو حنفیہ کے نزدیک اِذنِ عام ضروری نہیں رہتا، اور گھروں وغیرہ میں نمازِ عید کا پڑھنا، دروازے وغیرہ بند کر کے بھی جائز ہوتا ہے، اور اگر پھر بھی کسی کی طرف سے اِذنِ عام کو ضروری قرار دینے پر اصرار کیا جائے، تو گھروں وغیرہ کا دروازہ کھول دینے اور دوسروں کو داخل ہونے سے منع نہ کرنے کی صورت میں وہ شرط بھی پوری ہو جاتی ہے، جس پر گھروں وغیرہ میں بآسانی عمل کر کے عید کی نماز باجماعت اداء کی جاسکتی ہے۔

جس کی باحوالہ دلائل کے ساتھ تفصیل بندہ نے جمعہ سے متعلق اپنے بعض دیگر مضامین ورسائل میں بیان کردی ہے۔

اور جہاں تک حنفیہ کے نزدیک نمازِ عید باجماعت کے لئے مخصوص افراد کی تعداد کا تعلق ہے، تو حنفیہ کے نزدیک نمازِ عید لئے نمازِ جمعہ کی طرح مشہور، اور راجح قول کے مطابق امام سمیت کم از کم چار افراد کا ہونا ضروری ہے۔ [1]

---

[1] والأحكام التى سبقت بالنسبة للعدد الذى تنعقد به الجماعة إنما هو فى غير الجمعة والعيد؛ إذ فيهما يختلف العدد -ولكل مذهب رأيه فى تحديد العدد، حسبما يستند إليه من أدلة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧،ص ١٧٠،مادة"صلاة الجماعة")

أما بيان شرائط وجوبها فكل ما هو شرط وجوب الجمعة فهو شرط وجوب صلاة العيدين من الإمام والمصر والجماعة إلا الخطبة فإنها سنة بعد الصلاة بإجماع الصحابة.

وشرط الشىء يكون سابقا عليه أو مقارنا له (تحفة الفقهاء للسمرقندى، ج ١، ص ١٦٦، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

ومن شرائطها :الجماعة وأقلهم عند أبى حنيفة ثلاثة سوى الإمام وقال أبو يوسف ومحمد :اثنان سوى الإمام(المختصر القدورى ، ص ٣٩، ٤٠، كتاب الصلاة، باب صلاة الجمعة)

قوله واشتراط الجماعة لها :أى لصلاة الجمعة وفيه أن الجماعة كما هى شرط لها شرط لصلاة العيدين .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد امام ابو یوسف اور بعض حضرات کے بقول امام محمد کی ایک روایت کے مطابق امام سمیت تین افراد کا ہونا، یعنی امام کے علاوہ مزید صرف دو افراد کا ہونا بھی کافی ہے۔

اگرچہ اس قول کو مشائخِ حنفیہ نے عام حالات کے مطابق مرجوح قرار دیا ہے، لیکن لاک ڈاؤن اور کرفیو وغیرہ جیسی ضرورت و مجبوری میں جب تین سے زیادہ افراد موجود نہ ہوں، بطورِ خاص نمازِ عید میں اس قول پر بھی عمل کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، کیونکہ نمازِ عید، جمعہ کی طرح فرض نہیں، اور اس کو اداء کرنے کے نتیجہ میں جمعہ کی طرح کسی فریضہ کو ضائع کرنے کا خدشہ بھی لازم نہیں آتا، اور تداعی کی بناء پر جماعت فی التطوع کی بھی کراہت لازم نہیں آتی، کماسیجئ۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قوله وكونها : بالجر عطف على الجماعة أى واشتراط كون الجماعة ثلاثة سوى الإمام وفيه أن كونها ثلاثة سوى الإمام ليس شرطا خاصا بالجمعة بل كذلك صلاة العيدين .

قوله والخطبة :أى اشتراط الخطبة لها بخلاف صلاة العيدين فإن الخطبة ليست شرطا لها ولو اقتصر على اشتراط الخطبة لها لكان صوابا وقد يقال المختص بها اشتراط المجموع لا كل واحد (غمز عيون البصائر شرح كتاب الأشباه والنظائر، ج۴،ص ۶۶،القول فى أحكام يوم الجمعة)

(قوله وأقلها اثنان) لحديث اثنان فما فوقهما جماعة أخرجه السيوطى فى الجامع الصغير، ورمز لضعفه .قال فى البحر :لأنها مأخوذة من الاجتماع، وهما أقل ما تتحقق به، وهذا فى غير جمعة اهـ أى فإن أقلها فيها ثلاثة صالحون للإمامة سوى الإمام، مثلها العيد لقولهم :يشترط لها ما يشترط للجمعة صحة وأداء سوى الخطبة فافهم(رد المحتار على الدر المختار، ج ۱، ص ۵۵۳، كتاب الصلاة، باب الإمامة)

لان الجمع يطلق اقلا على الثلاث. واشتراط الجماعة لها وكونها ثلاثة سوى الإمام (ردالمحتار، ج۲ص ۱۶۵، كتاب الصلاة، باب صلاة العيدين)

تثنية عيد، وأصله عود قلبت الواو ياء لسكونها بعد كسرة اهـ ح .وفى الجوهرة مناسبته للجمعة ظاهرة وهو أنهما يؤديان بجمع عظيم ويجهر فيهما بالقراءة ويشترط لأحدهما ما يشترط للآخر سوى الخطبة، وتجب على من تجب عليه الجمعة، وقدمت الجمعة للفرضية وكثرة وقوعها. اهـ(رد المحتار على الدر المختار، ج ۲،ص ۱۶۵، كتاب الصلاة،باب العيدين)

[1] قال أبو جعفر :ولا تقوم الجمعة إلا بثلاثة سوى الإمام، وقال أبو يوسف بأخرة :اثنان سوى الإمام(شرح مختصر الطحاوى، ج ۲، ص ۱۲۶،باب صلاة الجمعة،مسألة :العدد الذى تنعقد به الجمعة)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور بعض مشائخِ حنفیہ کے بقول عیدین کی نماز کے لئے دوسری عام فرض نمازوں کی طرح

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومن شرائطها :الجماعة وأقلهم عند أبي حنيفة ثلاثة سوى الإمام وقال أبو يوسف ومحمد :اثنان سوى الإمام(المختصر للقدورى،ص ۱۸،باب صلاة الجمعة)

(قال) والجماعة من شرائطها لظاهر قوله تعالى (فاسعوا إلى ذكر الله) ولأنها سميت جمعة وفى هذا الاسم ما يدل على اعتبار الجماعة فيها .ويختلفون فى مقدار العدد فقال أبو حنيفة -رضى الله عنه - ثلاثة نفر سوى الإمام وقال أبو يوسف -رضى الله عنه -اثنان سوى الإمام لأن المثنى فى حكم الجماعة حتى يتقدم الإمام عليهما وفى الجماعة معنى الاجتماع وذلك يتحقق بالمثنى(المبسوط،لشمس الأئمة السرخسى،ج۲،ص۲۴،شروط الجمعة)

ثم إن العلماء رحمهم الله اختلفوا فيما بينهم فى تقدير الجماعة، قال أبو حنيفة ومحمد رحمهما الله :يتم بثلاثة نفر سوى الإمام، وعن أبى يوسف رحمه الله :فى غير رواية الأصول اثنان سوى الإمام.....وأبو يوسف رحمه الله يقول :للمثنى حكم الجماعة حقيقة وحكما، أما حقيقة، فلأن الجماعة مشتقة من الاجتماع وذلك يتحقق بالمثنى وأما حكما، فلأن الجماعة الإمام يتقدم عليهما، وذلك من أحكام الجماعة وربما كان يقول إذا كان سوى الإمام إثنان يكون مع الإمام ثلاثة، والثلاث جمع متفق عليه(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى،ج۲،ص۷۱،الفصل الخامس والعشرون فى صلاة الجمعة)

قال :(ولا بد من الجماعة) لأنها مشتقة منها، ولا خلاف فى ذلك .واختلفوا فى كميتها.

قال أبو حنيفة :لا بد من ثلاثة سوى الإمام، وأن يكون الإمام والثلاثة ممن يجوز الاقتداء بهم فى غير الجمعة .وقال أبو يوسف ومحمد :اثنان سوى الإمام، والأصح أن محمدا مع أبى حنيفة .لأبى يوسف أن الاثنين جماعة لأنه مشتق من الاجتماع وقد وجد .ولهما أن الجمع الصحيح ثلاثة وما دونها مختلف فيه، والجماعة شرط بالإجماع فلا يتأدى بالمختلف(الاختيار لتعليل المختار،ج۱،ص۸۳ا،باب صلاة الجمعة)

(قوله والجماعة وهم ثلاثة) أى شرط صحتها أن يصلى مع الإمام ثلاثة فأكثر لإجماع العلماء على أنه لا بد فيها من الجماعة كما فى البدائع، وإنما اختلفوا فى مقدارها فما ذكره المصنف قول أبى حنيفة ومحمد وقال أبو يوسف اثنان سوى الإمام؛ لأنهما مع الإمام ثلاثة، وهى جمع مطلق؛ ولهذا يتقدمهما الإمام ويصطفان خلفه، ولهما أن الجمع المطلق شرط انعقاد الجمعة فى حق كل واحد منهم وشرط جواز صلاة كل واحد منهم ينبغى أن يكون سواه فيحصل هذا الشرط ثم يصلى، ولا يحصل هذا الشرط إلا إذا كان سوى الإمام ثلاثة إذ لو كان مع الإمام اثنان لم يوجد فى حق كل واحد منهم الشرط بخلاف سائر الصلوات؛ لأن الجماعة فيها ليست بشرط كذا فى البدائع(البحر الرائق شرح كنز الدقائق،ج۲،ص۱۶۲،باب صلاة الجمعة)

(قوله؛ لأن فى المثنى معنى الاجتماع إلخ) قال شمس الأئمة السرخسى -رحمه الله -فى أصوله ظن من أصحابنا أن أقل الجمع على قول أبى يوسف اثنان على قياس قوله فى هذه المسألة وقدره

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

دوافراد کا ہونا بھی کافی ہے، لیکن بعض اہلِ علم حضرات کے توجہ دلانے سے یہ قول تسامح پرمبنی معلوم ہوا۔ ل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

بالوصايا والمواريث وليس كذلك فإن عنده أقل الجمع الصحيح ثلاثة حتى لو قال لفلان على دراهم تلزمه ثلاثة دراهم، ولو قالت خالعنى على ما فى يدى من دراهم، وفى يدها درهم أو درهمان أو لم يكن فى يدها شىء يلزمها ثلاثة دراهم، ولو حلف لا يتزوج نساء ولا يشترى عبيدا أو لا يكلم رجالا لم يحنث إلا بالثلاثة ونص محمد فى السير الكبير على أن أدنى الجمع ثلاثة وجعل أبو يوسف الإمام من جملة الجماعة كما فى سائر الصلوات حتى يتقدم الإمام عليهما كالثلاثة .اهـ. شرح المجمع لأبى البقاء (قوله ومع المنادى ثلاثة)، وكذا مع الذاكر يصيرون أربعة .اهـ.(حاشية الشِّلْبِيِّ،على تبيين الحقائق، ج ا ،ص ا ۲۲،باب صلاة الجمعة)

(وقالا) ش :أى أبو يوسف ومحمد .م :(اثنان سواه) ش :أى سوى الإمام، وبه قال أبو ثور وأحمد فى رواية والثورى فى رواية، وهو قول الحسن البصرى(البناية شرح الهداية، ج۳،ص ۶۴،باب صلاة الجمعة)

(قال) ش :أى المصنف -رحمه الله .-م :(والأصح أن هذا قول أبى يوسف وحده -رحمه الله -) ش :أى الأصح أن كون الاثنين سوى الإمام شرطا لانعقاد الجمعة، هو قول أبى يوسف وحده -رحمه الله -ومحمد مع أبى حنيفة -رحمهما الله-، والمذكور فى عامة نسخ "المختصر "أن محمدا مع أبى يوسف، واحترز المصنف بقوله والأصح أن هذا .م :(له) ش :لأبى يوسف .م :(أن فى المثنى معنى الاجتماع) ش :لأن فيه اجتماع واحد مع آخر .م :(وهى) ش :أى الجمعة .م: (منبئة) ش :أى مخبرة .م :(عنه) ش :أى عن الاجتماع لما ذكر أن الجمعة مشتقة من الجماعة وفى الجماعة اجتماع لا محالة.

م :(ولهما) ش :أى لأبى حنيفة ومحمد -رحمهما الله .-م :(أن الجمع الصحيح) ش :يعنى لغة ومعنى .م :(إنما هو الثلاث) ش :ولهذا يقال رجال ثلاثة، ولا يقال رجال اثنان .م :(لأنه) ش :أى لأن الثلاث .م :(جمعة تسمية) ش :أى من حيث التسمية فى اللغة .م :(ومعنى) ش :أى ومن حيث المعنى أيضا، ولهذا صح تقسيم أهل الصنعة بين المفرد والمثنى والمجموع ونفى الجمع عن التثنية فى قول القائل، هذا مثنى وليس بمجموع(البناية شرح الهداية، ج۳،ص ٦٦،باب صلاة الجمعة)

ل حنفیہ کے یہاں بنیادی طور پر یہ قول نمازِ جمعہ یا نمازِ عید کے بجائے تکبیرِ تشریق کے متعلق تھا، کیونکہ تکبیرِ تشریق واجب ہونے کے لئے بھی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جمعہ وعید سے متعلق مشہور روایت ”لاجمعة ولاتشريق الخ“ مستدل ہے، جیسا کہ گزرا۔

اور ابتداءً اس قول کو بعض حضرات نے تکبیرِ تشریق کے مسئلہ کے ضمن میں ہی بیان فرمایا تھا، بعد کے بعض ناقلین نے، تسامح کی وجہ سے اس کو نمازِ عید کے مسئلہ میں نقل کر دیا، بندہ نے بھی پہلے بعض اہلِ فتاویٰ کی اتباع میں اس کو نقل کر دیا تھا، اب بندہ اس سے رجوع کرتا ہے۔ ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر بالفرض حنفیہ کے نزدیک نمازِ عید کی کسی شرط، مثلاً اِذنِ عام، یا اِذنِ حاکم، یا مخصوص تعداد کی شرط مفقود ہونے کی وجہ سے باجماعت نماز کو، عید کی نماز کے زمرے میں داخل نہ ماننا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

تاہم حنفیہ کے علاوہ دیگر جمہور فقہائے کرام کے قول کے مطابق پھر بھی نمازِ عید کے باجماعت درست ہونے کے لئے دو افراد کا ہونا کافی ہے، خواہ دوسرا فرد عورت ہو، یا سمجھدار لڑکا یا لڑکی ہو۔

اور حنفیہ کے نزدیک اگر کسی کو دو سے زیادہ افراد کے ساتھ نمازِ عید کی قدرت نہ ہو، اور پھر بھی دو افراد مل کر باجماعت نمازِ عید پڑھ لیں، تو اس میں کوئی گناہ لازم نہیں آئے گا، کیونکہ یہ زیادہ سے زیادہ عام تطوع کی جماعت کہلائے گی، اور اس میں افراد اور مواظبت کے اعتبار سے تداعی کی خاص صورت نہیں پائی جائے گی، جیسا کہ آگے آتا ہے۔ محمد رضوان خان

وفى (جامع قاضى خان :(وإذا ثبت اختصاص التكبير بالمصر علم أنه من الشعائر بمنزلة الخطبة فيشترط له ما يشترط للجمعة، إلا ما سقط اعتباره من السلطان والحرية فى الأصح والخطبة كذا فى (المعراج)، وعليه جرى الشارح قال فى (البحر :(وليس بصحيح إذ ليس الوقت والإذن العام من شروطه.

وأقول :بل هو الصحيح؛ إذ من شرائطه الوقت أعنى أيام التشريق حتى لو فاتته الصلاة فى أيامه فقضاها فى غير أيامه أو فى أيامه من القابل لا يكبر بخلاف ما إذا قضاها فى أيامه من تلك السنة حيث يكبر لأنه لم يفت عن وقته من كل وجه.

وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر فى الظاهر .نعم بقى أن يقال :من شرائطها الجماعة التى هى جمع والواحد هنا مع الإمام جماعة، فكيف يصح أن يقال :إن شروطه الجمعة(النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج ١، ص ٣٧٣،باب صلاة العيدين)

كما فى النهروفيه ان من شرائطها الجماعة التى هى جمع والواحد هنا مع الإمام جماعة، فكيف يصح أن يقال: بشرائطها(حاشية الطحطاوى على الدر، ج ١، ص ٣٥١، كتاب الصلاة،باب العيدين)

قوله" :وشرائط الصحة "ظاهره أنه لا بد من الجماعة المذكورة فى الجمعة على خلاف فيها وليس كذلك فإن الواحد هنا مع الإمام جماعة فيكف يصح أن يقال بشرائطها(حاشية الطحطاوى على مراقى الفلاح،ص ٥٢٨، كتاب الصلاة،باب الجمعة)

وذكر الشارح أن الحاصل أن شروطه شروط الجمعة غير الخطبة والسلطان والحرية فى رواية، وهو الأصح اهـ.

وليس بصحيح إذ ليس الوقت والإذن العام من شروطه وهذا كله عند أبى حنيفة(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ٢، ص ١٧٩،باب العيدين)

(قوله :وليس بصحيح إلخ) قال فى النهر بل هو صحيح إذ من شرائطه الوقت أعنى أيام التشريق حتى لو فاتته صلاة فى أيامه فقضاها فى غير أيامه من القابل لا يكبر، وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه على أنا قدمنا أن الإذن العام لم

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جائے، تب بھی اُن کے نزدیک یہ زیادہ سے زیادہ تطوع اور نفل کی جماعت ہوگی۔
لیکن قابلِ نکیر پھر بھی نہ ہوگی، جو فقہائے کرام شروع سے ہی نمازِ عید کو سنت قرار دیتے ہیں، جیسا کہ مالکیہ اور شافعیہ، حنفیہ کا ایک قول بھی نمازِ عید کے سنت ہونے کا ہے۔
تو ان کے نزدیک یہ ایسی تطوع نماز میں داخل ہوگی، جس کا باجماعت پڑھنا مشروع ہے، جیسا کہ نمازِ تراویح۔
اور حنابلہ کے نزدیک عید کی نماز فرض علی الکفایہ ہے، اور ان کے نزدیک بعد میں دوسرے لوگوں کو عید کی نماز باجماعت پڑھنا فرض نہیں، البتہ مستحب، یا جائز ہونے میں کوئی اختلاف نہیں، اگرچہ اس کی رکعات یا طریقۂ کار میں تھوڑا بہت اختلاف ہو، ان کے نزدیک بھی یہ ایسی تطوع نماز میں داخل ہوگی، جس کا باجماعت پڑھنا مشروع ہے، بالخصوص جبکہ اُن کے نزدیک مطلق تطوع کو بھی جماعت کے ساتھ پڑھنا مکروہ نہیں۔
نمازِ عید کے واجب یا تطوع میں داخل ہونے کے اختلاف کی وجہ سے حنفیہ نے مطلق عید کی نماز کی نیت سے نمازِ عید کو جائز، بلکہ بعض نے افضل قرار دیا ہے۔
اور جو حضرات نمازِ عید کو اپنی اصل کے اعتبار سے واجب قرار دیتے ہیں، اور نمازِ عید کے لئے مخصوص شرائط کو لازم شرط قرار دیتے ہیں، جیسا کہ حنفیہ، اُن کے نزدیک اس طرح کی شرط

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

يذكر في الظاهر نعم بقي أن يقال من شرائطها الجماعة التي هي جمع والواحد هنا مع الإمام جماعة فكيف يصح أن يقال :إن شروطه شروط الجمعة .اهـ
والجواب أن المراد الاشتراك في اشتراط الجماعة فيهما لا من كل وجه وإلا انتقض ما أجاب به أولا فإن الشرط في الجمعة وقت الظهر فالاشتراك في اشتراط الوقت فيهما مطلقا فكذا الجماعة تدبر(منحة الخالق على البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج٢،ص ١٧٩ ،باب العيدين)
قلت :وفي إمامة البحر أن الجماعة في العيد تسن على القول بسنيتها، وتجب على القول بوجوبها . اهـ .وظاهره أنها غير شرط على القول بالسنية لكن صرح بعده بأنها شرط لصحتها على كل من القولين أي فتكون شرطا لصحة الإتيان بها على وجه السنة وإلا كانت نفلا مطلقا تأمل لكن اعترض ط ما ذكره المصنف بأن الجمعة من شرائطها الجماعة التي هي جمع والواحد هنا مع الإمام كما في النهر(رد المحتار على الدر المختار، ج٢،ص ١٦٦ ، كتاب الصلاة،باب العيدين)

فوت ہونے کے بعد، عید کی نماز واجب نہیں رہتی، اور **من حیث کامل الاداء**، اس کی صحت فوت ہوجاتی ہے، جیسا کہ فرض نماز کا معاملہ ہے، لیکن **من حیث ناقص الاداء**، بھی اس کی شرط فوت ہوجائے، یہ محلِ نظر ہے،، اور جب تک باجماعت ادائیگی کسی حیثیت سے ممکن ہو، اس وقت تک اس کو اسی سابقہ ہیئت کے مطابق اداء کرنا درست ہے، جس کی تائید اس جزئیہ سے بھی ہوتی ہے، جس میں پہلے دن کسی عذر سے نمازِ عید نہ پڑھی جانے کی صورت میں، دوسرے اور تیسرے دن تک نمازِ عید کو اداء کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک عام نوافل کا جماعت سے پڑھنا اس وقت مکروہ ہے، جبکہ تداعی کے ساتھ ہو، جس کی تفسیر بعض حضرات نے اہتمام ومواظبت اور عادت سے، اور بعض نے اس سے کی ہے کہ امام کے علاوہ کم از کم تین، یا چار آدمی امام کے ساتھ جماعت میں شریک ہوں۔

عام نوافل کو جماعت کے ساتھ پڑھنا، اگر تداعی کے ساتھ اتفاقاً واحیاناً ہو، تو حنفیہ کے نزدیک مکروہ تنزیہی یعنی خلاف اولیٰ ہے، گناہ نہیں، جس کا حاصل جواز نکلتا ہے، اور اگر تداعی کے بغیر ہو، تو بلا کراہت جائز ہے۔ [1]

---

[1] التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعى يكره وفى الأصل للصدر الشهيد أما إذا صلوا بجماعة بغير أذان وإقامة فى ناحية المسجد لا يكره، وقال شمس الأئمة الحلوانى :إن كان سوى الإمام ثلاثة لا يكره بالاتفاق وفى الأربع اختلف المشايخ والأصح أنه يكره .هكذا فى الخلاصة (الفتاوىٰ الهندية، ج ١، ص ٨٣، كتاب الصلاة، الباب الخامس، الفصل الأول)

قلت: وتفسير التداعى بالاهتمام والمواظبة اولى من تفسيرها بالعدد والكثرة كما لا يخفى..........

فالتنفل بالجماعة على سبيل المواظبة يكره اتفاقا، واختلفوا فيما اذا كانت بدونها، فاجازه بعضهم مطلقا كالحلوانى، ومنعه بعضهم اذا كانوا اربعا سوى الامام (اعلاء السنن، ج٧ص ١٩٧١، كتاب الصلاة، باب كراهة الجماعة فى النوافل والوتر سوى التراويح والكسوف والاستسقاء والعيدين بالتداعى، مطبوعة: دارالفكر، بيروت، لبنان،الطبعة الاولىٰ ١٤٢١هـ، 2001ء)

وأصل هذا أن التطوع بالجماعة إذا كان على سبيل التداعى يكره فى الأصل للصدر الشهيد أما إذا صلوا بجماعة بغير أذان وإقامة فى ناحية المسجد لا يكره، وقال شمس الأئمة الحلوانى إن كان سوى الإمام ثلاثة لا يكره بالاتفاق، وفى الأربع اختلف المشايخ والأصح أنه يكره اهـ(البحر الرائق

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور عید کی نماز سال میں ایک یا دو مرتبہ پڑھی جاتی ہے، جس کو جماعت سے ادا کرنا بنیادی طور پر مشروع ہے، اور فقہائے کرام میں سے کسی کے نزدیک اجتہادی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے اس پر معصیت کا حکم لگانا، یا اس پر نکیر کرنا پھر بھی درست نہیں ہوتا، جیسا کہ آگے باحوالہ آتا ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

شرح کنز الدقائق، ج ا ،ص ۳٦٦،باب الإمامة)

وقيده في الكافي بأن يكون على سبيل التداعي أما لو اقتدى واحد بواحد أو اثنان بواحد لا يكره وإذا اقتدى ثلاثة بو ۳٦٦٧٥،صلاة التراويح)

(ولا يصلى الوتر و) لا (التطوع بجماعة خارج رمضان) أي يكره ذلك على سبيل التداعي، بأن يقتدي أربعة بواحد كما في الدرر، ولا خلاف في صحة الاقتداء إذ لا مانع نهر(الدر المختار)

(قوله أي يكره ذلك) أشار إلى ما قالوا من أن المراد من قول القدوري في مختصره لا يجوز الكراهة لا عدم أصل الجواز، لكن في الخلاصة عن القدوري أنه لا يكره، وأيده في الحلية بما أخرجه الطحاوي عن المسور بن مخرمة، قال :دفنا أبا بكر -رضي الله تعالى عنه -ليلا فقال عمر -رضي الله عنه :-إني لم أوتر، فقام وصفنا وراءه فصلى بنا ثلاث ركعات لم يسلم إلا في آخرهن .ثم قال :ويمكن أن يقال :الظاهر أن الجماعة فيه غير مستحبة، ثم إن كان ذلك أحيانا كما فعل عمر كان مباحا غير مكروه، وإن كان على سبيل المواظبة كان بدعة مكروهة لأنه خلاف المتوارث، وعليه يحمل ما ذكره القدوري في مختصره، وما ذكره في غير مختصره يحمل على الأول، والله أعلم اهـ.

قلت :ويؤيده أيضا ما في البدائع من قوله :إن الجماعة في التطوع ليست بسنة إلا في قيام رمضان اهـ فإن نفي السنية لا يستلزم الكراهة، نعم إن كان مع المواظبة كان بدعة فيكره .وفي حاشية البحر للخير الرملي :علل الكراهة في الضياء والنهاية بأن الوتر نفل من وجه حتى وجبت القراءة في جميعها، وتؤدى بغير أذان وإقامة، والنفل بالجماعة غير مستحب لأنه لم تفعله الصحابة في غير رمضان اهـ وهو كالصريح في أنها كراهة تنزيه تأمل .اهـ.

(قوله على سبيل التداعي) هو أن يدعو بعضهم بعضا كما في المغرب، وفسره الواني بالكثرة وهو لازم معناه.

(قوله أربعة بواحد) أما اقتداء واحد بواحد أو اثنين بواحد فلا يكره، وثلاثة بواحد فيه خلاف (رد المحتار على الدر المختار، ج٢، ص ٤٩، كتاب الصلاة،باب الوتر والنوافل)

[1] فالحاصل :أن الأحاديث لما اختلفت في الصلاة بالجماعة وعدمها على وجه لا يصح به إثبات السنية لم يقل أبو حنيفة بسنيتها ولا يلزم منها قوله بأنها بدعة كما نقله عنه بعض المتعصبين بل هو قائل بالجواز اهـ:

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور اگر بحالاتِ موجودہ عندالحنفیۃ اِذنِ حاکم واِذنِ عام کو نمازِ عید کے لئے شرط نہ مانا جائے، یعنی اس کے موجود ہونے، یا تعدد کی وجہ سے اور ممانعت از حاکم نہ ہونے کی وجہ سے، تو پھر گھر وغیرہ میں موجود اُن لوگوں پر جن میں نمازِ جمعہ کے واجب ہونے کی شرائط پائی جاتی ہیں، اور اُن کو اپنے مقام پر رہتے ہوئے، باجماعت عید کی نماز پڑھنے پر قدرت ہو، تو ان پر حنفیہ کے نزدیک عید کی نماز واجب ہوگی، اور جائز وکراہت وغیرہ کی مذکورہ بحث سے خارج ہوگی۔

بہرحال ایک سے زیادہ افراد کے باجماعت نمازِ عید پڑھنے کی صورت میں یہ نماز یا تو حقیقی نمازِ عید ہوگی، یا تطوع کی غیر مکروہ، وغیر منکر جماعت ہوگی۔

اور فعلِ مباح، اور واجب، سنت، یا مستحب کے درمیان دائر اختلاف کی صورت میں اس فعل کا کر لینا، اولیٰ ہوا کرتا ہے، تو اس حیثیت سے یہ جماعت بھی مکروہ کے بجائے، اولیٰ ہوگی۔

اب آخری مسئلہ نمازِ عید کو جماعت کے بغیر تنہاء پڑھنے کا باقی رہ جاتا ہے۔

اگر کوئی عید کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکے، خواہ عذر کی وجہ سے، یا بغیر عذر کے، تو دوسرے اکثر فقہائے کرام کے نزدیک ہر ایک کے حق میں عید کی نماز درست ہونے کے لئے جماعت کا ہونا ضروری نہیں۔

اس لئے اُن کے قول کے مطابق اگر کوئی شخص قانونی رُکاوٹ، یا حفاظتی تدبیر کے طور پر خود سے نمازِ عید کی جماعت میں شرکت نہ کرے، یا اس قسم کا عذر بھی نہ ہو، تو اُس کو زوال سے پہلے پہلے اپنے مقام پر رہتے ہوئے تنہاء عید کی نماز پڑھنا، نہ صرف یہ کہ درست ہے، بلکہ بعض حضرات کے نزدیک اُن کو عید کی نماز پڑھنا سنت اور بعض حضرات کے نزدیک مستحب ہے، ممنوع وناجائز کسی کے نزدیک بھی نہیں۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

قلت: والظاهر أن المراد به الندب والاستحباب لقوله في الهداية قلنا: إنه فعله -عليه الصلاة والسلام- مرة وتركه أخرى فلم يكن سنة اهـ أي لأن السنة ما واظب عليه والفعل مرة مع الترك أخرى يفيد الندب تأمل(رد المحتار على الدر المختار، ج٢،ص ١٨٤، كتاب الصلاة،باب الاستسقاء)

اور ان کے نزدیک مریض ومسافر، اور شہری ودیہاتی وغیرہ کو بھی اپنے مقام پر عید کی نماز اجتماعاً، یا انفراداً حسبِ موقع وحسبِ ضرورت پڑھنا جائز ہے۔

اور حنفیہ کے نزدیک اگر کوئی عید کی نماز جماعت سے نہ پڑھ سکے، تو اس کو دو رکعات، یا چار رکعات پڑھنے کا اختیار ہے، اور ایسا کرنا حنفیہ کے نزدیک جائز، یا مستحب ہے۔

البتہ اس کی یہ نماز، عید کی، یا عام نفل کی ہونے، نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

عام اور مشہور قول کے مطابق تو یہ نماز، عام تطوع اور نفل کی نماز ہے، جس کو بعض حضرات نے چاشت کی نماز قرار دیا ہے، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جب جماعت اور خطبہ اور جہری قرائت وغیرہ نہ ہوگی، تو نمازِ عید کی مخصوص ہیئت موجود نہ ہونے کی وجہ سے یہ عام تطوع اور نفل نماز ہی شمار ہوگی۔

لیکن چونکہ دیگر متعدد فقہائے کرام کے معروف قول اور حنفیہ کے ایک غیر راجح قول کے مطابق، عید کی نماز بھی تطوع میں داخل ہے، اور اس کو صرف نمازِ عید کی نیت سے پڑھنا، نہ صرف یہ کہ جائز ہے، بلکہ بعض حضرات کے نزدیک اختلاف سے بچنے کے لئے افضل بھی ہے۔

اور خطبۂ عید صرف سنت ہے، اور جماعت کے بغیر عید کی نماز پڑھنے کی صورت میں اس کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔

اور غیر حنفیہ کے نزدیک تکبیراتِ عید، سنت ہیں، واجب نہیں، اور جہری قرائت بھی ان کے نزدیک واجب نہیں، اور بغیر جماعت کے واجب قرار دینے والوں کے نزدیک بھی واجب نہیں رہتی، تو ان کے نزدیک تکبیراتِ زوائد اور خطبہ وجہری قرائت کے بغیر بھی نمازِ عید کو وجود مل جاتا ہے۔

ان وجوہات کی بناء پر اس کو نمازِ عید کی قضاء کا عنوان اور حکم دینے میں کوئی حرج نہیں، نیز تکبیراتِ زوائد کا انفرادی نماز میں کہنا کوئی ایسا فعل نہیں، جو مفسدِ نماز یا کراہتِ شدیدہ کا

باعث ہو، بالخصوص، جبکہ یہ نماز تکبیراتِ زوائد والی نماز کی قضاء کے طور پر پڑھی جارہی ہو۔
اس لیے جب کسی کو جماعت کے ساتھ نمازِ عید میسر نہ ہو، یا کوئی مریض ومسافر اور عورت ہو، تو اس کے حق میں عنداللہ ان دو رکعتوں، یا چار رکعتوں کو نمازِ عید کا حکم ودرجہ حاصل ہونے کا قول، جمہور کے علاوہ حنفیہ کے نزدیک بھی بے بنیاد نہیں، جس کی تائید بعض احادیث وروایات اور آثار، اور جمہور فقہائے کرام نیز بعض مشائخِ حنفیہ کے قول سے بھی ہوتی ہے۔
ہمارے نزدیک یہی راجح ہے۔
اور اگر کوئی اس توجیہ سے اتفاق نہ کرے، اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک کسی بھی جہت سے انفرادی طور پر نماز کو عید کے زمرہ میں شامل نہ کرے، تو پھر ہمارے نزدیک احادیث وآثار اور جمہور فقہائے کرام کے اقوال اور ان کی طرف سے بیان فرمودہ دلائل کے پیشِ نظر یہ قول راجح کہلائے جانے کا مستحق نہیں، کیونکہ ان روایات وآثار اور مجتہدینِ عظام کی تصریحات کی حیثیت، یقیناً غیر مجتہد مشائخِ حنفیہ کی توجیہ وتاویل سے زیادہ اہم اور راجح ہے۔
اور غور کرنے سے معلوم ہوا کہ فقہائے کرام کا یہ اختلاف کسی چیز کے واجب ہونے، نہ ہونے، یا سنت ومستحب اور مباح ہونے کے درمیان دائر ہے، اور اس قسم کے اختلاف میں اس عمل کو کرلینا افضل ہوا کرتا ہے۔
اس لیے جس کو عید کی نماز باجماعت میسر نہ ہو، اس کو بھی عید کی نماز جہری قرائت اور خطبہ کے بغیر پڑھ لینا بہتر ہے، اور خواتین کو بھی اپنے اپنے گھروں میں نمازِ عید کو پڑھنا بہتر ہے، بلکہ ہر مسلمان جس کو جس طرح ممکن ہو، نمازِ عید کا حتی الامکان اہتمام کرکے حدیث میں مذکور ''عِيدُنَا أَهْلَ الْإِسْلَامِ'' کا مصداق بننا چاہیے۔
اس سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ آج کل ہمارے یہاں موجودہ حالات میں، جس طرح اہلِ علم کا ایک طبقہ لوگوں کو گھروں میں نمازِ عید پڑھنے کو بہرحال ناجائز قرار دے رہا ہے، جس سے اس کے معصیت ہونے کا تأثر مل رہا ہے، وہ محدثین وفقہائے کرام کے موقف کو صحیح نہ سمجھنے کی

بناء پر ہے۔

اور جو بعض اہلِ علم حضرات کا یہ قول سوال میں ذکر کیا گیا ہے کہ:

’’فقہ حنفی کے مطابق نمازِ عید کا بڑے مجامع کے علاوہ، گھروں وغیرہ میں پڑھنا درست نہیں، ہاں دوسرے فقہ کے مطابق درست ہے‘‘۔

تو اس پر کلام کی بہت زیادہ گنجائش ہے، کیونکہ اس قول میں گھروں یا مخصوص عمارات میں نمازِ عید کے عدمِ جواز کی نہ تو کوئی دلیل اور وجہ مذکور ہے، اور نہ ہی کسی فقہی حوالہ کا ذکر ہے۔

پھر دیگر فقہائے کرام اور حنفیہ کے مابین نمازِ عید کے کسی مقام پر جواز وعدمِ جواز کا مابہ الفرق کوئی مخصوص عمارت، یا گھر وغیرہ ہونا، ہرگز نہیں، بلکہ عندالحنفیہ زیادہ سے زیادہ وجودِ سلطان، یا اِذنِ عام وغیرہ کی شرط کے فقدان کو قرار دیا جاسکتا ہے، لیکن چونکہ گھروں میں چار افراد کا باجماعت عید کی نماز پڑھنا ممکن ہے، اور اس کی حکمران کی طرف سے بھی ممانعت نہیں، اور اِذنِ عام کی شرط، اَوّلاً تو ایک سے زیادہ مقامات پر عید کے جواز کے قول اور اس کے مطابق عمل ہونے سے باقی نہیں رہتی۔

دوسرے گھروں وغیرہ میں بھی اِذنِ عام کی صورت پر بآسانی عمل درآمد ہوسکتا ہے، اور اس کے مطابق متعدد حنفیہ، فتاویٰ جاری کر چکے ہیں۔

جبکہ حنفیہ کے علاوہ، دیگر فقہائے کرام کے نزدیک صحتِ نمازِ عید کے لیے نہ تو اِذنِ عام شرط ہے، اور نہ ہی جماعت کا ہونا شرط ہے۔

البتہ اگر معتدبہ افراد کی جماعت کے ساتھ نہ پڑھی جائے، تو پھر حنفیہ کے نزدیک عدمِ جواز بمعنیٰ ’’عدمُ الاعتداد بصلاۃ العید‘‘ کی معقول وجہ ہوسکتی ہے، لیکن معصیت وکراہت اس میں بھی نہیں پائی جاتی، جس پر کلام گزر چکا۔

اس کے علاوہ مذکورہ بیان میں دوسرے فقہاء کے قول پر عمل جائز ودرست ہونے، یا گھروں میں نمازِ عید پڑھنے کے عمل پر نکیر کا ذکر نہیں۔

اور دوسرے اُصول وقواعد سے یہ بات ثابت ہے کہ اس عمل پر نکیر وملامت نہیں کی جاسکتی۔
چنانچہ اس سلسلہ میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات سے چند قیمتی اقتباسات ذکر ونقل کیے جاتے ہیں۔
مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ائمۂ اربعہ کے متفق علیہ اصول سے یہ ثابت ہے کہ جس مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش ہو، اور ائمۂ مجتہدین اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اس کی کوئی خاص صورت تجویز کر کے عمل کریں، تو ان میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی، دونوں جانبیں معروف ہی کی فرد ہوتی ہیں، اس لیے وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خطاب بھی متوجہ نہیں ہوتا، اور اپنے مسلکِ مختار کے مخالف عمل کرنے والوں پر تارکِ سنت ہونے کا الزام لگانا، یا ان کو فاسق کہنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

امامِ حدیث حافظ ابنِ عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''جامع العلم'' میں اس کے متعلق جو مضمون نقل فرمایا ہے، وہ اہلِ علم کو ہمیشہ مستحضر اور صفحۂ قلب پر نقش رکھنا ضروری ہے، تاکہ ان مفاسد سے بچ سکیں، جن میں آج کل کے بہت سے علماء مبتلا ہیں کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر تک پہنچ جاتے ہیں، اور اکابر علماء کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہوجاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں دیندار مسلمان آپس میں ٹکراتے ہیں، اور پھر خدا جانے کتنے صغیرہ، کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں (مجالسِ حکیم الامت، صفحہ ۶۸، ۶۹، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

جس مسئلہ میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہو، اس کی کوئی جانب شرعی حیثیت سے منکر نہیں کہلائے گی، کیونکہ دونوں آراء کی بنیاد قرآن وسنت اور ان

کے مسلمہ اصول پر ہے، اس لیے دونوں جانبین داخلِ معروف ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہا جاسکتا ہے، اس لیے ان مسائل مجتہد فیہا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی کسی پر عائد نہیں ہوتا، بلکہ غیر منکر پر نکیر کرنا، خود ایک منکر ہے، یہی وجہ ہے کہ سلفِ صالحین کا بے شمار مسائل میں جواز وعدمِ جواز اور حرمت وحلت کا اختلاف ہونے کے باوجود کہیں منقول نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے پر اس طرح نکیر کرتا ہو، جیسے منکرات پر کی جاتی ہے، یا ایک دوسرے کو یا اس کے متبعین کو گمراہی یا فسق وفجور کی طرف منسوب کرتا ہو، یا اس کو ترکِ وظیفہ یا ارتکابِ حرام کا مجرم قرار دیتا ہو، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا جو قول نقل کیا ہے، وہ بھی اس پر شاہد ہے، جس میں فرمایا ہے کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کا تخطیہ یعنی اس کو خطا وار مجرم کہنا جائز نہیں (جواہر الفقہ، جلد اول، ص ۴۰۸، ۴۰۹، مضمون ''وحدتِ امت'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''روکنے ٹوکنے کا معاملہ صرف اُن مسائل میں ہوگا، جو اُمت میں مشہور ومعروف ہیں، اور سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں، اجتہادی مسائل، جن میں اُصولِ شرعیہ کے ماتحت رائیں ہوسکتی ہیں، ان میں روک ٹوک کا سلسلہ نہ ہونا چاہئے'' (معارف القرآن، ج ۲ ص ۱۴۲، سورہ آلِ عمران، آیت نمبر ۱۰۴، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''یہاں سے ایک بہت اہم اصولی بات واضح ہوگئی کہ جو اجتہادی اختلاف شرعی اجتہاد کی تعریف میں داخل ہے، اس میں اپنے اپنے اجتہاد سے جس امام نے جو

جانب اختیار کرلی، اگر چہ عند اللہ اس میں صواب اور صحیح صرف ایک ہے، دوسرا خطاء ہے، لیکن یہ صواب وخطاء کا فیصلہ صرف حق تعالیٰ کے کرنے کا ہے، وہ محشر میں بذریعہ اجتہاد صواب پر پہنچنے والے عالم کو دوہرا ثواب عطا فرمائیں گے اور جس کے اجتہاد نے خطاء کی ہے، اس کو ایک ثواب دیں گے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اجتہادی اختلاف میں یہ کہنے کا حق نہیں کہ یقینی طور پر یہ صحیح ہے، دوسرا غلط ہے۔
ہاں اپنی فہم وبصیرت کی حد تک ان دونوں میں جس کو وہ اقرب الی القرآن والسنہ سمجھے، اس کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے نزدیک یہ صواب ہے، مگر احتمال خطاء کا بھی ہے اور دوسری جانب خطاء ہے، مگر احتمال صواب کا بھی ہے۔ اور وہ یہ بات ہے جو تمام ائمہ فقہاء میں مسلم ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ اجتہادی اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ماتحت اس پر نکیر کیا جائے اور جب وہ منکر نہیں تو غیر منکر پر نکیر، خود امرِ منکر ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔

یہ وہ بات ہے جس میں آج کل بہت سے اہلِ علم بھی غفلت میں مبتلا ہیں، اپنے مخالف نظریہ رکھنے والوں پر تبرا اور سب وشتم سے بھی پرہیز نہیں کرتے، جس کا نتیجہ مسلمانوں میں جنگ وجدل اور انتشار واختلاف کی صورت میں جگہ جگہ مشاہدہ میں آرہا ہے، اجتہادی اختلاف بشرطیکہ اصول اجتہاد کے مطابق ہو، وہ تو ہرگز آیتِ مذکورہ ولاتفرّقوا کے خلاف اور مذموم نہیں۔

البتہ اس اجتہادی اختلاف کے ساتھ جو معاملہ آج کل کیا جارہا ہے کہ اسی کی بحث ومباحثہ کو دین کی بنیاد بنالی گئی اور اس پر باہمی جنگ وجدل اور سب وشتم تک نوبت پہنچادی گئی، یہ طرزِ عمل بلاشبہ ولاتفرّقوا کی کھلی مخالفت اور مذموم اور سنت سلف، صحابہ وتابعین کے بالکل خلاف ہے، اسلافِ امت میں کبھی کہیں نہیں سنا

گیا کہ اجتہادی اختلاف کی بنا پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو'' (معارف القرآن ، ج۲ ص ۱۴۳، سورہ آلِ عمران، آیت نمبر۱۰۴، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

استنباط سے جو حکم فقہاء نکالیں گے، اس کے بارے میں قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ کے نزدیک قطعی طور پر یہی حق ہے، بلکہ اس حکم کے خطاء ہونے کا بھی احتمال باقی رہتا ہے، ہاں اس کے صحیح ہونے کا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے، جو عمل کے لیے کافی ہے (معارف القرآن، ج۲، ص ۴۹۴، سورہ نساء، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

اور مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ائمہ مجتہدین جن کی شان اجتہاد علماء امت میں مسلم ہے، اگر کسی مسئلہ میں ان کے دو مختلف قول ہوں، تو ان میں سے کسی کو بھی منکر شرعی نہیں کہا جا سکتا، بلکہ اس کی دونوں جانبیں معروف میں داخل ہیں۔

ایسے مسائل میں ایک رائے کو راجح سمجھنے والے کے لیے یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے پر ایسا انکار کرے، جیسا کہ گناہ پر کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ وتابعین میں بہت سے اجتہادی اختلافات اور متضاد اقوال کے باوجود یہ کہیں منقول نہیں کہ وہ ایک دوسرے پر فاسق یا گنہگار ہونے کا فتویٰ لگاتے ہوں، بحث وتمحیص اور مناظرے ومکالمے سب کچھ ہوتے تھے، اور ہر ایک اپنی رائے کی ترجیح کی وجوہ بیان کرتا اور دوسرے پر اعتراض کرتا تھا، لیکن کوئی کسی کو اس اختلاف کی وجہ سے گناہ گار نہ سمجھتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتہادی اختلاف کے موقع پر یہ تو ہر ذی علم کو اختیار ہے کہ جس

جانب کو راجح سمجھے اسے اختیار کرے، لیکن دوسرے کے فعل کو منکر سمجھ کر اس پر انکار کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، اس سے واضح ہوا کہ اجتہادی مسائل میں جنگ و جدل، یا منافرت پھیلانے والے مقالات و مضامین امر بالمعروف یا نہی عن المنکر میں داخل نہیں، ان مسائل کو محاذِ جنگ بنانا، صرف ناواقفیت یا جہالت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے (معارف القرآن، ج۳، ص۲۵۳ و۲۵۴، سورہ مائدہ، ادارۃ المعارف، کراچی، اشاعت، اپریل ۱۹۹۲ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

میرے نزدیک اس جنگ وجدل کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل میں تحزب و تعصب اور اپنی اختیار کردہ راہِ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے، جو اہلِ باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہیے تھا (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۱۱۴، مضمون ''وحدتِ امت'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

صحابہ و تابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب و سنت کے ماتحت جو اِن میں اختلافِ رائے پیش آیا ہے، اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے جنگ وجدال کی صورت اختیار کی ہو، باہمی اختلافِ مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۱۴۴، مضمون ''اختلافِ امت پر ایک نظر'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

اور مفتی صاحب موصوف ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت اختلافِ رائے جو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہے، تو بلاشبہ رحمت ہی ہے، اس کا کوئی پہلو نہ مسلمانوں کے لیے مضر ثابت ہوا، اور نہ آج ہوسکتا ہے، بشرطیکہ وہ انہیں حدود کے اندر رہے، جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز، جماعت، امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا (جواہرُ الفقہ، جلد اول، ص۴۴۳، مضمون ''اختلافِ امت پر ایک نظر''، مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

جہاں تک سوال میں ذکر کردہ اس بات کا تعلق ہے کہ عوام کو حسبِ ضرورت وحسبِ موقعہ فقہائے کرام میں سے کسی کے مسلک کے مطابق عید کی نماز پڑھنا جائز ہے، یانہیں؟

تو اولاً تو اس سلسلہ میں ہم فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں تفصیل ذکر کرچکے ہیں کہ بحالاتِ موجودہ نمازِ عید کا گھروں وغیرہ میں پڑھنا، تمام قابلِ ذکر مجتہدینِ عظام وفقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔

پس مذکورہ صورت میں نمازِ عید کو گھروں وغیرہ میں پڑھنے کے جواز کے لئے کسی دوسرے مسلک پر چلنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کا ثبوت اہلُ السنۃ والجماعۃ کے اکثر مشہور فقہی مذاہب ومسالک میں موجود ہے۔

اور اگر بالفرض کسی مسئلہ میں فقہائے کرام کا اختلاف ہو، تو عوام کو دوسرے فقہائے کرام کے اقوال پر عمل کرلینا، پھر بھی جائز ہے، جس میں دو یا زیادہ افراد کا جماعت اور بغیر جماعت کے تنہاء عید کی نماز پڑھنا بھی داخل ہے، جبکہ کوئی ناجائز مقصد پیشِ نظر نہ ہو، بلکہ اپنی ضرورت وسہولت کی بنیاد پر ایک شرعی حکم پر عمل کرنا اور عبادت کو بجالانا مقصود ہو۔

جس کی تفصیل فقہائے کرام کی عبارات میں موجود ہے، اور ہم نے اپنے دوسرے مضامین میں اس مسئلہ کو مفصَّل ومدلَّل انداز میں بیان کردیا ہے۔

اور اس سلسلہ میں موجودہ دور کے بعض اہلِ علم حضرات کے ذہنوں میں پائی جانے والی بعض

غلط فہمیوں کی نشاندہی بھی کردی ہے۔ ل

ل لایجب ـ فی الأصح الراجح ـ التزام مذهب فقهی معین، لأن ذلک مجرد تقلید (أی أخذ بقول الغیر من غیر معرفة دلیله) وإیجاب التقلید تشریع شرع جدید، کما قال شارح مسلم الثبوت. فلا مانع شرعا من تقلید أئمة المذاهب والمجتهدین المشهورین والمغمورین، کما لامحذور فی الشرع من التلفیق بین أقوال المذاهب عملا بمبدأ الیسر فی الدین لقوله تعالی :(یرید الله بکم الیسر ولا یرید بکم العسر) (البقرة2 /185:)، ومن المعلوم أن أغلب الناس لامذهب لهم، وإنما مذهبهم مذهب مفتیهم، وهم حریصون علی أن یکون عملهم شرعیا(الفِقْهُ الإسلامیُّ وأدلَّتُهُ، ج ۱،ص ۹۰)

وجواز التلفیق مبنی علی ما قررناه من أنه لا یجب التزام مذهب معین فی جمیع المسائل، فمن لم یکن ملتزما مذهبا معینا، جاز له التلفیق، وإلا أدی الأمر إلی بطلان عبادات العوام، لأن العامی لا مذهب له ولو تمذهب به، ومذهبه فی کل قضیة هو مذهب من أفتاه بها .کما أن القول بجواز التلفیق یعتبر من باب التیسیر علی الناس.

وتقلید إمام فی جزئیة أو مسألة لایمنع من تقلید إمام آخر فی مسألة أخری(الفِقْهُ الإسلامیُّ وأدلَّتُهُ، ج ۱،ص۱۰۷)

مطلب یجوز تقلید المفضول مع وجود الأفضل:ثم اعلم أنه ذکر فی التحریر وشرحه أیضا أنه یجوز تقلید المفضول مع وجود الأفضل .وبه قال الحنفیة والمالکیة وأکثر الحنابلة والشافعیة .وفی روایة عن أحمد وطائفة کثیرة من الفقهاء لا یجوز .ثم ذکر أنه لو التزم مذهبا معینا .کأبی حنیفة والشافعی، فقیل یلزمه، وقیل لا وهو الأصح اهـ وقد شاع أن العامی لا مذهب له.

إذا علمت ذلک ظهر لک أن ما ذکر عن النسفی من وجوب اعتقاد أن مذهبه صواب یحتمل الخطأ مبنی علی أنه لا یجوز تقلید المفضول وأنه یلزمه التزام مذهبه وأن ذلک لا یتأتی فی العامی.

وقد رأیت فی آخر فتاوی ابن حجر الفقهیة التصریح ببعض ذلک فإنه سئل عن عبارة النسفی المذکورة، ثم حرر أن قول أئمة الشافعیة کذلک، ثم قال إن ذلک مبنی علی

الضعیف من أنه یجب تقلید الأعلم دون غیره.

والأصح أنه یتخیر فی تقلید أی شاء ولو مفضولا وإن اعتقده کذلک، وحینئذ فلا یمکن أن یقطع أو یظن أنه علی الصواب، بل علی المقلد أن یعتقد أن ما ذهب إلیه إمامه یحتمل أنه الحق .قال ابن حجر :ثم رأیت المحقق ابن الهمام صرح بما یؤیده حیث

قال فی شرح الهدایة :إن أخذ العامی بما یقع فی قلبه أنه أصوب أولی، وعلی هذا استفتی مجتهدین فاختلفا علیه الأولی أن یأخذ بما یمیل إلیه قلبه منهما .وعندی أنه لو أخذ بقول الذی لا یمیل إلیه جاز؛ لأن میله وعدمه سواء ، والواجب علیه تقلید مجتهد وقد فعل .اهـ.(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۱،ص۴۸،مقدمة)

مطلب العامی لا مذهب له قلت :وأیضا قالوا العامی لا مذهب له، بل مذهبه مذهب مفتیه، وعلله فی شرح التحریر بأن المذهب إنما یکون لمن له نوع نظر واستدلال وبصر بالمذهب علی حسبه، أو

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

امام شیخ عبد الغنی نابلسی دمشقی حنفی رحمہ اللہ (المتوفیٰ: 1143ھجری) نے اپنی تالیف ''الحدیقةُ الندیة، شرح الطریقة المحمدیة ''میں اس بات کی وضاحت فرمائی ہے کہ جن مسائل میں فقہائے کرام کا اختلاف ہو، وہ حقیقی بدعت شمار نہیں ہوتے، اوران پر سختی ونکیر کرنا اور عوام الناس کی طرف سے فقہائے کرام میں سے کسی کے قول پر عمل ہونے کی صورت میں اس سے منع کرنا مناسب نہیں ہوتا، بلکہ عوام کا کوئی عمل، اتفاق سے فقہاء میں سے کسی کے قول کے مطابق، درست وجائز واقع ہوجائے، اس کی بھی گنجائش موجود ہوتی ہے۔

چنانچہ شیخ موصوف، مذکورہ کتاب میں فرماتے ہیں کہ:

وبعض صور العبادات الواردة فی الشرع بان یزاد فی صورتها او ینقص منها مع اعتقاد ان تلک الزیادة والنقصان طاعة بمجرد الرأی ، لتخرج من البدع هذه الزیادة والنقصان الواقعة فی العبادات علی حسب اختلاف المذاهب الاربعة الیوم کتثنیة الاقامة عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ بالنظر الی مذهب الامام شافعی رحمه الله تعالیٰ وافرادها عند الشافعی رحمه الله تعالیٰ بالنظر الی مذهب ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ، وصلاة الکسوف برکوعین وسجودین وفاتحتین فی کل رکعة عند الشافعی ، لا عند ابی حنیفة رحمه الله تعالیٰ ، فان هذا او ما اشبهه لیس ببدعة فی الدین، لانه ماخوذ من الادلة الشرعیة ، لا من مجرد الرأی

(الحدیقة الندیة، شرح الطریقة المحمدیة، ج ۱، ص ۹۷، الفصل الثانی من الفصول

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

لمن قرأ کتابا فی فروع ذلک المذهب وعرف فتاوی إمامه وأقواله.

وأما غیره ممن قال أنا حنفی أو شافعی لم یصر کذلک بمجرد القول کقوله أنا فقیه أو نحوی اهـ وتقدم تمام ذلک فی المقدمة أول هذا الشرح(رد المحتار علی الدر المختار، ج ۴، ص ۸۰، کتاب الحدود، باب التعزیر)

الثلاثة من الباب الاول فی بیان اقسام البدع، مطبوعة: المکتبة الحقیقیة ، استانبول، ترکیا، 1994ء)

ترجمہ: اور بدعت یہ بھی ہے کہ عبادت کی بعض صورتیں، جو شریعت میں وارِد ہیں، ان کی صورتوں میں زیادتی کی جائے، یا ان میں کمی کی جائے، اس اعتقاد کے ساتھ کہ یہ زیادتی اور نقصان، طاعت ہے، محض رائے کی بنیاد پر، تاکہ بدعت کے مفہوم سے وہ زیادتی اور نقصان خارج ہوجائے، جو عبادات میں آج کے زمانے میں مذاہبِ اربعہ کے اختلاف کی بنیاد پر واقع ہے، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک، اقامت کے کلمات کا دو دفعہ ہونا، امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مقابلے میں، اور اقامت کے کلمات کا امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اکہرے ہونا، امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے مذہب کے مقابلے میں، اور سورج گرہن کی نماز میں امام شافعی کے نزدیک ، ہر رکعت میں دو رکوع اور دو سجدوں، اور دو مرتبہ سورہ فاتحہ کا ہونا، نہ کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک، کیونکہ یہ، اور ان جیسی چیزیں ، دین میں بدعت شمار نہیں ہوتیں، کیونکہ یہ دلائلِ شرعیہ سے ماخوذ ہیں، محض رائے سے ماخوذ نہیں (الحدیقة الندیة)

امام شیخ عبدالغنی نابلسی حنفی رحمہ اللہ، مذکورہ کتاب میں ہی ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ومن هذا القبيل نهى الناس عن حضور مجالس الذكر بالجهر، وانشاد اشعار الصالحين، وان صرح فقهاء الحنفية بكراهة الجهر بالذكر، فان ائمة الشافعية كالنووى وغيره قائلون باستحباب ذالک ، ولاينبغى ان ينهى العوام عما تقول به ائمة المسلمين ، ولو كان العوام زاعمين انهم مقلدون لمذهب ابى حنيفة رحمه الله، وهم غير عالمين بفروع المذهب غير مجرد القول ، وقد

ذكر الوالد رحمه الله تعالىٰ فى شرحه على شرح الدرر فى باب قضاء الفوائت فى مبحث الظن المعتبر.

قال فى البحر شرح الكنز: والحق ان المجتهد لا كلام فيه اصلا ، وان ظنه معتبر مطلقا سواء كانت تلك الفائتة واجبة الاداء بالاجماع، او لا ، اذ لا يلزمه اجتهاد ابى حنفية ، ولا غيره ، وان كان مقلدا لابى حنيفة ، فلا عبرة برأية المخالف لمذهب امامه ، وان كان عاميا ليس له مذهب معين ، فمذهبه فتوى مفتيه كما صرحوا به ، ولاعبرة برأيه وان لم يستفت احدا ، وصادف الصحة على مجتهد اجزاه ، ولا اعادة عليه كما بسطه ثمة اهـ.

ومن هذا القبيل :نهى العوام عن المصافحة، بعد صلاة الصبح، والعصر، فإن بعض المتأخرين من الحنفية، صرح بالكراهة فى ذلك، ادعاء بأنه بدعة، مع انه داخل فى عموم سنة المصافحة مطلقا، فلا يبقى إلا مجرد التخصيص بالوقتين المذكورين، فيقتضى ابتداع ذلك.

وصرح النووى فى كتابه -الأذكار -وغيره من الشافعية، بأنها فى هذين الوقتين بدعة مباحة. فلا ينبغى للواعظ، أو المدرس، ان ينهى العوام عما أفتى بجوازه بعض أئمة الإسلام، ولو كان فى مذهب الغير، خصوصا، والعوام لا مذهب لهم، والتقليد للمذاهب الأربعة جائز لكل أحد ،كما بسطناه فى رسالتنا"خلاصة التحقيق فى بيان حكم التقليد والتلفيق" (الحديقة الندية، شرح الطريقة المحمدية، ج۲،ص۹۸،الخلق الثامن والأربعون، من الأخلاق

الستين المذمومة''الفتنة'' مطبوعة: المكتبة الحقيقية ، استانبول، تركيا، 1994ء)

ترجمہ: اور (لوگوں کو منع نہ کیے جانے والی صورتوں کے) اسی قبیل سے لوگوں کو ذکرِ جہری کی مجالس میں حاضر ہونے اور نیک لوگوں کے اشعار پڑھنے سے منع کرنا ہے (کہ اس سے بھی صرف جہر یا تداعی کی وجہ سے منع کرنا مناسب نہیں، جب تک کوئی اجماعی منکر لازم نہ آئے) اگرچہ فقہائے حنفیہ نے جہری ذکر (اور تداعی) کی کراہت کی تصریح فرمائی ہے، کیونکہ ائمۂ شافعیہ، جیسا کہ نووی وغیرہ، اس کے مستحب ہونے کے قائل ہیں، اور یہ بات مناسب نہیں کہ عوام کو اُن افعال سے منع کیا جائے، جن کے ائمۂ مسلمین قائل ہیں، اگرچہ عوام اس بات کا گمان کرتے ہوں کہ وہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مقلد ہیں، حالانکہ وہ مذہب کے فروع کو جانتے نہیں، سوائے قولِ محض کے۔ [1]

اور میرے والد رحمہ اللہ تعالیٰ نے ''شرحُ الدرر'' کی اپنی شرح میں ''باب قضاء الفوائت'' کے ذیل میں ظنِ معتبر کی بحث میں ذکر کیا ہے کہ ''کنز'' کی شرح ''البحر'' میں یہ مذکور ہے کہ حق بات یہ ہے کہ مجتہد کے بارے میں تو قطعاً کوئی کلام نہیں، اور اس کا گمان مطلقاً معتبر ہے، خواہ وہ فوت شدہ نماز بالاجماع، واجبُ الاداء ہو یا نہ ہو، کیونکہ اس مجتہد کو امام ابوحنیفہ اور ان کے علاوہ کسی اور مجتہد کا اجتہاد لازم نہیں۔ [2]

اور اگر وہ امام ابوحنیفہ کا مقلد ہو، تو پھر اس کے امام کے مذہب کے مخالف کی رائے کا اعتبار نہیں (جبکہ وہ عامی شخص نہ ہو، جیسا کہ آگے آتا ہے) اور اگر وہ عامی شخص

---

[1] جس کی وجہ سے وہ عامی لوگوں میں داخل ہیں، جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، جیسا کہ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے اور ہم نے اس قسم کی تصریحات، اپنے دوسرے مضامین وتالیفات میں ذکر کردی ہیں۔ محمد رضوان خان۔

[2] خواہ وہ کسی خاص متعلقہ مسئلہ یا متعلقہ مسائل میں جزوی مجتہد ہی، کیوں نہ ہو، جمہور اصولیین کے نزدیک اجتہاد متجزی ہونے کے قول کی رو سے۔ محمد رضوان خان۔

ہو، تو اس کا کوئی مذہب متعین نہیں، پس اس کا مذہب، اس کے مفتی کا مذہب ہوتا ہے (خواہ اس نے حنفی مفتی سے فتویٰ لیا ہو، یا غیر حنفی مفتی سے) جیسا کہ فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے، اور اس کی اپنی رائے کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا، اور اگر اس نے کسی مفتی سے استفتاء نہیں کیا، اور پھر اس کا عمل کسی بھی مجتہد کے مطابق صحیح واقع ہوگیا، تو بھی اس کے لیے جائز ہے، اور اس پر (اس نماز وغیرہ کے عمل کا) اعادہ نہیں، جیسا کہ وہاں (یعنی البحر میں) تفصیل بیان کی گئی ہے، انتہٰی۔

اور اسی قبیل سے عوام کو فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ سے منع کرنا ہے (کہ اس سے منع کرنا بھی مناسب نہیں) کیونکہ حنفیہ کے بعض متاخرین نے اس کی کراہت کی تصریح کی ہے، اس بات کا دعویٰ کرتے ہوئے کہ یہ بدعت ہے، حالانکہ یہ مطلق مصافحے کی سنت کے عموم میں داخل ہے، پس مذکورہ دو وقتوں کے ساتھ صرف تخصیص ہی باقی رہ گئی، جو اس عمل کے مبتدع ہونے کا تقاضا کرتی ہے (لیکن اس میں توسّع موجود ہے)

چنانچہ شافعیہ میں سے امام نووی نے اپنی ''کتابُ الاذکار'' وغیرہ میں اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ ان دو وقتوں میں مصافحہ کرنا ''بدعتِ مباحہ'' ہے۔

لہٰذا واعظ یا مدرس کے لیے یہ بات مناسب نہیں کہ وہ عوام کو ایسی چیز سے منع کرے کہ جس کے جواز کا بعض ائمۂ اسلام نے فتویٰ دیا ہے، اگرچہ وہ مذہبِ غیر میں ہی کیوں نہ ہو، خاص طور پر عوام کو، جن کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، اور مذاہبِ اربعہ کی تقلید، ہر ایک کے لیے جائز ہے، جیسا کہ ہم نے اپنے رسالے ''**خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد والتلفيق**'' میں اس کی تفصیل بیان کردی ہے (الحدیقة الندیة)

امام عبدالغنی بن اسماعیل نابلسی دمشقی حنفی (المتوفی: 1143ھ) ہی اپنے رسالہ ''**خلاصة**

التحقيق فی بيان حكم التقليد و التلفيق‘‘میں فرماتے ہیں:

والحاصل :أن العلماء اختلفوا فی لزوم مذهب معين، وصحح كل أحد منهم ما ذهب إليه، وعدم اللزم هو الراجح كما ذكرناه بعد أن لا يخرج عن المذاهب الأربعة، والله ولی التوفيق (خلاصة التحقيق فی بيان حكم التقليد، لعبدالغنی النابلسی، ص۸،مطلب : هل علی الإنسان التزام مذهب معين أم لا؟)

ترجمہ: اور خلاصہ یہ ہے کہ علماء کا مذہبِ معین کے لزوم میں اختلاف ہے، اور ہر ایک نے اپنے اختیار کردہ قول کی تصحیح کی ہے، لیکن مذہبِ معین کا لازم نہ ہونا راجح ہے، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا، بعد اس کے کہ مذاہبِ اربعہ سے خروج نہ کرے، واللہ ولی التوفیق (خلاصۃ التحقیق)

پس حنفیہ کے نزدیک تو امام سمیت کم از کم چار افراد کا نمازِ عید کی جماعت کے لئے ہونا ضروری ہے، اور ایک قول کے مطابق، امام سمیت تین افراد کا ہونا بھی کافی ہے، ضرورت کے وقت اس پر بھی عمل کرسکتا ہے۔

اور اگر صرف دو، یا تین افراد مل کر عید کی نماز باجماعت پڑھیں، تو غیر حنفیہ کے نزدیک تو اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں، اور حنفیہ کے نزدیک بھی تداعی نہ ہونے کی وجہ سے اس میں کوئی کراہت لازم نہیں آتی، اور اس کو فعلِ منکر کی فہرست میں شمار نہیں کیا جاسکتا، جس کی تفصیل پہلے ذکر کی جاچکی۔

اور ہمارے نزدیک افضل وبہتر، نیز اختلاف سے بچنے کا طریقہ یہی ہے کہ اگر کوئی باجماعت نمازِ عید پڑھے، تو پھر زائد تکبیرات کے ساتھ جہری قرائت بھی کرے، اور عذر نہ ہو تو خطبہ بھی دے۔

اور اگر انفرادی طور پر پڑھے، خواہ مرد ہو، یا عورت، تو بغیر خطبہ اور جہری قرائت کے، واجب

کی قید لگائے بغیر مطلق نمازِ عید کی نیت کرے، اور زائد تکبیرات بھی کہے، اور دو رکعت کے بعد خطبہ و جماعت کی تلافی کے طور پر مزید دو رکعات نفل بھی پڑھ لے۔

پس موجودہ صورتِ حال میں جو لوگ نمازِ عید کو بڑے مجامع میں نہ پڑھ سکیں، اور وہ قانونی رُکاوٹ کی وجہ سے، یا حفاظتی تدبیر کے طور پر خود سے بڑے مجامع میں نمازِ عید کے لئے شرکت نہ کریں، تو اُن کو اپنے مقام پر رہتے ہوئے، حسبِ موقعہ باجماعت، یا بلا جماعت عید کی نماز پڑھنا جائز ہے، خواہ وہ مردہ ہوں، یا خواتین، اور مریض ہوں، یا مسافر اوران کو یومِ عید کے اہم عمل، نمازِ عید، اور عند الجمهور ایک مشروع کارِ خیر سے منع کرنا، یا ان کے عمل پر نکیر وملامت کرنا درست نہیں۔

بلکہ جمہور فقہائے کرام اوران کی طرف سے بیان کردہ دلائل، اور صحابۂ کرام وتابعین کرام کے آثار کے پیشِ نظر افضل اور بہتر یہ ہے کہ عام حالات میں عید کے دن خواتین اور گھر میں موجود افراد، اور گاؤں، دیہات کے وہ لوگ بھی نمازِ عید پڑھیں، جو شہر کے بڑے مجامع میں نمازِ عید میں شریک نہ ہوں، جیسا کہ دلائل کے ساتھ ماقبل میں ذکر کیا گیا۔

اور آخر میں ایک مرتبہ پھر بندہ، اس قسم کے اجتہادی، وفروعی مسائل میں تشدد وجمود اختیار کرنے والے حضرات کو اپنے طرزِ عمل پر نظرِ ثانی کرنے، اور اعتدال پیدا کرنے کی مودبانہ درخواست والتماس کرتا ہے، خواہ وہ اکابر ومشائخ ہوں، یا معاصر ہوں، یا پھر اصاغر ہوں۔

لیکن اس کی نوبت اس وقت ہی آ سکتی ہے، جب اس طرح کے مضامین وآراء کو نیک نیتی ویکسوئی کے ساتھ ملاحظہ ومطالعہ کی زحمت فرمائی جائے، اور کسی موقف کو ملاحظہ ومطالعہ کیے بغیر اس پر بلا دلیل تفرد وغیرہ کا الزام، بلکہ تہمت عائد کرنے سے اجتناب کیا جائے۔

فقط. وَاللّٰہُ سُبۡحَانَهٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

محمد رضوان خان

5 / شوال المکرّم / 1441ھ۔28 / مئی / 2020 بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان